شمارہ:15
جولائی، اگست، ستمبر 2021

مدیر: اے آر خان

سہ ماہی قندیل حق لندن

QINDEEL-E-HAQ

A.R. Khan: +44-7886304637 E-Mail : qindeelehaq@gmail.com

دامن لہو لہو ہے گریباں لہو لہو
ہیں کشتگانِ فصلِ بہاراں لہو لہو

شاید گزر چکی ہے اسیروں کی جان پر
زنجیر ہے خموش تو زنداں لہو لہو

گو ہو چکا وجود پتنگوں کا بے نشاں
ہے دامنِ چراغِ شبستاں لہو لہو

کس کاروانِ آبلہ پا کا گزر ہوا
ہے دشت خون خون بیاباں لہو لہو

خنجر فشاں ہے کس کی خدائی چہار سمت
ہر گام پر ہے عظمتِ انساں لہو لہو

آنچل ہے سرخ خوں سے عروسِ بہار کا
گل چیں کے جَور سے ہے گلستاں لہو لہو

جولاں فقط رگوں میں مبارکؔ لہو نہیں
ہے قلب تا بہ دیدۂ گریاں لہو لہو

مبارک مونگھیری



مسجد بیت الاحد، جاپان

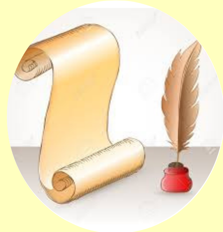


مسجد بیت الحمد، کینیڈا

فہرست

فہرست

✪✪✪✪✪✪



اداریہ۔احمدیت پہلے سے زندہ تر ہے

رانا عبدالرزاق خان۔لندن



یہ میگزین احمدیت کے تعارف کے لئے جاری کیا گیا ہے۔اس میں مذہبی اور معلوماتی مضامین شائع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔کیونکہ پاکستان میں احمدیوں پر ہر لحاظ سے عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے۔اور ہر قسم کا ظلم روا رکھ کر یہ لوگ جسے خدمت اسلام سمجھ رہے ہیں۔جہلائے اسلام کو اپنے رہنما سمجھ کر ان کے دست و پا بن کر احمدیوں پر ظلم ڈھا رہے ہیں۔احمدی خلافت کے سائے میں اسوہ محمدیؐ کو اپنا کر اس ظلم کو خدا کے لئے برداشت کر رہے ہیں۔وقت کے کئی ابو جاہل،اور ابولہب اپنا راگ الاپ کر اپنی مرضی کے فوائد سے مستفید ہو رہے ہیں۔عوام الناس کو لاعلمی کی بنا پر دھوکہ دے کر اپنے مقاصد حاصل کرنے کی کوشش میں ہیں۔علمائے سُوا اور لیڈران اپنے دجل سے قوم کو بے دریغ لوٹ کر اپنی تجوریوں کو بھرنے میں شب و روز مصروف ہیں۔جس طرح قارون اور فراعنہ نے عوام الناس کو حقیقت سے دور کر کے اپنی فرزنروائی کو طول دیا تھا۔یہ لوگ بھی انہی کے پیرو بنے ہوئے ہیں۔

دجالی اور یاجوج ماجوج طاقتوں نے ان سب کو اسلام کے حقیقی مقصد سے ہٹا کر اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے۔حتیٰ کہ اب تو عرب ممالک کا ماحول بھی اس قدر دُھندلا گیا ہے کہ وہ مسلمانوں کی بات کم سنتے ہیں اور یہود و نصاریٰ کی بات غور سے سنتے ہیں۔۔پچھلے دنوں اسرائیل اور فلسطین کی جنگ میں عرب ممالک کی طرف سے سرد مہری دکھلائی گئی۔مومنانہ اُخوت صفر رہ گئی ہے۔اُسوہ حسنہ پر عمل ناپید ہے۔سارے عالم اسلام میں کوئی بھی لیڈر ایسا نہیں جو اسلام کی بات کر سکے۔اور نہ یہ ممالک چاہتے ہیں کہ ہمارا کوئی اچھا مومن لیڈر ہو۔بلکہ یہ ممالک باہم دست و گریباں ہیں۔اور دجالی طاقتوں کے آلہ کار ہیں۔مسلمان مسلمان کا دشمن ہے۔کوئی ہندو کے ہاتھ میں کھیل رہا ہے۔تو کوئی یہود و نصاریٰ کے چنگل میں پھنس چکا ہے۔پاکستان میں بھی علمائے سُو نے اودھم مچا رکھا ہے۔اسلام آباد کے لئے نعرہ زن ہیں مگر اسلام پر عمل پیرا ہونے کے لئے کوئی تیار نہیں۔وقت کے امام کے منکر،اُسوہ حسنہ سے مفرور،یزید و چنگیز کا روپ دھارے ہوئے ہیں۔ہر قسم کی برائی اور بداخلاقی کے علمبردار خود کو جبہ پوش بنا کر عوام الناس کے سامنے جنت کے ٹھیکیدار بنے ہوئے ہیں۔شریعت محمدی کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے والے یہ مداری گمراہی میں اس قدر غرق ہیں کہ آج اگر قوم ثمود یا قوم عاد، یا قوم لوط کا کوئی شخص ان کو دیکھے اور ان کے اعمال بد کا جائزہ لے تو امریکی وزیر کی طرح کہہ اُٹھے گا کہ یہ لوگ تو بیس ڈالر کے لئے اپنی ماں کو بیچ ڈالیں گے۔ان کے اکابرین کا جائزہ لیں، یا ان کے لیڈر حضرات کا کردار دیکھیں، یا ان کے بیوروکریٹ افسران کے روّیے دیکھیں تو آپ کو کبر و غرور نظر آئے گا۔بددیانت نظر آئیں گے۔ڈاکو لٹیرے اور ایمان فروش نظر آئیں گے۔بلکہ زیادہ تر وطن فروش ملیں گے۔میں کسی کا نام نہیں لیتا مگر پھر بھی اگر آپ غور کریں تو بندے دا پتر آپ کو مشکل سے ملے گا۔منکرین، قبر پرست،مزار پرست بریلویوں نے تو ایک بیسوا کی مانند اودھم مچا رکھا ہے۔قوم کا امن تباہ کیا ہے،انتہا پسندی کو رواج دیا ہوا ہے۔یہ طبقہ خود کو مسلمان کہتا ہے اور باقی سب کو غیر مسلم گردانتا ہے۔یہ طبقہ ہر برائی میں ملوث ہے۔بذریعہ بزور حکومت ہر ظلم پہ اُتر آیا ہے۔اور امن کی بیخ کنی کر رہا ہے۔مگر ان سب طاغوتی طاقتوں کو علم ہے کہ اگر احمدیت پر سے پابندیاں ہٹا دی جائیں تو سارا پاکستان احمدی ہو جائے گا۔اس لئے یہ لوگ جماعت احمدیہ کے خلاف قوانین بنا کر ان کا سہارا لئے ہوئے ہیں۔اسی طرح یہ اینکر حضرات ان ابلیسوں کے معاون اور مدد ہیں۔مگر پھونکوں سے چراغ بجھایا نہ جائے گا۔احمدیت پہلے سے زندہ تر ہے۔اور شش جہت اپنی پوری رفتار کے ساتھ اور آب و تاب کے ساتھ ساری دنیا میں پھیل رہی ہے۔انشاءاللہ۔

تندیِ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اُڑانے کے لئے



ظہور امام مہدی۔ اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان اور ہماری ذمہ داریاں

(ادارہ)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○

(آل عمران:165)

ترجمہ: بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان کیا یہ جو بھیج دیا اُن میں ایک رسول انہیں میں سے اور وہ پڑھ کر سناتا ہے اُن کو اللہ کی آیتیں اور ان کو پاک وصاف کرتا ہے اور کتاب پڑھاتا ہے اور سمجھ کی باتیں سکھاتا ہے یقیناً وہ اس سے پہلے صریح جہالت میں تھے۔

یہ ترجمہ سیدنا حضرت حکیم مولوی نورالدین خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کا ہے۔ آپؓ کے درس القرآن میں اس آیت کریمہ کے foot note میں تحریر ہے کہ

''اس آیت سے یہ بات ظاہر ہے کہ کسی قوم میں خدا تعالیٰ کا نبی و رسول بھیجنا یہ اس کا بڑا احسان ہے جس احسان کو خدا تعالیٰ جتا رہا ہے اس میں نبی کا کام بھی بتایا گیا ہے۔ یہی کام ان کے خلفاء کا بھی فرض ہے۔''

(قرآن کریم از درس القرآن حضرت مولوی نورالدین صفحہ 149)

اس فٹ نوٹ میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے بہت واضح طور پر فرمایا کہ کسی قوم میں نبی کا آنا خدا تعالیٰ کا اس قوم پر بہت بڑا احسان ہوتا ہے اور اس احسان کا ذکر خود اللہ تبارک وتعالیٰ کر رہا ہے اور جتا رہا ہے۔ نیز نبی اور اس کے جانشینوں کے کام بتا کر قوم کو بتاتا ہے کہ ان ان کاموں کے لحاظ سے احسان ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ اس ضمن میں خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کا ہم احمدیوں پر یہ احسان عظیم ہے کہ اس نے ہمیں اس زمانے کے امام کو ماننے کی توفیق عطا فرمائی۔ ایک احمدی غور کرے تو اس احسان پر تمام زندگی بھی خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے تو پھر بھی ادا نہیں کر سکتا۔''

(خطبہ جمعہ 17 جون 2011ء، خطبات مسرور جلد 9 صفحہ 297)

پھر ایک اور خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر احسان ہے کہ اس نے ہمیں زمانے کے امام مسیح موعود اور مہدی موعود کو ماننے کی توفیق عطا فرمائی۔ جہاں بھی اور جس معاملے میں بھی ہمیں رہنمائی کی ضرورت ہو، کسی بات کو سمجھنے کی ضرورت ہو۔ قرآن کریم میں بیان فرمودہ حکمت کے موتیوں کو تلاش کرنے کی ضرورت ہو یا ان کی تلاش ہو تو ہمیں اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے اس فرستادے کی کتب اور ارشادات مل جاتے ہیں جو ہمارے مسائل حل کرتے ہیں۔''

(خطبہ جمعہ 6 جون 2014ء از خطبات مسرور جلد 12 صفحہ 348)

آج اس بے راہ روی کے دور میں جب ہم احمدیوں میں سے کوئی ایک اس آیت کریمہ اور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات پر غور کرتا ہے تو ہم فوراً اپنے خالق حقیقی کی طرف جھک جاتے، سجدہ ریز ہوتے اور اس ذات باری تعالیٰ کا شکر بجا لاتے ہیں کہ اس ذات نے ہم پر احسان کیا کہ ہمیں یا تو احمدی گھرانے میں پیدا کیا یا ہم میں سے بعض کو زمانے کے امام کو پہچان کر سیدنا خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا مبارک اور مقدس سلام پہنچانے کی توفیق دی۔

ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ آج دنیائے عالم میں بسنے والے 2 ارب

سے زائد مسلمانوں میں صرف احمدی ہاں صرف احمدی مسلمان ہی ہیں جو امن میں ہیں اور پُر امن زندگی بسر کر رہے ہیں۔ نہ کسی ہنگامہ آرائی، نہ کوئی اسٹرائیک، نہ کوئی جلوس، نہ کوئی احتجاج اور نہ کوئی بائیکاٹ۔ اپنے امام خلیفۃ المسیح کی مکمل رہنمائی اور اطاعت میں اپنے اللہ تعالیٰ پر مکمل توکل کرتے ہوئے۔ اس کی امان اور حفاظت کے طلب گار ہوتے ہوئے اسلامی تعلیمات پر مکمل عمل کرتے ہوئے دنیا بھر میں زندگیاں گزار رہے ہیں۔ ہماری جائیدادوں کو لوٹا جاتا ہے، ہماری مساجد بزور بازو چھین لی جاتی ہیں یا جلا دی جاتی ہیں۔ ہمارے مخلص احمدیوں کو یا تو پابند سلاسل کر دیا جاتا ہے یا شہید کر دیا جاتا ہے مگر صبر اور برداشت کے جذبہ کو اپنے اندر پہلے سے زیادہ مستحکم کرتے ہوئے اللہ کے حضور جھک جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کو جزائے احسن الخیر ادا کرے جو خطبات، پیغامات یا خطوط کے ذریعہ برمحل اور برموقع ہماری رہنمائی فرما دیتے ہیں۔

ہمارے ایک بزرگ کہا کرتے تھے کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں احمدیہ گھرانہ میں پیدا کیا اور ہم محفوظ و مامون اور بابرکت وجود بن گئے ورنہ شاید ہم بھی مخالفین کے ساتھ مل کر احمدیوں کے خلاف وٹے مارنے والوں میں شامل ہوتے۔

آئیں! ہم ال عمران آیت 165 میں بیان فرمودہ ان احسانوں کا ذکر کریں جو خلافت کے مبارک نظام کے ذریعہ ہم پر مسلسل، لگا تار، صبح وشام بغیر کسی وقفہ کے ہو رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر خلافت کا نظام جاری فرمایا ہے اور خلیفۃ المسیح ایم ٹی اے کے توسط سے ہر جمعہ کو قرآن کریم کے علوم و معارف نہایت گہرائی اور خوبصورتی سے بیان کرتے ہیں۔ یہ پیغام دنیا بھر میں لاکھوں احمدیوں تک پہنچتا ہے۔ جس سے پاک تبدیلیاں احباب جماعت میں رونما ہوتی ہیں۔ گاہے گاہے واقفین یا واقفات نو، اطفال، خدام، انصار، ناصرات اور ممبرات لجنہ کی حضور سے ملاقات کے دوران علم و عرفان کے پھول جھڑتے ہیں اور وہ بھی قرآنی تعلیمات کے عین مطابق ہوتی ہیں۔ پھر دنیا بھر کے 100 سے زائد جماعتوں میں جب جلسہ سالانہ منعقد ہوتے ہیں تو وہاں بنفس نفیس حاضر ہو کر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ خطاب فرماتے ہیں یا اسلامی، دینی اور قرآنی تعلیمات پر مشتمل پیغامات بھجواتے ہیں۔ جن سے براہ راست تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ یہ خطابات یا پیغامات صرف اس ملک کے احمدیوں کے لئے نہیں ہوتے بلکہ دنیا بھر کے تمام احمدی اپنے آپ کو ان کا مخاطب سمجھتے ہیں۔ ہم نے بالعموم دیکھا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح بھی اپنے پیغامات اور خطبات و خطابات میں قرآن و احادیث کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات اور خلفائے کرام کے ارشادات بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح جماعت میں ہر خطیب یا مقرر اپنی تقریر و خطبہ میں بھی تمام خلفاء کے ارشادات کو بیان کرتا ہے۔ اسلام آباد پاکستان میں ایک مخلص احمدی ڈاکٹر پیر نقی الدین مرحوم ہوا کرتے تھے۔ (آپ حضرت صوفی احمد جان ؓ کے پڑپوتے تھے)۔ میرے ایک سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ میں دو نفل ابھی بھی پڑھتا ہوں جو حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے پڑھنے کو فرمایا تھا اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے کہے ہوئے نفل اس کے علاوہ ہیں۔ (وہ وقت خلافت رابعہ کا تھا)۔ سورۃ ال عمران آیت 165 میں جن احسانات کا ذکر موجود ہے اس کو ہم کتابی، اخباری اور رسالوں کی صورت میں اپنے اندر موجود پاتے ہیں۔ تین خلفاء کے تراجم قرآن ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مختلف آیات قرآنیہ کی جو تفسیر فرمائی ہے وہ بھی چار جلدوں میں موجود ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول ؓ کی تفسیر حقائق الفرقان کے نام سے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ کی معرکۃ آراء تفسیر کبیر بھی 10 جلدوں میں ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ؒ کے بیان فرمودہ تفسیری نکات تین جلدوں میں انوار القرآن کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ پانچوں خلفاء کے خطبات، خطابات طبع ہو کر احمدی گھرانوں میں مائدہ تقسیم کر رہے ہیں۔ یہ تمام وہ حقائق و معارف ہیں جن کو پڑھ کر افراد جماعت اپنے اندر وہ نمایاں روحانی، اخلاقی، دینی تبدیلیاں محسوس کرتے ہیں۔ دنیا بھر میں پھیلے احمدی حقیقت میں دنیا بھر کے غیر احمدی مسلمانوں سے اخلاق اور اسلامی تعلیم میں

نمایاں بہتر ہیں اور دنیا یہ کہنے پر مجبور ہے کہ ہم تو اسلام کو دہشتگردی کا مذہب سمجھتے تھے مگر آپ احمدیوں کو دیکھ کر اسلام امن و آشتی کا مذہب لگتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے کینیڈا میں ایک مجلس میں اسلام میں دہشتگردی کے سوال کے جواب میں فرمایا:

''گھانا میں ہمارے ایک احمدی منسٹر تھے۔ انہوں نے بتایا کہ ایک میٹنگ میں کرائم کے بارے میں یہ بحث ہو رہی تھی کہ مجرموں میں مسلمانوں کی شرح زیادہ ہے، کریمنل (criminal) لوگ زیادہ ہیں۔ اس پر ہمارے احمدی منسٹر نے کہا کہ آپ سارا data اکٹھا کر کے میٹنگ میں پیش کریں، آپ کو ان جرم پیشہ افراد میں ایک بھی احمدی نہیں ملے گا۔ کچھ دنوں کے بعد data لایا گیا تو ان میں ایک بھی احمدی نہ تھا۔ تو یہ وہ سوسائٹی ہے جو ہم دنیا میں بنا رہے ہیں۔ اس وقت لاکھوں، کروڑوں احمدی دنیا میں ہیں لیکن آپ دیکھیں گے کہ کوئی بھی ان میں سے ایسے واقعات میں ملوث نہیں ہے۔ اگر کوئی ایک آدھ ایسا ہوتا ہے تو ہم ایکشن لیتے ہیں اور اس کو جماعت کے نظام سے باہر نکال دیتے ہیں۔''

(روزنامہ الفضل ربوہ 26 جون 2013ء)

یہی وہ احسان عظیم ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کے نزول کے ساتھ ہم پر کیا ہے اور ہم سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی حقیقی تصویر کو اپنے اندر اُتار چکے ہیں۔ ہمارے اعمال اس اسلام کے عین مطابق ہیں جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے متعارف کروایا۔

ابھی کچھ دن ہوئے جلسہ سالانہ برطانیہ کی نشریات ایم ٹی اے پر جاری تھیں۔ جس میں دو عرب ڈاکٹرز احمدیت کی خوبیاں بیان کر رہے تھے، جس میں ایک نے کہا کہ جلسہ سالانہ برطانیہ کے موقع پر 30 ہزار افراد کو بیک وقت کھانا تقسیم ہونا اور ہر احمدی کا دوسرے کی خاطر ایثار و قربانی کا مظاہرہ کرنا بتاتا ہے کہ یہی وہ اسلامی تعلیم ہے جو سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے بتائی۔

ابھی میرے سامنے یاد رفتگاں کا ایک مضمون ہے جو مکرم ڈاکٹر محمد اشرف میلو آف امریکہ کا اپنی والدہ محترمہ تسلیم بیگم کے متعلق تحریر کردہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہماری والدہ محترمہ ٹی وی دیکھتے وقت چہرے کا پردہ کرتیں۔ ہم انہیں سمجھاتے کہ آپ ایسا کیوں کرتی ہیں۔ ٹی وی میں آنے والا شخص کوئی ظاہری شکل میں تو آپ کے سامنے موجود نہیں وہ کہتیں کہ آنحضور ﷺ نے ایک نابینا صحابی کے آنے پر حضرت عائشہؓ کو پردہ کروایا تھا کہ اگر نابینا صحابی نہیں دیکھ رہا تو آپ تو دیکھ رہی ہیں۔

پیارے امام ایدہ اللہ تعالیٰ نے جلسہ سالانہ 2020ء کے آخری سیشن میں ایس او پیز کو مدنظر رکھ کر خطاب فرمایا۔ پیارے حضور نے دوران سال جن افضال الٰہیہ کا ذکر تفصیل سے فرمایا یہ دراصل انعامات ہیں اس احسان کے جو خدا تعالیٰ نے جماعت احمدیہ پر فرمایا۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم تمام تشکر الٰہی کریں۔ ہم اپنے خالق کے سامنے جھک جائیں۔ سجدہ ریز ہوں۔ نمازیں پڑھیں اور ایسی نمازیں جن کا ذکر اُس احسان والی حدیث میں ملتا ہے۔ جس کے مطابق حضرت جبرائیل آنحضور ﷺ کے پاس آئے اور احسان کے بارہ میں پوچھا کہ احسان کیا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو اللہ کو دیکھتا ہے۔ اگر یہ درجہ حاصل نہیں تو یہ احساس ہو کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان)

احادیث میں احسان کی مختلف شکلیں بیان ہوئی ہیں۔ جیسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔ قریبی عزیزوں، رشتہ داروں، بیوی بچوں، بہن بھائیوں یا قریبی دوستوں سے حسن سلوک کرنا۔ مخلوق خدا کے کام آنا۔ جو اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ اس کے لئے پسند کرنا۔ بلکہ ایک حدیث میں ہے کہ ایسا نہ کہو کہ لوگ حسن سلوک کریں گے تو ہم بھی کریں گے۔ اگر وہ ظلم کریں گے تو ہم بھی ظلم کریں گے بلکہ تم اپنے نفس کی تربیت اسی طرح کرو کہ اگر لوگ تم سے حسن سلوک کریں تو تم اُن سے احسان کا معاملہ کرو۔ اگر وہ تم سے بدسلوکی کریں تو بھی تم ظلم سے کام نہ لو۔ کسی کے احسان پر ''جزاک اللہ خیراً'' کہنا بھی احسان ہے۔

احسان کی ایک قسم آنحضور ﷺ نے یوں بیان فرمائی ہے کہ یہ تین باتیں جس میں پائی جائیں اللہ تعالیٰ اس پر اپنا دامن رحمت

پھیلائے گا اور جنت میں داخل کردیگا۔ اول کمزوروں پر رحم کرنا، دوسرے والدین سے محبت وشفقت کرنا، تیسرے خادموں اور نوکروں سے احسان کا سلوک کرنا۔

پھر احسان کی ایک اور قسم یوں بیان فرمائی:

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے گھروں میں بہترین گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس سے احسان کا سلوک کیا جائے اور مسلمانوں کے گھروں میں بدترین گھر وہ ہے جس میں یتیم سے بدسلوکی کی جائے۔

(یہ تمام احادیث صحیح مسلم کتاب الایمان سے لی گئی ہیں)

حضرت اقدس مسیح موعودؑ احسان کی تشریح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’نیکی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے پاک تعلقات قائم کئے جاویں۔ اور اسکی محبت ذاتی رگ وریشہ میں سرایت کر جاوے۔ جیسے خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ وَاِیۡتَآیِٔ ذِی الۡقُرۡبٰی خدا کے ساتھ عدل یہ ہے کہ اسکی نعمتوں کو یاد کرکے اسکی فرمانبرداری کرو اور کسی کو اسکا شریک نہ ٹھہراؤ اور اُسے پہچانو اور اس پر ترقی کرنا چاہو تو درجہ احسان کا ہے اور وہ یہ ہے کہ اسکی ذات پر ایسا یقین کرلینا کہ گویا اسکو دیکھ رہا ہے۔ اور جن لوگوں نے تم سے سلوک نہیں کیا اُن سے سلوک کرنا۔ اور اگر اس سے بڑھ کر سلوک چاہو تو ایک اور درجہ نیکی کا یہ ہے کہ خدا کی محبت طبعی محبت سے کرو۔ بہشت کی طمع یا لالچ، نہ دوزخ کا خوف ہو بلکہ اگر فرض کیا جاوے نہ بہشت ہے نہ دوزخ ہے تب بھی جوش محبت اور اطاعت میں فرق نہ آوے۔ اور ایسی محبت جب خدا سے ہو تو اس میں ایک کشش پیدا ہو جاتی ہے اور کوئی فتور واقع نہیں ہوتا۔‘‘

(البدر جلد 2 نمبر 43 16 نومبر 2003ء صفحہ 335 از خطبات مسرور جلد 2 صفحہ 211)

(بحوالہ الفضل آن لائن 5 ستمبر 2020ء)



فضائل قرآن مجید

(حضرت اقدس مسیح موعودؑ)

جمال و حسن قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اَوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے
نظیر اس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا
بھلا کیونکر نہ ہو یکتا کلامِ پاکِ رحماں ہے
بہارِ جاوداں پیدا ہے اس کی ہر عبارت میں
نہ وہ خوبی چمن میں ہے نہ اس سا کوئی بستاں ہے
کلامِ پاک یزداں کا کوئی ثانی نہیں ہرگز
اگر لولوئے عماں ہے وگر لعلِ بدخشاں ہے
خدا کے قول سے قولِ بشر کیونکر برابر ہو
وہاں قدرت یہاں درماندگی فرقِ نمایاں ہے
ملائک جس کی حضرت میں کریں اقرارِ لاعلمی
سخن میں اس کے ہمتائی کہاں مقدورِ انساں ہے
بنا سکتا نہیں اِک پاؤں کیڑے کا بشر ہرگز
تو پھر کیونکر بنانا نورِ حق کا اُس پہ آساں ہے
ارے لوگو! کرو کچھ پاس شانِ کبریائی کا
زباں کو تھام لو اب بھی اگر کچھ بوئے ایماں ہے
خدا سے غیر کو ہمتا بنانا سخت کفراں ہے
خدا سے کچھ ڈرو یارو یہ کیسا کذب و بہتاں ہے
اگر اقرار ہے تم کو خدا کی ذاتِ واحد کا
تو پھر کیوں اس قدر دل میں تمہارے شرک پنہاں ہے
یہ کیسے پڑ گئے دل پر تمہارے جہل کے پردے
خطا کرتے ہو باز آؤ اگر کچھ خوفِ یزداں ہے
ہمیں کچھ کیں نہیں بھائیو! نصیحت ہے غریبانہ
کوئی جو پاک دل ہووے دل و جاں اُس پہ قرباں ہے

(براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ 182 مطبوعہ 1882ء)



اللہ کا انبیاء کے مخالفین سے سلوک اوران کا انجام

جمیل احمد بٹ



انبیاء کے انکار، ان سے استہزاء اورانہیں اورمومنین کومٹا دینے کی ظالمانہ کوششیں کرنے والوں کے لئے اگلے جہاں میں یہ وعید تو مقدر ہے ہی کہ

وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ○ (حج 52:22)

ترجمہ: اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کو عاجز کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بہت بھاگ دوڑ کی۔یہی دوزخ والے ہیں۔

اور سورۃ قصص 28: آیت 42 کے مطابق یہ بھی کہ وہ اپنے پیچھے لگنے والوں کوآگ کی طرف بلانے والے امام بنیں۔

لیکن اس دنیا میں بھی ہمیشہ ناکامی و نامرادی اور ذلت ان کی تقدیر ہوتی ہے۔جوکئی شکلوں میں بار باران کے سامنے آتی ہے۔جیسے اپنے منصوبوں میں ناکام رہنا۔مخالفت کا بے نتیجہ رہنا۔مومنوں کی ترقیات اور کامیابیوں کودیکھ کرجلن میں مبتلا رہنااورحسد کی آگ میں جل کراس زندگی میں بھی آگ سے حصہ پانا۔

انبیاء اورمومنین کے مخالفین سے اللہ کے سلوک کا جوذکرقرآنِ کریم میں محفوظ ہے اس کے مطابق ان کا کوئی حقیقی مددگار نہیں ہوتا، وہ نامراد، نعمتوں سے محروم ،لعنت کا شکار اور ذلیل کئے جاتے ہیں۔وہ نقصان اٹھاتے ، اپنے تمسخر کا آپ نشانہ بنتے، کئی طرح کے عذابوں سے گزرتے ہوئے بالآخراس قانون کے مطابق کہ

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ۝۴۹ (انعام 50:6)

ترجمہ: اور وہ لوگ جنہوں نے ہمارے نشانات کوجھٹلایا ان کوضرور عذاب آ پکڑے گا۔بسبب اس کے جو وہ بدکاریاں کرتے تھے۔

عذابِ الٰہی سے ہلاک ہوکر دنیا میں اپنے بدانجام کو پہنچتے ہیں۔قرآن کریم میں بیان کردہ یہ ذکر اس باب کا موضوع ہے۔ساتھ ساتھ اس زمانے میں حضرت مسیح موعوداوران کی جماعت کے ساتھ اس تاریخ کا پھر دہرایا جانا بھی بیان ہوگا۔

1۔مخالفین کا بے یارومددگار رہ جانا:

بظاہر یہ مخالف طاقت اور جتھے میں بڑھے ہوئے ہوتے ہیں اورانہیں دوسروں کی تائیدوحمایت بھی حاصل ہوتی ہے۔لیکن اللہ کے راستہ کواختیار نہ کرنے کے سبب یہ سب حمایت جاتی رہتی ہے اور بالآخر وہ بے یار و مددگار رہ جاتے ہیں۔جیسا کہ حضرت نوحؑ کے مخالفین کے بدانجام کے ذکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ○ (نوح 26:71)

ترجمہ: پس انہوں نے اللہ کوچھوڑ کراپنے لئےکوئی مددگار نہ پایا۔

حضرت مسیح موعود کے مخالفین کا بے یارومددگار ہونا: آپ اوراحمدیوں کے مخالفین سے بھی اللہ نے ایسا ہی سلوک کیا۔بڑے بڑے مجمعوں کو اپنے اشاروں پرنچانے والے، دیکھتے دیکھتے ایسا کرنے کے قابل نہ رہےاور بیماریوں،محرومیوں اورلاچاریوں کا شکار ہوئے۔جیسے چند مخالفین کے بطورمثال درج ذیل حالات:

عطاءاللہ شاہ بخاری صاحب: 1934 ءاور 1953 ءکی احمدی مخالف تحریکوں کے ایک بڑے لیڈر عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب نے وفات سے قریباً ڈیڑھ برس پہلے اپنی حالتِ بے چارگی اور بے یارومددگار ہونے کا اپنے انداز میں یہ حسرت زدہ اظہار کیا کہ:

’جب تک یہ کتیازبان بھونکتی تھی سارابرصغیر ہندوپاک ارادت مند تھا۔اس نے بھونکنا چھوڑ دیا توکسی کو پتہ ہی نہیں رہا کہ مَیں کہاں ہوں‘۔

(امیرِ شریعت از غلام نبی جانباز صفحہ نمبر 546 ناشر مکتبہ تبصرہ لاہور طبع اوّل

نومبر 1962ء)

مولوی ظفر علی خان صاحب: یہ 1934ء کے احمدی مخالف ہنگاموں کے ایک اور بڑے لیڈر تھے جنہوں نے اپنے اخبار زمیندار کو سلسلہ کی مخالفت کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ بیس سال بعد 1956ء میں مری میں ایک دیکھنے والے کی روایت کے مطابق بے یار و مددگاری اور لاچاری کے اس حال کو پہنچے:

’مَیں نے نہیں سینکڑوں (بلکہ ہزاروں بھی کہوں تو جھوٹ نہ ہوگا) افراد نے دیکھا کہ مولانا کو ان کا ایک نوکر (جو غالباً پٹھان تھا) ہر روز صبح کوٹھی کے لان میں کرسی پر بٹھا دیا کرتا تھا اور کرسی کے ساتھ لگی پیٹی مولانا کی کمر سے باندھ دیا کرتا تھا تا کہ مولانا بے ہوشی یا نیم بے ہوشی میں کرسی سے گر نہ پڑیں۔ مولانا غروب آفتاب تک اسی لان میں کرسی پر تن تنہا پڑے رہا کرتے تھے۔ اور کبھی کسی نے ان کے پاس گھر کا آدمی تو کیا خدمت گار بھی نہیں دیکھا۔ مولانا کی اس وقت حالت یہ تھی (جس کا ہزاروں افراد نے مشاہدہ کیا) کہ وہ نہ بول سکتے تھے نہ چل پھر سکتے تھے اور نہ بیٹھ سکتے تھے۔ مجبور اور معذور تھے۔ منہ سے ہر وقت رال ٹپکتی رہتی تھی۔ اسی طرح پیشاب پاخانہ نکل جاتا اور انہیں سنبھالنے والا وہاں کوئی نہ ہوتا‘۔

(تحریر احتجاج علی زبیری مندرجہ ہفت روزہ مہارت 15۔21 ستمبر 1995ء)

اختر علی خان صاحب: 1953ء کے جماعت مخالف ہنگاموں میں بھی اخبار زمیندار آگے آگے تھا۔ اس وقت اس کے مالک اختر علی خان صاحب تھے۔ جو مولوی ظفر علی خان صاحب کے بیٹے تھے۔ ان کے پہلے عروج اور پھر بے یار و مددگار ہونے کے بارے میں لکھا گیا:

’جس زمانے میں انہوں نے ختم نبوت کے عقیدے کو روپیہ کمانے کا ذریعہ بنایا وہ میکلوڈ روڈ پر ایک عالیشان بلڈنگ کے مالک تھے۔ ان کے پاس دو تین کاریں بھی تھیں اور زمیندار بھی اچھا خاصا چل رہا تھا۔۔۔ تھوڑے عرصہ کے اندر نہ ان کی بلڈنگ رہی، نہ اخبار رہا اور نہ وہ خود رہے۔ ان کی بلڈنگ بِک کر ایک ہوٹل بن گئی۔ زمیندار صفحہ ہستی سے یوں محو ہوا جیسے کبھی تھا ہی نہیں اور مولانا اختر علی گمنامی کی حالت میں اس طرح مرے کہ کرم آباد میں ان کا جنازہ پڑھنے کے لئے بھی بیس تیس آدمی میسر نہ آئے۔

(ہفت روزہ آثار لاہور 24 تا 30 جون 1974ء صفحہ نمبر 8 بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 16 از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 528)

2۔ مخالفین کا ناکام و نامراد کیا جانا:

اللہ تعالیٰ انبیاء اور مومنین کے مخالفین کو اپنے تمام منصوبوں میں ناکام و نامراد کرتا ہے۔ یہ ایک عجیب صورتحال ہے کہ باوجودیکہ سب دنیوی طاقت، اقتدار اور جتھا ان مخالفین کے ساتھ ہوتا ہے اور نبی اور اس کی جماعت کمزور اور اقلیت میں ہوتے ہیں۔ لیکن انجام کار، ناکامی ہی ان مخالفین کا مقدر بنتی ہے۔ یہ تاریخ بار بار دہرائی گئی۔

حضرت ابراہیمؑ کے مخالفین کی کوششوں کی ناکامی کے ذکر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ۝ (انبیاء 71:21)

ترجمہ: اور انہوں نے اس سے ایک چال چلنے کا ارادہ کیا تو ہم نے خود انہی کو کلیتاً نامراد کر دیا۔

حضرت مسیح موعود کے مخالفین کا ناکام و نامراد ہونا: آپ اور احمدیوں کے مخالف بھی ہمیشہ ناکام رہے۔ جماعت کے خلاف ان کی تمنائیں، خواہشیں، ارادے اور کوششیں ہمیشہ نامراد رہیں۔

حضرت مسیح موعود کے وقت میں بہتوں نے اس سلسلہ کو چند روزہ جانا جیسا کہ درج ذیل تحریریں:

i۔ ’آپ کی ذرّیت بہت جلد منقطع ہو جائے گی۔ غایت درجہ تین سال تک شہرت رہے گی۔۔۔ خدا کہتا ہے چند روز تک قادیان میں نہایت ذلت اور خواری کے ساتھ کچھ تذکرہ رہے گا پھر معدوم محض ہو جائے گا‘۔

(اشتہار پنڈت لیکھرام مؤرخہ 28 مارچ 1886ء مندرجہ کلیاتِ آریہ مسافر حصہ سوم صفحہ نمبر 498 شائع کردہ مہاشے کیشب دیو مطبع مفید عام لاہور طبع اوّل 1904ء)

ii۔ ’جب مرزا قادیانی مسیحیت کے دعویدار ہوئے تو مَیں گو اس دعویٰ کو

جھوٹ جانتا تھا مگر لوگوں سے یہی کہتا تھا کہ تھوڑی انتظار کرو اگر مرزا قادیانی سچا مسیح ہے تو اس کے نشان جلد ظاہر ہو جاویں گے ۔ ورنہ مثل دوسرے کاذب دعویداروں کے جھک مار کر مر جاوے گا‘۔

(تائیدِ آسمانی در ردِّ نشانِ آسمانی از محمد جعفر تھانیسری اختر ہند پریس ہال بازار امرتسر مطبوعہ 1310ھ 1892ء بحوالہ احتسابِ قادیانیت جلد39 صفحہ نمبر36)

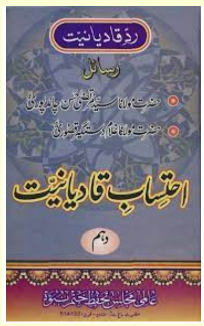
iii۔’پس مرزا قادیانی کی پردہ دری عنقریب ہے اور رفتہ رفتہ ہو رہی ہے ۔آخر موقعہ بھی جو علی الاعلان پردہ دری کا ہونے والا ہے اب بہت قریب معلوم ہوتا ہے‘۔

(کلمہ فضلِ رحمانی از قاضی فضل احمد گورداسپوری مطبوعہ 1897ء بحوالہ احتسابِ قادیانیت جلد20 صفحہ نمبر412)

iv۔’یاد رکھو یہ منارہ ایک فانی خوشی آپ کے لئے ہوگی ۔کیونکہ نیم روز عرصہ اس کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی ۔ چونہ الگ ہو جاوے گا ۔مٹی علیحدہ‘۔

(راست بیانی از امام الدین گجراتی مطبوعہ 1901ء بحوالہ احتسابِ قادیانیت جلد38 صفحہ نمبر428)

اس تحریر میں منارہ سے غالباً منارۃ المسیح قادیان مراد ہے جس کی تعمیر کا حضرت مسیح موعود نے وسط 1900ء میں قصد فرمایا تھا۔



v۔’مرزا قادیانی نے جو دعویٰ اکثر انبیاء کے اوتار ہونے کا کیا ہے یا مستعار طور پر ابن اللہ وغیرہ کا بلکہ ابو اللہ کا بھی کیا ہے اس کو مَیں مذہبی خطرہ نہیں سمجھتا۔کیونکہ دس پندرہ برس میں بعد ان کی وفات کے یہ باتیں سب مفقود ہو جائیں گی‘۔

(تحریر خواجہ غلام الثقلین ایڈیٹر مندرجہ عصرِ جدید 1904ء بحوالہ احتسابِ قادیانیت جلد نمبر5 صفحہ نمبر258)

یہ سب تمنائیں اور خواہشیں آپ اپنی موت مریں۔

حضرت مسیح موعود کی وفات پر ایک بار پھر ایسی خواہشوں کا اظہار ہوا جیسا کہ درج ذیل تحریریں۔

i۔خواجہ حسن نظامی صاحب نے لکھا:

’اندیشہ ہے کہ مرزا صاحب جیسے سمجھدار اور منتظم شخص کی عدم موجودگی کے سبب احمدی جماعت مخالفین کی شورش کو برداشت نہ کر سکے گی اور اس کا شیرازہ بکھر جائے گا‘۔

(پیسہ اخبار لاہور 5 جون 1908ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد دوم از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ نمبر554 نیا ایڈیشن)

ii۔خواجہ غلام الثقلین بی اے ایل ایل بی وکیل ہائی کورٹ ایڈیٹر نے بعنوان ’قادیانی تحریک کا خاتمہ‘ لکھا:

’قادیانی تحریک بلحاظ ایک مستقل دین کے جس کے لئے ایک رسول امام اور موعود مہدی آیا تھا بالکل فنا ہوگئی ۔۔۔جس کے مخصوص حالات روز بروز مفقود ہوتے جائیں گے‘۔

(رسالہ عصرِ جدید جون 1908ء صفحہ نمبر219 بحوالہ تاریخ احمدیت جلد2 از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر553 نیا ایڈیشن)

ان خواہشوں نے بھی نامرادی کا منہ دیکھا۔

1934ء کے ہنگاموں میں مخالفین نے پھر یہ بلند بانگ دعوے کئے۔کہ

i۔’مَیں اس جگہ کھڑے ہو کر یہ پیشگوئی کرتا ہوں کہ منارہ ٗقادیانی، اس کے بانی اور اس کی جماعت کا نام و نشان تک مٹ جائے گا اور یہ سب کچھ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے‘۔

(تقریر صاحبزادہ فیض الحسن سجادہ نشین آلومہار مندرجہ اخبار زمیندار لاہور 6 مئی 1935ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد6 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ نمبر490 نیا ایڈیشن)

ii۔عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب نے کہا: ’مرزائیت کے مقابلہ کے لئے بہت سے لوگ اٹھے لیکن خدا کو یہی منظور تھا کہ یہ میرے ہاتھوں سے تباہ ہو‘۔

(سوانح حیات سید عطاء اللہ شاہ بخاری از خان کابلی صفحہ 100 بحوالہ تاریخ احمدیت جلد6 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ نمبر490 نیا ایڈیشن)

لیکن نتیجہ برعکس نکلا اور ناکامی ہی مقدر ہوئی۔

ناکامی کا اعتراف: ایک مخالف نے 1934ء اور 1953ء کی جماعت مخالف تحریکوں کی ناکامی اور اپنی نامرادی کا بصد حسرت یہ

اعتراف کیا:

’ہمارے بعض واجب الاحترام بزرگوں نے اپنی تمام تر صلاحتیوں سے قادیانیت کا مقابلہ کیا لیکن یہ حقیقت سب کے سامنے ہے قادیانی جماعت پہلے سے زیادہ مستحکم اور وسیع ہوتی گئی ۔ مرزا صاحب کے بالمقابل جن لوگوں نے کام کیا جن میں اکثر تقویٰ ، تعلق باللہ، دیانت ، خلوص، علم اوراثر کے اعتبار سے پہاڑوں جیسی شخصیتیں رکھتے تھے ۔۔۔ یہ بزرگ قادیانیت کی مخالفت میں مخلص تھے اوراس کا اثر ورسوخ بھی اتنا زیادہ تھا کہ مسلمانوں میں بہت کم ایسے اشخاص ہوئے ہیں جوان کے ہم پایہ ہیں۔ اگرچہ یہ الفاظ سننے اور پڑھنے والوں کے لئے تکلیف دہ ہوں ۔۔۔لیکن ہم اس کے باوجود اس تلخ نوائی پر مجبور ہیں کہ ان اکابر کی تمام کاوشوں کے باوجود قادیانی جماعت میں اضافہ ہوا ہے۔ متحدہ ہندوستان میں قادیانی بڑھتے رہے، تقسیم کے بعد اس گروہ نے پاکستان میں نہ صرف پاؤں جمائے بلکہ ان کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ وہاں ان کا یہ حال ہے کہ ایک طرف تو روس اور امریکہ سے سرکاری سطح پر آنے والے سائنس دان ربوہ آتے ہیں اور دوسری جانب 53 ء کے عظیم تر ہنگامے کے باوجود قادیانی جماعت اس کوشش میں ہے کہ اس کا 57۔1956 ء کا بجٹ پچیس لاکھ روپیہ کا ہو۔‘

(تحریر مولوی عبدالرحیم اشرف صاحب مدیر رسالہ المنیر لائل پور 22 فروری 1956ء بحوالہ مسیح موعوداور جماعت احمدیہ از عبدالمنان شاہد صاحب صفحہ نمبر 324۔325 نظارت اصلاح وارشاد 1968ء)

ناکامی کا مزید اعتراف: ایک دہائی بعد ایک اور مخالف نے ایک اور تناظر میں اپنی نامرادی کا یوں اعتراف کیا:

’جس گروہ (جماعت احمدیہ) کی ضلالت وگمراہی پر پوری امت کا اجماع ہے اور جس کے خلاف منطق اور استدلال کا پورا زور صرف کرنے کے علاوہ ایک عظیم یورش (Agitation) تک کی (جا) چکی ہے اس کا عالم یہ ہے کہ اس کی ’صفوں میں عام انتشار‘ تو کیا ہوتا ویسی علیحدگی بھی کبھی نہیں ہوئی جیسی جماعتِ اسلامی میں بار بار ہو چکی ہے اور ان کی نبوت ہی نہیں ایک خلافت بھی بغیر کسی قابلِ ذکر اختلاف وانتشار کے گزر گئی‘۔



(تحریر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ایڈیٹر میثاق لاہور ستمبر 1966ء صفحہ نمبر 7۔8 بحوالہ مسیح موعوداور جماعت احمدیہ از عبدالمنان شاہد صاحب صفحہ نمبر 391 نظارت اصلاح وارشاد 1968ء)

مزید ناکام کوششیں: گزشتہ نصف صدی میں جماعت کو مٹا دینے کے مقصد کے تحت 1974ء کی دستوری ترمیم، 1984ء کا آرڈی نینس اور 2010ء کی اجتماعی خون ریزی کی بڑی بڑی کوششیں احمدیوں کے صبر و برداشت اور استقامت کی مضبوط چٹان سے ٹکرا کر یکے بعد دیگرے نامرادی کا منہ دیکھ چکی ہیں۔ ان سب کے باوجود احمدیوں کے مسلسل آگے بڑھتے ہوئے قدموں کی چاپ مخالفین کو آج بھی مزید کچھ اور کرنے پر اُکساتی رہتی ہے اور بار بار اس حوالے سے شوروغوغا کیا جاتا ہے۔

3۔ مخالفین کا نعمتوں سے محروم کیا جانا:

اللہ تعالیٰ انبیاء اور مومنین کے مخالفین کو انجام کار ان سب دنیوی نعماء اور عزتوں سے محروم کر دیتا ہے جن پر فخر وغرور کر کے یہ مخالف حق کا انکار کرتے ہیں۔ جاہ وجلال بھی جاتا رہتا ہے اور ظاہر اعزتوں کے مقام بھی۔ ان سب کی وارث دوسری قومیں ہو جاتی ہیں اور کوئی ان کے اس زوال پر افسوس نہیں کرتا۔ فرعون اور اس کے ہم نواؤں کے اس حال کو پہنچنے کا ذکر اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے:

كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ○وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ○وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ○ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ○فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ

(دخان 26:44۔30)

ترجمہ: کتنے ہی باغات اور چشمے ہیں جو انہوں نے (پیچھے) چھوڑے۔ اور کھیتیاں اور عزت واحترام کے مقام بھی۔ اور ناز ونعمت جس میں وہ مزے اڑایا کرتے تھے۔ اسی طرح ہوا اور ہم نے ایک دوسری قوم کو اس (نعمت) کا وارث بنا دیا۔ پس ان پر آسمان اور زمین نہیں روئے۔

اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ ایسا ہونے کو اپنی طرف منسوب کر کے فرماتا ہے:

فَاَخۡرَجۡنٰهُمۡ مِّنۡ جَنّٰتٍ وَّعُيُوۡنٍ○وَّ كُنُوۡزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيۡمٍ○ كَذٰلِكَ ؕ وَاَوۡرَثۡنٰهَا بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ○
(شعراء 26:58_60)

ترجمہ: پس ہم نے انہیں باغات اور چشموں (کی سرزمین) سے نکال دیا اور خزانوں اور عزت والے مقام سے بھی۔ اسی طرح (ہوا)۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو اس (سرزمین) کا وارث بنا دیا۔

حضرت مسیح موعود کے مخالفین کا نعمتوں سے محروم کیا جانا: اللہ تعالیٰ نے آپ اور احمدیوں کے مخالفین کو بھی ان کی دنیوی نعماء اور ظاہری عزتوں سے محروم کیا۔ مخالفین کے موت کا شکار ہونے کے بعد پسماندگان کی پرحسرت اور لاچار زندگیوں کے ایسے بیسیوں واقعات ملتے ہیں۔ خود مہلت پانے والے بھی بعد میں اسی حال کو پہنچے۔ بطور مثال دو مخالفین کے حالات درج ذیل ہیں۔

مولوی ثناء اللہ امرتسری صاحب: یہ ایک بڑے مخالف تھے جنہیں دیگر مخالف 'فاتح قادیان' کہتے نہیں تھکتے۔ مولوی صاحب نے اپنی احمدی مخالف سرگرمیوں سے امرتسر میں بہت مال جمع کیا تھا جس کا حال ان کے ایک سوانح نگار نے یوں بیان کیا:

'مولانا مرحوم شہر کے مسلم روساء میں سے تھے۔ لاکھوں روپے کا سامان موجود تھا، ہزاروں روپے نقد، ہزار ہا روپے کے زیورات صندوقوں میں بند تھے، ہزار ہا روپے کا کتب خانہ تھا۔ پارچات کی کمی نہ تھی'۔
(سیرت ثنائی از عبدالمجید سوہدروی صفحہ نمبر 471 مطبوعہ مسلم پبلیکیشنز لاہور)

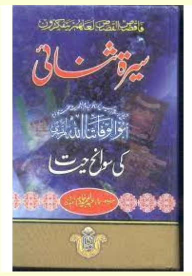
'امرت سر کی زندگی میں مولانا بہت خوش پوش تھے اور خوش خور تھے، اچھا پہنتے اور اچھا کھاتے تھے'۔
(سیرت ثنائی از عبدالمجید سوہدروی صفحہ نمبر 475_476 مطبوعہ مسلم پبلیکیشنز لاہور

لیکن جب قہری تجلی ہوئی تو یہ سب نعمتیں جاتی رہیں۔ گھر بار سب لُٹ گیا۔ جوان بیٹا جان سے گیا۔ جیسا کہ لکھا گیا:

'دارالکتب ثنائیہ، دفتر اہل حدیث، آٹھ دس مکانات، ثنائی برقی پریس، ذاتی کتب خانہ، کئی دکانیں، ہزاروں کی نقدی، زیورات بے بہا، سامان پارچات وغیرہ لٹا کر، جلوا کر، فرزند کی شہادت کا صدمہ اٹھا کر آپ کسی نہ کسی طرح بعد مصائب و آلام لاہور پہنچے'۔
(سیرت ثنائی از عبدالمجید سوہدروی صفحہ نمبر 472 مطبوعہ مسلم پبلیکیشنز لاہور)

بعد میں قیام سرگودھا کے دوران اسی لکھنے والے کے مطابق یہ حال ہوا کہ:

'اکثر دیکھا کہ کپڑوں میں پیوند لگے ہیں اور پھٹی پُرانی پوشاک کو حریر و اطلس سمجھ کر پہن رہے ہیں۔ مسور کی دال اور خشک روٹی ہی سے پیٹ بھر لیا ہے۔ کبھی سالن نہیں ملا تو پیاز وغیرہ کی چٹنی ہی سے روٹی کھا لی ہے'۔
(سیرت ثنائی از عبدالمجید سوہدروی صفحہ نمبر 476 مطبوعہ مسلم پبلیکیشنز لاہور)



'ایک دفعہ کھانا کھا رہے تھے کہ کوئی واقفِ حال حاضرِ خدمت ہوئے۔ دیکھا کہ دو خشک پھلکے رکھے ہیں اور ان کے ساتھ مسور کی بے بھگاری دال اور تھوڑی سی چٹنی ہے۔ واقفِ حال نے یہ منظر دیکھا تو آنسو نکل آئے۔ پوچھا: حضرت! حالت بہ اینجا رسید؟ یعنی اب حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے'۔
(سیرت ثنائی از عبدالمجید سوہدروی صفحہ نمبر 475 مطبوعہ مسلم پبلیکیشنز لاہور)

اور اسی سوانح نگار کے مطابق انجام کار وہ اس حال کو پہنچے کہ
'ان دنوں مولانا پر زکوٰۃ جائز تھی'۔
(سیرت ثنائی از عبدالمجید سوہدروی صفحہ نمبر 476 مطبوعہ مسلم پبلیکیشنز لاہور)

جماعت مخالف اخبار زمیندار کے مالکان: 1953ء کے ہنگاموں میں اخبار زمیندار جماعت کا بڑا مخالف تھا۔ اس وقت اس کے مالک اختر علی خان صاحب تھے۔ جو مولوی ظفر علی خان صاحب کے بیٹے تھے۔ جن کی ادارت میں 1934ء میں اس اخبار نے جماعت کی مخالفت کی تھی۔ ان کے نعمتوں سے محروم ہونے کے بارے میں لکھا گیا:

'جس زمانے میں انہوں نے ختم نبوت کے عقیدے کو روپیہ کمانے کا ذریعہ بنایا وہ میکلوڈ روڈ پر ایک عالیشان بلڈنگ کے مالک تھے۔ ان کے پاس دو تین کاریں بھی تھیں اور زمیندار بھی اچھا خاصا رہا تھا۔۔۔ تھوڑے عرصہ کے اندر نہ ان کی بلڈنگ رہی، نہ اخبار رہا اور نہ وہ خود رہے۔ ان کی بلڈنگ بِک کر ایک ہوٹل بن گئی۔ زمیندار صفحہ ہستی سے

یوں محو ہوا جیسے کبھی تھا ہی نہیں۔

(ہفت روزہ آثار لاہور 24 تا 30 جون 1974ء صفحہ نمبر 8 بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 16 از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 528)

ایک اور مخالف اخبار نے اخبار زمیندار کی نیلام شدہ بلڈنگ کا فوٹو شائع کر کے اسے نشانِ عبرت لکھا:

'یہ کبھی روزنامہ زمیندار کا دفتر تھا۔۔۔ یہ بلڈنگ اسی ظفر علی خان کی ہے۔۔۔ جس نے پنجاب کے سیاسی ویرانوں کو رنگ و روغن بخشا۔۔۔ یہ عمارت جو قومی یادگار ہونی چاہئے تھی قرض میں نیلام ہوگئی۔ اب ستم ظریفی حالات نے اس کو زمیندار ہوٹل میں بدل ڈالا ہے جہاں راتیں جاگتی اور دِن سوتے ہیں۔ اب اس کے در و دیوار دیدۂ ہائے عبرت سے رجلِ رشید کا انتظار کر رہے ہیں'۔

(ہفت روزہ چٹان لاہور 13 جولائی 1964 صفحہ نمبر 5 بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 16 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ نمبر 528۔ 529)

4۔ مخالفین کا لعنت کا شکار کیا جانا :

اللہ تعالیٰ انبیاء اور مومنین کے مخالفین کو لعنت کا شکار کرتا ہے۔ لعنت دھتکارا جانا ہے۔ انبیاء کے مخالف حق کی مخالفت کر کے اس حال کو پہنچتے ہیں کہ دنیا میں بھی دھتکارے جاتے ہیں اور آخرت میں بھی۔ اہلِ دنیا کے ہاتھوں لعنت کا شکار ہونا ایک بالکل متضاد نتیجہ ہے کیوں کہ ان مخالفین کی حق کی مخالفت کی تو غرض ہی حصولِ دنیا ہوتی ہے۔ لیکن جب حق کھل جاتا ہے تو پھر سب جان جاتے ہیں کہ یہ مخالف ظلم و زیادتی کے مرتکب ہوئے تھے۔ اور ہر آنے والی نسل ان پر نفریں کرتی ہے۔

حق کا انکار کرنے والوں کے لئے لعنت کا شکار ہونا بطور اصول اللہ تعالیٰ یوں بیان فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۝ (بقرہ 162:2)

ترجمہ: یقیناً (وہ لوگ) جنہوں نے کفر کیا اور کفر ہی کی حالت میں مر گئے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی۔

حضرت ہودؑ کی قوم کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ (ہود 61:11)

ترجمہ: اور اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی۔

اسی طرح سورۃ ہود 11 آیت 100 میں فرعون اور اس کے سرداروں کا اس حال کو پہنچنا بیان ہوا ہے۔ نیز اسے بُری عطا بھی فرمایا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین پر لعنت ڈالا جانا یوں بیان ہوا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (احزاب 58:33)

ترجمہ: یقیناً وہ لوگ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں اور اللہ نے ان پر دنیا میں بھی لعنت ڈالی ہے اور آخرت میں بھی۔

جماعت مخالفین کا لعنت کا شکار کیا جانا: جماعت کے بڑے بڑے مخالف کس طرح خدائی تقدیر کے ماتحت لعنت کا شکار ہوئے۔ یہ ایک عبرت ناک تاریخ ہے۔ ایسے چند مخالفین کا ذکر درج ذیل ہے:

مجلس احرار: 1934ء کی جماعت مخالف شورش میں مجلس احرار پیش پیش تھی۔ اس کے بے لگام بولنے اور لکھنے والوں کی کوششوں نے ہندوستان بھر میں احمدیوں پر ظلم و زیادتی کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ وہ اپنی مقبولیت کے زعم میں قادیان کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کے دعویٰ کرتے تھے۔ لیکن دیکھتے ہی دیکھتے مسجد شہید گنج کے قضیہ میں جب احرار نے اپنے مزاج کے مطابق مسجد کو شہید کرنے والے بلوائیوں کی حمایت کی تو ان کا اصل روپ سب پر ظاہر ہوگیا اور پھر ہر طرف سے لعنت و پھٹکار ان کا مقدر بن گئی۔ ایک اخبار نے اس کایا پلٹ کا نقشہ اس طرح کھینچا:

'ابھی چند ہی روز ہوئے جب لاہور میں مجلس احرار کا طوطی بول رہا تھا۔۔۔ یا آج یہ کایا پلٹ ہوگئی ہے کہ لاہور کی سڑکوں پر انہی لوگوں کی زبان

سے 'مجلس احرار برباد اور 'عطاء اللہ شاہ بخاری مردہ باد' کے نعرے بلند کئے جا رہے ہیں'۔

(روزنامہ حقیقت لکھنؤ مورخہ 24 جولائی 1935ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 6 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ نمبر 510 نیا ایڈیشن)

ایک اور اخبار نے 'احرار کی ناگفتہ بہ حالت' کے زیرِ عنوان لکھا:

'(احراریوں کی جماعت) آج ایسی قعرِ مذلت میں گر رہی ہے کہ اس کے نام سے کسی کو منسوب کرنا ذلت اور تحقیر کے مترادف ہے'۔

(اخبار نوجوان افغان ہری پور ہزارہ 17 اگست 1935ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 6 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ نمبر 511 نیا ایڈیشن)

خواجہ حسن نظامی صاحب نے اپنے اخبار میں 'احرار پر خدا کی مار' کے عنوان کے تحت ان کا حال لکھا۔ (اخبار منادی 26 جولائی 1935ء)

مولانا سیّد حبیب صاحب نے اپنے اخبار میں زیرِ عنوان 'احرار ملتِ اسلامیہ کی سب سے بڑی غدار جماعت ہے'۔ لکھا :

'ٹھگوں کا یہ منظم گروہ جسے عرفِ عام میں مجلس احرار کہتے ہیں سالہا سال سے غریب و خوش عقیدہ مسلمانوں کی جیب پر ڈاکہ ڈال رہا تھا۔ اور اپنی جادو بیانی اور شیوہ طرازی سے یہ لوگ فضاء پر۔۔۔مسلط ہو گئے تھے۔۔۔لیکن ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمان اپنا فیصلہ صادر کر چکے ہیں اور قدرت کا نقیب بآوازِ بلند منشائے ایزدی کو ظاہر کر چکا ہے کہ بدترین، محسن کُش، احسان ناشناس احرار مٹ گئے اور حقیقتاً انہیں مٹ جانا چاہئے تھا'۔

(اخبار سیاست لاہور 13 اگست 1935ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 6 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ نمبر 514-515 نیا ایڈیشن)

متحدہ ہندوستان میں واقعہ مسجد شہید گنج میں اپنے کردار کے ہاتھوں ذلت کمانے کے بعد احرار نے کانگریس سے ناطہ جوڑا اور اس کی ہم نوائی میں قیامِ پاکستان کی شدید ترین مخالفت کی۔ لیکن جب پاکستان بن گیا تو یہاں آ گئے اور اس نوزائدہ ملک کو نقصان پہنچانے کے لئے ایک بار پھر احمدیوں کے خلاف بدامنی اور فساد کا راستہ اختیار کیا۔ 1953ء کے ہنگاموں میں یہ پیش پیش تھے۔ فساداتِ پنجاب کی تحقیقاتی عدالت نے اس فساد کے ذمہ داروں میں احرار کو پہلے نمبر پر رکھا۔ ہوم سیکرٹری حکومتِ پنجاب نے اپنے بیان میں کہا:

'اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ قادیانیوں کے خلاف تحریک کے مبلغ و محرک احرار تھے۔ انہوں نے عدالت سے کہا کہ وہ عوام کے مذہبی جذبات سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کے لئے اس سیاسی غرض سے کام لے رہے تھے تا کہ وہ سیاسی طور پر دوبارہ زندہ ہو جائیں'۔

(روزنامہ ملت لاہور 9 جنوری 1954ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 16 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ نمبر 444 نیا ایڈیشن)

احرار کے بدانجام کا خود اس کے ایک جنرل سیکرٹری کو یوں اعتراف کرنا پڑا:

'واقعہ یہ ہے کہ مجلس احرار بہ لحاظ جماعت تاریخ کے حوالے ہو چکی ہے۔ اب اس کا ذہنی وجود تو بعض روایتوں اور حکایتوں کی وجہ سے ملک کے عوامی دماغوں میں موجود ہے لیکن 1۔ نہ اس کی کوئی تنظیم ہے۔ 2۔ نہ اس کا کوئی مربوط شیرازہ ہے۔ 3۔ نہ اس فضا میں اُڑنے کے لئے اس کے بال و پَر ہیں۔ ہماری ایمانداری سے رائے ہے کہ اب احرار کا زمانہ بیت چکا ہے اور مرحوم ماضی میں زندگی بسر کرنے سے کوئی فائدہ نہیں'۔

(تحریر شورش کاشمیری ہفت روزہ چٹان لاہور 25 مارچ 1963ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 16 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ نمبر 530)

جماعت اسلامی : 1953ء کے فسادات کے ذمہ داروں میں عدالت نے دوسرے نمبر پر جماعتِ اسلامی کو شمار کیا تھا۔ اس کی ملامت درج ذیل سے ظاہر ہے۔

اس جماعت پر ایک طرف تحریک ختم نبوت سے غداری کا الزام لگا۔

(بیانِ صادق از تاج الدین انصاری صفحہ نمبر 35 ناشر مجلس احرار الاسلام ملتان اپریل 1969ء)

اور مودودی صاحب کے لئے عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب نے کہا:

'ارے تم سے تو کافر گلیلیو ہی اچھا تھا جس نے زہر کا پیالہ پی لیا'۔

(خطباتِ امیر شریعت صفحہ نمبر 129 ناشر مکتبہ تبصرہ لاہور)

دوسری طرف اس کی صفوں میں سخت انتشار پیدا ہوا اور کئی عمائدین مثلاً معتمد امیر جماعت اسلامی، ایڈیٹر تسنیم و امیر صوبہ پنجاب، ایڈیٹر المنبر لائل پور اور ڈاکٹر اسرار احمد وغیرہ نے جماعت اسلامی سے علیحدگی

اختیار کر لی۔

سیاسی میدان میں جماعت اسلامی کی مسلسل ناکامی تاریخ کا حصہ ہے۔اس کا بار بار عام انتخابات میں حصہ لینا اور ہارنا معمول کی بات ہے۔

1953 ء کے احمدی مخالف فساد کے کرتا دھرتا: دو دہائیوں بعد ایک اور لکھنے والے نے ان تمام مخالف شاملینِ فساد کی سخت ملامت کرتے ہوئے لکھا:

’1953 ء میں ختم نبوت کے نام پر جو سیاسی کھیل کھیلا گیا اس کی ہولناک یادیں ابھی قوم کے ذہن سے محو نہیں ہوئیں۔جن سیاسی لیڈروں اور شرعی جیب کتروں نے ختم نبوت کے عقیدے کو سیاسی منفعت کا ذریعہ بنایا ان کا وجود صفحہ ہستی سے اس طرح مٹا کہ آج کوئی ان کی قبروں پر فاتحہ خوانی پڑھنے والا بھی نہیں۔ ان میں سے جو لوگ ابھی زندہ ہیں وہ بس زندگی کی سانسیں پوری کر رہے ہیں۔ ان کا کوئی حال ہے نہ مستقبل۔ ان کے سیاسی اقتدار پر فائز رہنے کے تمام خواب چکنا چور ہو گئے۔ان کے مذہبی شیوخ بننے کے تمام امکانات معدوم ہو گئے۔ختم نبوت کا عقیدہ بیچ کر انہوں نے جو ڈھیروں روپیہ اپنی ہتھیلیوں میں داخل کیا تھا اس نے ان کے گھروں کو جہنم کے انگاروں سے بھر دیا ہے۔ اب یہ لوگ خود اپنے جنازے اٹھائے پھرتے ہیں۔ لیکن ایسا کوئی قبرستان نہیں ملتا جہاں وہ اپنی لاشوں کو دفن کر سکیں‘۔

(ہفت روزہ آثار لاہور 24 تا 30 جون 1974 ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 16 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ نمبر 527 نیا ایڈیشن)

نئے طالع آزما :1974 ء میں سیاسی مقاصد کے تحت ایک طالع آزما نے اسمبلی کے دائرۂ اختیار سے متجاوز جماعت کے خلاف جو قانون سازی کروائی۔اس کے بدنتائج جس طرح اس نے خود اس نے اور اس کی اولاد نے پے در پے بھگتے وہ ایک ایسی عبرت ناک تاریخ ہے جس سے بیشتر لوگ واقف ہیں۔

اور پھر 1984 ء میں ایک قابض آمر نے احمدیوں کو ستانے کے لئے مزید قوانین نافذ کئے اور احمدی مصائب میں قید و بند کا اضافہ ہوا۔ یہ قوانین احمدیوں کے لئے اور بھی مضبوطیٔ ایمان اور اللہ کی راہ میں قربانیوں کا سبب ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ تاہم تقدیرِ الٰہی اس شخص کے حق میں ظاہر ہوئی اور چار سال بعد یہ آگ میں بھسم ہوا۔

5۔مخالفین کا نقصان اٹھانے والے ہونا :

انبیاء کی مخالفت خسارہ کا سودا ہے۔اور دین و دنیا دونوں کو گنوانا۔دنیا کی خاطر اس مخالفت کے نتیجہ میں دنیا بھی ہاتھ سے جاتی ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہوا اور آخرت بھی۔یوں یہ لوگ ہر لحاظ سے نقصان اٹھانے والے ہیں۔اس حقیقت کا اظہار حضرت شعیبؑ کے مخالفین کے ذکر میں قرآنِ کریم میں یوں آیا ہے:

اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ۝(اعراف 93:7)

ترجمہ: جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا وہی نقصان اٹھانے والے تھے۔

حضرت مسیح موعود کے مخالفین کا نقصان اٹھانے والا ہونا: آپ کے مخالف مخاطبین کے لئے بھی سچ کی مخالفت کس طرح دین کے ساتھ دُنیا میں بھی نقصان کا باعث ہوئی اس کی بہت سی مثالیں ان مخالفین کے حالات میں ملتی ہیں۔

حضرت مسیح موعود نے بعض نقصان اٹھانے والوں کا یوں ذکر فرمایا ہے

ترجمہ از عربی: ’جن لوگوں نے مباہلہ کیا اور مباہلہ کے بعد وہ ہلاک ہوئے ان میں سے ایک شخص مسمی غلام دستگیر قصوری ہے اسی طرح ان میں سے چراغ دین جمونی اور ایک شخص مولوی عبدالرحمن محی الدین لکھوکے ہے اور ایک شخص مولوی اسمٰعیل علی گڑھی اور فقیر مرزا دوالمیالی اور لیکھرام پشاوری ہے۔اسی طرح بہت سے لوگ ہیں جن میں سے اکثر تو مر گئے اور ان میں سے بعض رسوائی اور بعض نسل کے انقطاع اور عسرت کی زندگی کی طرف لوٹا دئے گئے‘۔

(اردو ترجمہ الاستفتاء ضمیمہ حقیقۃ الوحی صفحہ نمبر 13 حاشیہ مطبوعہ نظارت اشاعت ربوہ)

مولوی عبدالرحمن لکھوکے والے نے حضرت مسیح موعود کی نسبت ابتر ہونے کا الہام شائع کیا جس کے بعد حضرت مسیح موعود کے تین بیٹے ہوئے جبکہ خود

مولوی صاحب کے کوئی لڑکا نہیں ہوا بلکہ پہلے سے موجود ایک جوان لڑکا فوت ہوگیا۔اور خود بھی 1896ء میں حضرت صاحب کے سامنے چل بسے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ حقیقۃالوحی روحانی خزائن جلد22 صفحہ نمبر 366۔374)

مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب ایک بڑے مخالفِ سلسلہ تھے۔ انہوں نے حضرت مسیح موعود کے خلاف ہندوستان بھر کے مولویوں سے فتویٰ کفر حاصل کر کے اس کی اشاعت کی۔ انہوں نے جو دُنیوی نقصان اٹھائے ان میں شاید سب سے بڑا ان کی اولاد کا تباہ ہونا تھا۔ انہوں نے خود بیان کیا:

'میرے پانچ لڑکے یکے بعد دیگرے علم عربی و دینی کے پڑھنے میں کوتاہی اور آخر صاف انکار اور مخالفت احکام شریعت پر اصرار کرنے کے سبب اور میرے خون کے پیاسے ہونے کے باعث میری اطاعت سے خارج اور عاق ہو گئے۔ انہی کی دیکھا دیکھی باقی ماندہ دو نابالغ لڑکے۔۔۔گھر سے بھاگ گئے'۔

(تحریر مولوی حسین محمد بٹالوی صاحب اخبار اہل حدیث 25فروری 1910ء بحوالہ درسِ عبرت از بشیر احمد رفیق صفحہ نمبر 175۔176)

مولوی ثناء اللہ امرتسری صاحب بھی ایک بڑے مخالف تھے۔انہیں آخر عمر میں اپنے اکلوتے بیٹے کی موت، بے سروسامانی میں نقلِ مکانی اور اپنے کتب خانے کا جلایا جانا دیکھنا پڑا۔ایک سوانح نگار نے لکھا:

'کتابوں کے جلنے کا صدمہ مولانا کو اکلوتے فرزند کی شہادت سے کم نہ تھا۔۔۔ یہ صدمۂ جانکاہ آپ کو آخری دم تک رہا اور حقیقت میں آپ کی ناگہانی موت کا سبب یہ دو ہی صدمات تھے'۔ (سیرت ثنائی از عبدالمجید سوہدروی صفحہ نمبر 471 مطبوعہ مسلم پبلیکیشنز لاہور)

'ضعیفی میں ناقابلِ برداشت صدمے جھیلنے پڑے۔۔۔ جب یہ صدمات یاد آتے تو مزاج مبارک پر نہایت مضبعف اثر پڑتا۔۔۔کئی قسم کے عوارض مسلط ہو گئے۔صدمات کی یاد نے دل وجگر پر گہرے چرکے لگائے۔نتیجہ یہ ہوا کہ۔۔۔فالج کا حملہ ہوا۔حملہ مرض شدید تھا۔سماعت، شناخت اور تکلم کی قوتیں زائل ہوگئیں'۔ (سیرت ثنائی از عبدالمجید سوہدروی صفحہ نمبر 478 مطبوعہ مسلم پبلیکیشنز لاہور)

6۔مخالفین کا ذلیل کیا جانا :

حق کی مخالفت کرنا ناحق کی حمایت ہے اور جھوٹ کی حمایت بجز ذلت کے اور کچھ نہیں۔کیوں کہ جھوٹ کھل جاتا ہے اور حقیقت آشکار ہوجاتی ہے۔اس لئے یہ مخالف ہمیشہ ذلیل گردانے جاتے ہیں۔یہ ذلت اللہ کی طرف سے ان پر اترتی ہے۔حضرت آدمؑ کا انکار کرنے والے ابلیس سے اس ذلت کا آغاز ہوا۔جیسا کہ اللہ نے اس سے فرمایا:

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ۝ (اعراف 14:7)

ترجمہ: پس نکل جا۔یقینا تو ذلیل لوگوں میں سے ہے۔

اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے مخالفین کے ذکر میں اللہ فرماتا ہے:

فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ۝(صافات 99:37)

ترجمہ: پس انہوں نے اس (ابراہیم) کے متعلق ایک (ظالمانہ) تدبیر کی تو ہم نے انہیں سخت ذلیل کر دیا۔

حضرت مسیح موعود کے مخالفین کا ذلیل ہونا : آپ کے مخاطب مخالفین میں سے بہتوں نے اس سے حصہ پایا۔جس کا آپ نے یوں ذکر فرمایا:

'ایسا ہی اور بہت سے لوگ تھے جو علماء یا سجادہ نشین کہلاتے تھے۔اور بعد اس دعوتِ مباہلہ کے بدگوئی اور بدزبانی سے باز نہیں آئے تھے اس لئے خدا تعالیٰ نے بعض کو تو موت کا پیالہ پلا دیا اور بعض طرح طرح کی ذلّتوں میں گرفتار ہو گئے اور بعض اس قدر دنیا کے مکر اور فریب اور دنیا طلبی کے گندے شغل میں گرفتار ہوئے کہ حلاوتِ ایمان ان میں سے چھین لی گئی۔ایک بھی اس بددعا کے اثر سے محفوظ نہ رہا۔چونکہ سعد اللہ اپنی بدزبانی میں سب سے زیادہ بڑھ گیا تھا اس لئے نہ صرف اس کو نامرادی کی موت پیش آئی بلکہ ہر ایک ذلّت سے اس کو حصہ ملا اور تمام عمر نوکری کر کے پھر بھی اس کا پیٹ نہ بھرا۔آخر موت کے قریب عیسائیوں کے مدرسہ میں نوکری اختیار کی اور علاوہ ان تمام ذلّتوں کے جو اس کو نصیب ہوئیں یہ آخری ذلت بھی اس کو

دیکھنی پڑی'۔

(حقیقۃالوحی روحانی خزائن جلد22 صفحہ نمبر 455)

'مولوی (شاہ دین) صاحب لدھیانہ میں مفتی پنجاب کے خطاب سے مشہور تھے۔۔۔حضرت اقدس۔۔۔کی مخالفت میں بہت زور لگایا جس کا انجام یہ ہوا کہ اب مفتی صاحب کے دماغ میں خلل واقع ہو گیا ہے اور غلبہ سودا سے ہر طرف بھٹکتے پھرتے ہیں۔۔۔نہ مدرسہ رہا، نہ امامت رہی، نہ مولویت، نہ تقویٰ، نہ علم، نہ عقل۔

(عاقبۃ المکذبین مؤلفہ حضرت شہزادہ عبدالمجید صاحب لدھیانوی صفحہ نمبر 55۔56 مطبوعہ بارِاوّل 1901ء)

یہ مولوی صاحب اس حالت کس مپرسی حضرت مسیح موعود کے سامنے فوت ہو گئے۔جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا:

'مولوی شاہ دین دیوانہ ہو کر مر گیا'۔

(حقیقۃالوحی روحانی خزائن جلد22 صفحہ نمبر 313)

حق کا انکار بجائے خود ذلت ہے اور مزید ذلتوں کا سامان بھی۔ حضرت مسیح موعود نے اس حوالے سے یہ اصول بیان فرمایا ہے:

'خدا تعالیٰ کی مجھ سے یہ عادت ہے کہ جو شخص میرے ذلیل کرنے کے ارادہ کو انتہاء تک پہنچا دیتا ہے۔آخر وہ اس کو پکڑتا ہے یا اس کے مقابل پر کسی اور رنگ میں میرے لئے نشان ظاہر کر دیتا ہے اور دونوں باتوں میں سے ضرور ایک بات کر دیتا ہے یا دونوں پہلوؤں سے اپنا نشانِ قدرت دکھلا دیتا ہے'۔

(حقیقۃالوحی روحانی خزائن جلد22 صفحہ نمبر 372۔373)

یہ ایک جاری نشان ہے جو قریہ قریہ اور ملک ملک بار بار ظاہر ہوتا ہے۔

7۔مخالفین کا مغلوب کیا جانا :

حق غالب رہتا ہے جس کا لازمی نتیجہ ہے کہ اس کے مخالف مغلوب ہوتے ہیں۔آنحضرت ﷺ کو اپنے مخالفین کو اس حقیقت کا ادراک کرانے کے لئے اللہ نے ارشاد فرمایا:

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ (آلِ عمران 13:3)

ترجمہ: ان سے کہہ دے جنہوں نے کفر کیا کہ تم ضرور مغلوب کئے جاؤ گے۔

حضرت مسیح موعود کے مخالفین کا مغلوب ہونا : آپ کے سب مخالف بھی مغلوب ہوئے۔یہ مغلوب ہونا کئی طرح سے ظاہر ہوا۔

i۔وہ سب مخالف مولوی، پادری اور پنڈت جو آپ کے درج ذیل عظیم الشان چیلنجز کے جواب میں آپ کے بالمقابل تفسیرِ قرآن لکھنے، عربی کتب نویسی کرنے، آسمانی نشان دکھانے، اظہارِ غیب کرنے اور قبولیتِ دعاؤں کا اظہار کرنے میں مقابلہ پر نہ آئے یا آئے اور ناکام ہوئے سب مغلوب ہوئے۔

مَیں۔۔۔عربی بلاغت فصاحت کا نشان دیا گیا ہوں۔کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔

مَیں قرآن شریف کے حقائق معارف کرنے کا نشان دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔

مَیں کثرتِ قبولیت دعا کا نشان دیا گیا ہوں۔کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔۔۔

مَیں غیبی اخبار کا نشان دیا گیا ہوں۔کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے'۔

(ضرورۃ الامام روحانی خزائن جلد13 صفحہ نمبر 496۔497)

'مَیں خدا تعالیٰ کی طرف سے علم پا کر اس بات کو جانتا ہوں کہ جو دنیا کی مشکلات کے لئے میری دعائیں قبول ہو سکتی ہیں دوسروں کی ہرگز نہیں ہو سکتیں۔اور جو دینی اور قرآنی معارف، حقائق و اسرار مع لوازم بلاغت اور فصاحت کے مَیں لکھ سکتا ہوں دوسرا ہرگز نہیں لکھ سکتا۔اگر ایک دنیا جمع ہو کر میرے اس امتحان کے لئے آوے تو مجھے غالب پائے گی اور اگر تمام لوگ میرے مقابل پر اُٹھیں تو خدا تعالیٰ کے فضل سے میرا ہی پلہ بھاری ہو گا۔ دیکھو مَیں صاف صاف کہتا ہوں اور کھول کر کہتا ہوں کہ اس وقت اے مسلمانو! تم میں وہ لوگ بھی موجود ہیں جو مفسر اور محدث کہلاتے ہیں اور قرآن کے معارف اور حقائق جاننے کے مدعی ہیں اور بلاغت اور فصاحت کا دَم مارتے ہیں اور وہ لوگ بھی موجود ہیں جو فقراء کہلاتے ہیں اور چشتی اور قادری اور نقش بندی اور سُہروردی وغیرہ ناموں سے اپنے تئیں موسوم

کرتے ہیں۔اٹھو اور اس وقت ان کو میرے مقابلہ پر لاؤ‘۔
(ایام الصلح روحانی خزائن جلد 14 صفحہ نمبر 407)

’اگر آسمانی نشانوں میں کوئی میرا مقابلہ کر سکے تو مَیں جھوٹا ہوں۔اگر دعاؤں کے قبول ہونے میں کوئی میرے برابر اُتر سکے تو مَیں جھوٹا ہوں۔اگر قرآن کے نکات اور معارف بیان کرنے میں کوئی میرا ہم پلہ ٹھہر سکے تو مَیں جھوٹا ہوں۔اگر غیب کی پوشیدہ باتیں اور اسرار جو خدا کی اقتداری قوت کے ساتھ پیش از وقت مجھ پر ظاہر ہوتے ہیں ان میں کوئی میری برابری کر سکے تو مَیں خدا کی طرف سے نہیں ہوں‘۔
(اربعین نمبر 1 روحانی خزائن جلد 17 صفحہ نمبر 345۔346)

’اگر میرے مقابل پر تمام دنیا کی قومیں جمع ہو جائیں اور اس بات کا بالمقابل امتحان ہو کہ کس کو خدا غیب کی خبریں دیتا ہے اور کس کی دعائیں قبول کرتا ہے اور کس کی مدد کرتا ہے اور کس کے لئے بڑے بڑے نشان دکھاتا ہے تو مَیں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں مَیں ہی غالب رہوں گا۔کیا کوئی ہے؟!!۔کہ اس امتحان میں میرے مقابل پر آوے‘۔
(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ نمبر 181۔182)

ii۔آپ کی کتب براہینِ احمدیہ، سرمہ چشمہ آریہ، تحفہ گولڑویہ، اعجازِ احمدی بمع عربی قصیدہ باوجود انعام کی پیش کش کے جواب طلب رہیں اور سب مخالف مولوی، پادری اور پنڈت مغلوب ہوئے۔

iii۔آپ کی عربی کتب کرامات الصادقین، نور الحق، سر الخلافہ، حجۃ اللہ، الھُدیٰ باوجود دعوتِ مقابلہ کے لاجواب رہیں۔اور سب مخالف مولوی اور پادری مغلوب ہوئے۔

iv۔20 اکتوبر 1891ء کو حضرت مسیح موعود اپنے بارہ رفقاء کے ساتھ ایک شانِ مردانگی سے سینکڑوں مخالف افراد کے ہوتے ہوئے جامع مسجد دہلی کی درمیانی محراب میں آ بیٹھے۔پھر بھی مولوی نذیر حسین دہلوی صاحب اور مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے حیات و وفات مسیح پر مناظرہ کرنے سے انکار کر دیا اور یوں ہندوستان کے یہ بڑے مولوی مغلوب ہوئے۔

v۔جولائی 1896ء میں حضرت مسیح موعود نے اپنی کتاب انجام آتھم میں ایک دعوتِ مباہلہ شائع کی اور ہندوستان کے 58 مشہور علماء اور 48 صوفیاء کے نام لکھ کر انہیں مباہلہ کی دعوت دی۔حضرت خواجہ غلام فرید چشتیؒ اور پیر سیّد رشید الدین شاہ راشدیؒ **صاحب العَلَم** کے علاوہ جنہوں نے آپ کی تصدیق کی۔کسی نے اس دعوت کو قبول نہ کیا اور یہ سب علماء اور صوفیاء مغلوب ہوئے۔

8۔مخالفین کا اپنے مذاق کا خود شکار کیا جانا :

مخالف اللہ کے انبیاء کا غلط طور پر جو مذاق اڑاتے ہیں جلد وہ خود ان غلط باتوں، جھوٹے الزامات اور طعن وتشنیع کا نشانہ بن جاتے ہیں۔وہ نبی کو جھوٹا، دیوانہ، جاہل، سکھایا پڑھایا ہوا کہتے ہیں۔لیکن حق کھل جانے کے بعد سب دیکھنے والے ان مخالفین کو ہی ان ناموں سے یاد کرتے ہیں اور خود ان کے ایسے کرتوت ظاہر ہو جاتے ہیں کہ نبی اور اس کی جماعت پر لگائے گئے جھوٹے الزامات ان کے اپنے حق میں سچ ثابت ہو جاتے ہیں

اس بات کو قرآنِ کریم بطور اصول یوں بیان فرماتا ہے:

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۝ (انبیاء 42:21)

ترجمہ: اور رسولوں سے تجھ سے پہلے بھی تمسخر کیا گیا۔پس ان کو جنہوں نے ان (رسولوں) سے تمسخر کیا انہی باتوں نے گھیر لیا جن سے وہ تمسخر کیا کرتے تھے۔

قومِ ہود کے ساتھ ایسا ہونے کا علیحدہ ذکر یوں ہے :

وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۝ (احقاف 27:46)

ترجمہ: اور جس بات کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اسی نے انہیں گھیر لیا۔

اسی طرح مخالف نبی کی بیان کردہ پیش خبریوں کا جو مذاق اڑاتے ہیں۔وقت آتا ہے کہ ان کی رسوائی کا سامان ہوتا ہے اور وہ ان کے پورا ہونے کی خبریں پاتے ہیں جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے مخالفین کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ
(انعام 6:6)

ترجمہ: سو ضرور انہیں ان (باتوں کے پورا ہونے) کی خبریں ملیں گی

جن کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔

حضرت مسیح موعود کے مخالفین کا اپنے استہزاء کا خود شکار ہونا :

آپ کے مخالف بھی اپنے استہزاء کا شکار ہوئے۔ان میں سرِ فہرست مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب رہے۔ ان کا رسالہ اشاعۃ السُّنہ آپ کی مخالفت کے لئے وقف رہا۔ انہوں نے بڑی کوشش کر کے ہندوستان بھر سے حضرت مسیح موعود کے خلاف کفر کے فتوے اکٹھے او رشائع کئے ۔ انگریز حکومت کو آپ کے خلاف شکائتیں لگاتے رہے۔ عدالتوں میں دشمن عیسائیوں کی طرف سے گواہ ہوئے۔ اپنے ہم مشرب جعفر زٹلی کی سبّ وشتم کی کاروائیوں میں اس کے معاون و مددگار رہے۔خدائی تقدیر کے مطابق یہ استہزاء کئی طرح ان کے سامنے آیا:

1۔ حضرت مسیح موعود کے زمانے میں آپ کے خلاف لکھی گئی ایک کتاب میں مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کو 'دنیا کی محبت میں سخت گرفتار' اور 'مالِ حرام وحلال کے جمع کرنے کی کوشش میں سرشار' قرار دے کر ایک صاحب نے ایک کتاب میں جو خود حضرت مسیح موعود کے خلاف لکھی گئی تھی ۔لکھا:

'رسالہ اشاعۃ السنہ جو سال تمام میں چوبیس جزو ہوتا ہے۔ایک یا دو روپیہ اس کی قیمت میں عمدہ منفعت ہے اور صاحبِ اشاعۃ السنہ نوابوں سے تیس روپیہ سالانہ اور دوسرے غنیوں سے پندرہ روپیہ اور متوسط گزارہ والوں سے سات روپیہ اور کم وسعت والوں سے تین روپے بارہ آنے سالانہ لیتے ہیں'۔

(تحقیقاتِ دستگیریہ از مولوی غلام دستگیر قصوری اُردو بمع عربی ترجمہ مطبوعہ اگست 1893 ء بحوالہ احتسابِ قادیانیت جلد دہم صفحہ نمبر 510)

2۔ مولوی صاحب کے پانچ بیٹے نافرمان ہونے کے سبب ان کے ہاتھوں عاق ہوئے۔ دو چھوٹے گھر سے بھاگ گئے۔ جن میں ایک کی بہتری کے لئے مولوی صاحب نے بامر مجبوری اسے قادیان میں اسکول میں داخل کر دیا۔ جس پر کی گئی نکتہ چینی کا انہوں نے خود ایک اور مخالف اخبار اہلِ حدیث میں یوں جواب دیا:

'مَیں بہت سے مدارس اہل سنت، اہل حدیث کا امتحان کر چکا ہوں ۔۔۔ ان مدارس میں ان لڑکوں (مولوی بٹالوی صاحب کے اپنے پانچ بڑے لڑکے) کی تعلیم و تربیت نہ ہوئی جو قادیان میں اس چھوٹے لڑکے کی ہو رہی ہے۔ مجبورولاچار ہو کر ایڈیٹر الحکم کی دوستانہ درخواست پر لڑکے کو قادیان بھیج دیا جس کا نتیجہ اس وقت تک خاطر خواہ نکل رہا ہے'۔

(تحریر مولوی حسین محمد بٹالوی صاحب اخبار اہل حدیث 25 فروری 1910ء بحوالہ درسِ عبرت از بشیر احمد رفیق صفحہ نمبر 175۔176)

3۔حضرت مسیح موعود پر ہندوستان بھر سے فتویٰ کفر پر دستخط کرانے والے مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کو خود اس فتوے کے برخلاف 1912ء میں وزیر آباد کی ایک عدالت میں یہ بیان حلفی دینا پڑا کہ 'میں احمدی جماعت کو مسلمان سمجھتا ہوں'۔

4۔مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کے ایک نواسے ڈاکٹر شیخ محمد سعید صاحب تقسیم برصغیر کے بعد احمدی ہو گئے اور یہ بیان ریکارڈ کروایا:

'اگر آج مَیں اپنے نانا محمد حسین بٹالوی کی زندگی کے تمام حالات بیان کروں تو یہ ایک عبرت ناک واقعہ ہوگا۔خوشی اس بات کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سچے کو سچا کر دیا اور جھوٹے کو جھوٹا'۔

(ہفت روزہ بدر قادیان 5 مارچ 1992ء بحوالہ درسِ عبرت از بشیر احمد رفیق صاحب صفحہ نمبر 184 مطبوعہ رقیم پریس یو۔کے)

9۔مخالفین کو بطور تنبیہہ عذاب چکھایا جانا :

آلِ فرعون کو بطور تنبیہہ وقفہ وقفہ سے کئی عذاب اس غرض سے چکھائے گئے کہ وہ نصیحت حاصل کریں جیسا کہ فرمایا:

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ○ (اعراف 7:131)

ترجمہ: اور یقینا ہم نے آلِ فرعون کو قحطوں کے ساتھ اور پھلوں میں نقصان کے ذریعہ پکڑ لیا۔

نیز :

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ

وَالدَّمَ (اعراف 134:7)

ترجمہ: پس ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈی دَل بھی اور جوئیں اور مینڈک اور خون بھی۔

اس سے اللہ کی یہ سنت ظاہر ہوتی ہے کہ انجام کار ہلاکت سے قبل اللہ کی رحمت انکار کرنے والوں کو بار بار موقع دیتی ہے کہ وہ نسبتاً کم درجہ کے عذابوں سے نصیحت پکڑ لیں اور حق کو قبول کر لیں۔لیکن ان تنبیہی عذابوں کو نظر انداز کرنے اور ان کے باوجود سچائی کو قبول نہ کرنے اور تضحیک اور تکذیب کی روِش ترک نہ کرنے کا نتیجہ آلِ فرعون کے ہم رنگ ہوتا ہے جنہوں نے اس رعایت سے فائدہ نہ اٹھایا اور نتیجتاً اس انجام کو پہنچے:

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ۝ (اعراف 137:7)

ترجمہ: پس ہم نے ان سے انتقام لیا اور انہیں سمندر میں غرق کر دیا۔ کیونکہ انہوں نے ہمارے نشانات کو جھٹلا دیا تھا اور وہ ان سے غافل تھے۔

حضرت مسیح موعود کے مخالفین کا بطور تنبیہ عذاب چکھنا: آپ کے وہ مخالف جنہیں آپ نے نام لے کر مباہلہ کی دعوت دی۔ان میں سے کئی موت سے پہلے بطور تنبیہ مختلف عذابوں کا نشانہ بنے۔آپ نے اس کا یوں ذکر فرمایا:

’مَیں نے اپنے رسالہ انجامِ آتھم میں بہت سے مخالف مولویوں کا نام لے کر مباہلہ کی طرف ان کو بلایا تھا اور صفحہ 66 رسالہ مذکور میں لکھا تھا کہ اگر کوئی ان میں سے مباہلہ کرے تو مَیں دعا کروں گا کہ ان میں سے کوئی اندھا ہو جائے اور کوئی مفلوج اور کوئی دیوانہ اور کسی کی موت سانپ کے کاٹنے سے ہو اور کوئی بے وقت موت مر جائے اور کوئی بے عزت ہو اور کسی کو مال کا نقصان پہنچے پھر اگرچہ تمام مخالف مولوی مردِ میدان بن کر مباہلہ کے لئے حاضر نہ ہوئے مگر پسِ پشت گالیاں دیتے رہے اور تکذیب کرتے رہے۔۔۔آخر نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ تمام بالمقابل مولویوں میں سے جو باون تھے آج تک صرف 20 زندہ ہیں اور وہ بھی کسی نہ کسی بلا میں گرفتار۔باقی سب فوت ہو گئے۔مولوی رشید احمد اندھا ہوا اور پھر سانپ کے کاٹنے سے مر گیا جیسا کہ مباہلہ کی دعا میں تھا۔مولوی شاہ دین دیوانہ ہو کر مر گیا۔مولوی غلام دستگیر خود اپنے مباہلہ سے مر گیا اور جو زندہ ہیں ان میں سے کوئی بھی آفاتِ متذکرہ بالا سے خالی نہیں‘۔

(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ نمبر 313)

10۔انبیاء کے مخالفین کی گرفت اور ہلاکت:

انبیاء کے وہ مخالفین جو استہزاء اور انکار پر بضد رہتے ہیں بالآخر اللہ کی گرفت میں آتے ہیں۔خدائے قادر اپنی قدرت سے ان مخالفین کو ان کے خود کردہ کی سزا دیتا ہے۔

i۔ قدرتِ الٰہی : انبیاء کے مخالف اپنی طاقت اور جتھے پر نازاں ہو کر نبی اور اس کی جماعت کی کمزوری کو حقارت سے دیکھتے ہیں اور ان کو بزور بازو مٹا دینے چاہتے ہیں۔تمام وسائل رکھتے ہوئے ان کا اس کوشش میں ناکام رہنا اور پکڑے جانا خدا تعالیٰ کی اس قدرت کا زبردست اظہار ہے کہ

اللہ ان کے آگے پیچھے سے گھیرا ڈالے ہوتا ہے۔(بروج 21:85) اور گھات میں ہوتا ہے۔ (فجر 15:89) اور ان کے مکر کا توڑ کرتا ہے۔ (نمل 51:27۔52)

پھر انہیں ایسے پکڑ لیتا ہے جیسے کامل غلبہ والا مقتدر پکڑتا ہے۔(قمر 43:54) اور اس کی پکڑ بڑی اذیت ناک (اور) بڑی سخت ہوتی ہے۔ (ہود 103:11) اور عذاب وہاں سے آتا ہے جہاں سے ان کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ (نحل 27:16) اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ (اعراف 73:7)

ان انکار کرنے والوں کی ہلاکت کو اللہ خود سے منسوب کرتا ہے۔جیسا کہ فرمایا: فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ (زخرف 26:43)

ترجمہ: اللہ نے اس سے انتقام لیا۔

نیز یہ کہ :

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا (یونس 14:10)

ترجمہ: یقیناً ہم نے تم سے پہلے کتنے ہی زمانوں کے لوگوں کو ہلاک کر

دیا تھا جب انہوں نے ظلم کئے۔

قرآنِ کریم نے مختلف اقوام یعنی عاد، عادِ اولیٰ، عاد ارم، ثمود، کنویں والے اور ان کے درمیان بہت سی قومیں، قوم نوح، اصحاب الایکہ اور قومِ فرعون کے اس انجام کا علیحدہ علیحدہ ذکر بھی کیا ہے۔

حضرت مسیح موعود کے مخالفین کا خدا کے قہر کا نشانہ بننا: آپ کے وہ مخالفین بھی جو استہزا اور انکار پر بضد رہے اللہ کی پکڑ میں آئے اور اس نے اپنی قدرت سے انہیں اپنے قہر کا نشانہ بنایا۔ آپ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

'خدا کے قہر کے ہاتھ نے سرغنہ مخالفوں کے پانچ حصوں میں سے تین حصے دنیا پر سے اُٹھا لئے۔ اسمٰعیل مولوی علیگڑھ جس نے کہا تھا کہ ہم دونوں میں سے (یعنی وہ اور مَیں) جو شخص جھوٹا ہے وہ پہلے مرے گا۔ چنانچہ خود وہ پہلے مر گیا اور غلام دستگیر قصوری نے اپنی کتاب فتح رحمانی میں مجھے جھوٹا قرار دے کر خدا تعالیٰ سے جھوٹے کی موت چاہی۔ سو اس مباہلہ کو شائع کر کے پھر زندہ نہ رہ سکا اور چند ہی روز میں فوت ہو گیا۔ دیکھو کتاب فتح رحمانی میں مجھے جھوٹا قرار دے کر خدا تعالیٰ سے جھوٹے کی موت چاہی۔ سو وہ اس مباہلہ کو شائع کر کے پھر زندہ نہ رہ سکا اور چند ہی روز میں فوت ہو گیا۔ دیکھو کتاب فتح رحمانی صفحہ نمبر 26۔ 27 اور محی الدین لکھو کے والے نے بھی اس مضمون کا الہام شائع کیا یعنی یہ الہام شائع کیا کہ مرزا صاحب فرعون۔ مگر جیسا کہ الحکم 24 جولائی 1901ء کے صفحہ 5 دوسرے کالم میں شائع ہو چکا ہے۔ میری پیشگوئی کے مطابق وہ فوت ہو گیا۔ ایسا ہی رشید احمد گنگوہی اپنے اشتہار کے بعد اندھا ہو گیا۔ شاہ دین مخالف لدھیانوی دیوانہ ہو گیا اور محمد حسن بھیں میرے مقابلہ میں اعجاز المسیح پر یہ کلمہ لکھتے ہی کہ لعنت اللہ علی الکاذبین اپنے منہ کی لعنت سے ہی پکڑا گیا اور مر گیا۔ ایسا ہی لدھیانہ کے تین مولوی بھی یعنی عبداللہ، عبدالعزیز، محمد وہ تینوں میرے مقابل پر گندے اشتہار لکھنے کے بعد مر گئے۔ یہ خدا کے زور آور حملے ہیں جن سے سچائی ظاہر ہے'۔

(نزول المسیح روحانی خزائن جلد 18 صفحہ نمبر 523۔524 نیا ایڈیشن)

ii۔ انبیاء کے مخالفین کی خود آمدہ ہلاکت:

ظالم اور انکار کرنے والوں کی ہلاکت کا اصل سبب وہ خود ہوتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ اصول ٹھہرایا ہے کہ:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

(عنکبوت 41:29)

ترجمہ: اللہ ایسا نہیں کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے۔

یہ بات مخالفین کے بدانجام کے ذکر میں بار بار دہرائی گئی ہے۔ جیسا کہ ذیل کی آیات:

پس ان کے ظلم کی وجہ سے انہیں آسمانی بجلی نے آ پکڑا۔ (نساء 154:4)

پس دیکھو مفسدوں کا انجام کیسا تھا۔ (اعراف 104:7)

سو عذاب نے ان کو آ پکڑا جبکہ وہ ظلم کرنے والے تھے۔ (نحل 114:16)

پس ان دونوں کو انہوں نے جھٹلا دیا اور وہ خود ہلاک کئے جانے والوں میں سے ہو گئے۔ (مومنون 49:23)

پس ان کو طوفان نے آ پکڑا اور وہ ظلم کرنے والے تھے۔ (عنکبوت 15:29)

پھر وہ لوگ جنہوں برائی کی ان کا بہت بُرا انجام ہو۔ (روم 11:30)

ہم نے ان سے جنہوں نے جرم کئے انتقام لیا۔ (روم 48:30)

پس دیکھ کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔ (زُخرف 26:43)

اور جو اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو یقیناً اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔ (حشر 5:59)

حضرت مسیح موعود کے مخالفین کی اپنے ہاتھوں ہلاکت: آپ کے بہت سے مخالفین بھی آپ سے مباہلہ کر کے ہلاک ہوئے اور یوں خود اپنے ہاتھوں اپنے بدانجام کو پہنچے۔ آپ نے ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا؛

'کتاب انجام آتھم جس میں سخت معاند لوگوں کو مباہلہ کے لئے بلایا گیا ہے۔۔۔ اس مباہلہ پر آج کے دن تک بارہ برس اور تین مہینہ اور کئی دن گزر چکے ہیں پھر اس کے بعد اکثر لوگوں نے زبان بند کر لی اور جو بدزبانی سے باز نہ آئے ان میں سے بہت کم ہوں گے جنہوں نے موت کا مزہ نہ چکھا، یا کسی ذلت میں گرفتار نہ ہوئے۔ چنانچہ نذیر حسین دہلوی جو ان سب کا سرغنہ

تھا۔۔۔اور مولوی عبدالعزیز لدھیانوی اور محمد لدھیانوی ۔۔۔اس دنیا کو چھوڑ گئے اور ایسا ہی مولوی غلام رسول عرف رُسل بابا ۔۔۔طاعون سے مر گیا۔ ایسا ہی مولوی غلام دستگیر قصوری ۔۔۔جس نے خود بھی اپنا مباہلہ اپنی کتاب فیضِ رحمانی میں شائع کیا تھا وہ کتاب کی تالیف سے ایک ماہ بعد مر گیا۔۔۔مولوی اصغر علی کا نام درج ہے وہ بھی اس وقت تک بدگوئی سے باز نہ آیا جب تک خدا تعالیٰ کے قہر سے ایک آنکھ اس کی نکل گئی ۔ ایسا ہی اس مباہلہ کی فہرست میں مولوی عبدالمجید دہلوی کا ذکر ہے جو فروری 1907ء میں بمقام دہلی ہیضہ سے گزر گیا'۔

(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ نمبر 454_455)

جلد بعد مولوی محمد اسمٰعیل علی گڑھی کے بدانجام کا ذکر یوں ملتا ہے:

'مولوی محمد اسماعیل نے ایک کتاب لکھی اور اس میں مباہلہ کر لیا، ابھی وہ کتاب ختم نہ ہوئی تھی کہ وہ اس مباہلہ کی سزا میں فوت ہو گیا'۔

(حیاتِ احمد جلد سوم از حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب صفحہ نمبر 63 نیا ایڈیشن)

حضرت مسیح موعود کے مخالفین کی ہلاکت : آپ کے مخالف بھی کئی طرح ہلاک کئے گئے ۔بعض نے آپ کے بالمقابل موت کی دعا کی یا پیشگوئی کی یا مبا ہلہ کیا اور نتیجہ میں ہلاک کئے گئے ۔ بہت سوں کو حضرت مسیح موعود نے خود مباہلہ کی دعوت دی اور باوجود مردِ میدان نہ بننے کے اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئے اور عذاب و ہلاکت کا نشانہ بنے۔ بعض مخالفت میں پیش پیش رہے اور گرفت میں آئے ۔بعض سے فیصلہ کے لئے حضرت مسیح موعود نے دعا کی اور نتیجتاً وہ ہلاک ہوئے ۔ یہ سب مخالف اللہ کے حکم کے تحت، اس کی قدرت سے اور اپنے خود کردہ کے ہاتھوں قہرِ الٰہی کا نشانہ بن کر اَجل کا شکار ہوئے ۔

مخالفین کی ان ہلاکتوں کا ایک تحریر میں آپ نے یہ ذکر فرمایا:

'مخالفین پر تباہی پڑنے اور نیز طاعون نازل ہونے کے لئے دعا کی گئی تھی سو اب تک ہزار ہا مخالف طاعون اور دوسری آفات سے ہلاک اور تباہ ہو چکے ہیں ۔ ماسوا اس کے جو منتخب مولوی تھے بعض ان میں اندھے ہو گئے اور بعض کانے ہو گئے اور بعض دیوانے اور بہت سے ان میں مر گئے ۔ چنانچہ بر طبق اس دعا کے مولوی شاہ دین دیوانہ ہو گیا ۔ رشید احمد اندھا ہو گیا ۔محمد بخش طاعون سے مرا۔ تینوں مولوی لدھیانہ کے ہلاک کئے گئے ۔محمد حسن بھیں ہلاک کیا گیا۔ غلام دستگیر قصوری ہلاک کیا گیا ۔ محی الدین لکھوکے والا ہلاک کیا گیا اور اصغر علی کی ایک آنکھ جاتی رہی ۔ اور مولوی محمد حسین عَفرؔ کی دعا کے نیچے آ گیا کیونکہ عفرؔ لغتِ عرب میں خاک آلودہ کرنے کو کہتے ہیں سو وہ تکفیر کی جمعداری سے بحکم حاکم روکا گیا اور زمینداری کی گرد و غبار میں آلودہ کیا گیا'۔

(نزول المسیح روحانی خزائن جلد 18 صفحہ نمبر 534_535 نیا ایڈیشن)

کچھ کا الگ الگ بیان: حضرت مسیح موعود کے وہ بڑے مخالف جو ہلاک کئے گئے ان میں ہندوستان کا آریہ پنڈت لیکھرام اور ہزاروں میل دور دوسری دنیا امریکہ کا عیسائی مناد جان الیگزینڈر ڈوئی اور بیسیوں علماء شامل تھے۔ ان کا کسی قدر علیحدہ علیحدہ ذکر درج ذیل ہے۔



پنڈت لیکھرام : اس بدزبان آریہ مخالف کی ہلاکت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو خبر دی اس کے عین مطابق یہ اپنے بدانجام کو پہنچا۔ حالات کے مطابق:

وسط فروری 1897ء میں ایک شخص اس غرض سے پنڈت لیکھرام کو ملا کہ

'وہ پہلے ہندو تھا عرصہ دو سال سے مسلمان ہو گیا تھا اب پھر اصل دھرم پر واپس آنا چاہتا ہے'۔ تب سے وہ پنڈت جی کے ساتھ سایہ کی طرح رہنے لگا'۔

6 مارچ کو سات بجے شام اس نے پنڈت جی کے پہلو میں چھرا گھونپ دیا جس سے انتڑیاں باہر نکل آئیں ۔ پنڈت جی کو اسپتال لے گئے اور آخر ایک بجے روح پرواز کر گئی'۔

(ملخص از دافع الاوہام از پنڈت دیو پرکاش صفحہ نمبر 81 بحوالہ تاریخ احمدیت جلد اول از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 591_592)

لیکھرام کا سنِ پیدائش 1858ء ہے یوں قتل کے وقت اس کی عمر 39 سال تھی ۔ اس کا ایک ہی بیٹا تھا جو اس کی زندگی میں فوت ہو چکا تھا

یوں لیکھر ام ابتر رہ کر انجام کو پہنچا۔

جان الیگزینڈر ڈوئی : امریکی عیسائی مخالف ڈوئی جو حضرت مسیح موعود کو حقارت سے بُرے بُرے ناموں سے پکارتا اور اپنی عظمت کے بلند بانگ دعوے کرتا تھا۔ باوجود آپ سے عمر میں چھوٹا ہونے اور اپنی صحت کے بارے میں ان دعووں کے کہ:

'I have an unwearied brain. I have a healthy frame. I believe that there are very few men of my age and work in the world today who are as strong as I am.'

(Weakly Leaves of Healing, Chicago December 20, 1902 Vol 12, Page 272)

ترجمہ: مَیں ایک نہ تھکنے والے دماغ اور صحت مند جسم کا مالک ہوں ۔ مجھے یقین ہے کہ آج دنیا میں چند ہی اشخاص ایسے ہوں گے جو میرے ہم عمر ہوں اور میرا جیسا کام کرتے ہوں اور پھر بھی اتنے قوی ہوں جتنا مَیں ہوں۔

اور 20 / 25 سال بعد حضرت مسیح کی دوباہ آمد تک جینے کی ان امیدوں کے کہ:

I have to leave on and get ready for the Kings coming.

(Weakly Leaves of Healing, Chicago December 19, 1903 Vol 14, Page 273)

ترجمہ: پُراُمید ہوں کہ بادشاہ کی آمد تک زندہ اور تیار ہوں گا۔

صرف دو تین سال بعد 1905 ء میں مفلوج ہوُا اور ہر قسم کی روسیاہی دیکھ کر اور پندرہ سولہ ماہ ایک تختہ کی مانند دو تنخواہ دار نگیر و ملازمین کے رحم و کرم پر رہنے کے بعد 9 مارچ 1907 ء کو بے نیل و مرام حضرت مسیح موعود کی حیات میں ہی اپنے انجام کو پہنچا۔ اگرچہ اس کی اولاد تھی لیکن بیٹی 29 سال کی عمر میں اس کی زندگی میں جل کر فوت ہوئی۔ بیٹا اس کے مرنے کے بعد تک زندہ رہا۔ لیکن اپنے باپ کا مخالف۔ بلکہ ایک مخالف چرچ کا پادری بنا۔ اس نے شادی بھی نہ کی اور یوں جسمانی اور روحانی دونوں طور پر ڈوئی کا کوئی نام لیوا نہ رہا۔

چند اور معروف مخالفین کا انجام یوں ہوُا:

لدھیانہ کے مولوی برادران : 'مخالفین میں لدھیانہ میں سب سے زیادہ باقوت اور باشوکت تین نامی گرامی مولوی تھے۔ 1۔ محمد ، 2۔ عبداللہ، 3۔ عبدالعزیز ۔ اور یہ تینوں آپس میں حقیقی بھائی تھے ان کے فتوے دور دور جاری تھے۔۔ براہینِ احمدیہ کے زمانہ میں ہی ان مولویوں کے گھرانے سے حضور علیہ السلام کی نسبت کفر کا فتویٰ نکلا۔ ان لدھیانوی مخالفین میں سے عبداللہ کا انجام یہ ہوُا کہ سہارنپور کے ریلوے اسٹیشن پر بحالتِ مسافرت مر گیا اور اس کی تجہیز و تکفین ایک ایسے شخص نے کی جو۔۔ ان ۔۔ کے عقیدہ میں کافر ہے۔۔۔ عبداللہ کے بعد اس کے بھائی عبدالعزیز کی باری آئی ۔ یہ شخص ۔۔۔ حضور کی مخالفت میں بڑا ہی جوشیلا اور سرگرم تھا۔۔ وہ ایک دردناک اور جاں گداز مرض میں مبتلا کیا گیا ۔۔۔ ہر ایک پیشاب کرنے کے وقت سوزش بَول سے اس کو موت کا مزا چکھنا پڑتا تھا۔ یہاں تک کہ آخر کار مدت دراز تک اس عظیم ایلم میں گرفتار رہنے ۔۔۔ کے بعد راہی ملک عدم ہوا۔۔۔ عبدالعزیز کی وفات کے تیرہ دن بعد اس کے بڑے بھائی مولوی محمد کی نوبت ظاہر ہوئی ۔۔۔ اس نے اپنے رسالہ میں حضور علیہ السلام کو جا بجا مرتد کے لفظ سے یاد کیا ہے مگر اپنے رسالہ کے شائع کرنے کے بعد بہت جلد اس جہاں سے رخصت ہوُا'۔

(عاقبۃ المکذبین مؤلفہ حضرت شہزادہ عبدالمجید صاحب لدھیانوی صفحہ نمبر 51۔54 مطبوعہ بارِاوّل 1901ء)

اوّل المکفرین : مولوی نذیر حسین دہلوی صاحب اوّل المکفرین تھے۔ یہ حضرت مسیح موعود کے سامنے اکتوبر 1902 ء اپنے لائق بیٹے کی موت کا صدمہ دیکھ کر ابتر حالت میں دنیا سے کوچ کر گئے۔

مولوی عبدالرحمن لکھوکے والے: مولوی عبدالرحمن لکھوکے والے نے حضرت مسیح موعود کی نسبت ابتر ہونے کا الہام شائع کیا جس کے بعد حضرت مسیح موعود کے تین بیٹے ہوئے جبکہ خود مولوی صاحب کے کوئی لڑکا نہیں ہوُا بلکہ پہلے سے موجود ایک جوان لڑکا فوت ہو گیا۔ اور یہ خود بھی 1896 ء

میں حضرت صاحب کے سامنے چل بسے۔(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ نمبر 366۔374)

رشید احمد گنگوہی : رشید احمد گنگوہی صاحب ایک سرکردہ مخالف تھے۔ یہ سانپ کے کاٹے کا دَم کرنے کی شہرت رکھتے تھے۔پہلے اندھے ہوئے اور پھر سانپ کے کاٹے سے ہی حضرت مسیح موعود کے سامنے جون 1905ء میں فوت ہوگئے۔

مولوی شاہ دین : یہ مولوی صاحب حالت کس مپرسی حضرت مسیح موعود کے سامنے فوت ہوگئے۔جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا:

’مولوی شاہ دین دیوانہ ہو کر مر گیا‘۔ (حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ نمبر 313)

چراغ دین جمونی : چراغ دین ساکن جموں نے حضرت مسیح موعود کی مخالفت میں دو کتابیں منارۃ المسیح اور اعجازِ محمدی لکھیں اور دعویٰ کیا کہ آپ کو نابود کرنے کے لئے اسے حضرت عیسیٰؑ کا عصا دیا گیا ہے۔لیکن خود اس انجام کو پہنچا کہ اس کے سامنے دونوں بیٹے طاعون سے ہلاک ہوئے اور پھر دو تین روز بعد

4 اپریل 1906ء کو خود بھی طاعون میں مبتلا ہو کر اس جہاں کو چھوڑ گیا۔ (حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ نمبر 387)

سعد اللہ لدھیانوی : سعد اللہ لدھیانوی ایک دریدہ دہن مخالف تھا۔ جو جنوری 1907ء میں نمونیا پلیگ سے ہلاک ہوُا۔اس کا ایک ہی بیٹا تھا جو بے اولاد مرا۔اور یوں اس مخالف کی نسل منقطع ہوگئی۔جیسا کہ حضرت مسیح موعود کو اس کے بارے میں بتایا گیا تھا ۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ نمبر 435۔ 456)

منشی الٰہی بخش : یہ سخت مخالف تھے اور ایک کتاب بعنوان عصائے موسیٰ کے مصنف تھے۔حضرت مسیح موعود کے سامنے طاعون سے فوت ہوئے۔ ایک مخالف اخبار نے خبر دی:

’افسوس منشی الٰہی بخش صاحب لاہوری مصنف عصائے موسیٰ بھی طاعون سے شہید ہوگئے‘۔

غزل

منیر احمد باجوہ

مقصد جو زندگی کا آساں ہو بندگی سے
ملتی ہے شادمانی انساں کو بندگی سے
نفرت کے داغ دھو کر کردے شفاف مَن کو
ملتی ہے مَن کی آشا انساں کو بندگی سے
انسان اُنس سے ہے دو طرفہ اُنس اِس کا
ملتا ہے اُنس ناداں، انساں کو بندگی سے
اک اُنس ہے خدا سے دُوجا خدائی سے ہے
حاصل یہ رہتا ہر آں انساں کو بندگی سے
پَل پَل پہ لغزشیں ہیں ہر گام پر ہے ٹھوکر
ملے ہر قدم سہارا وجداں کو بندگی سے
امید وصلِ مولا ہوتی ہے بندگی سے
حاصل خوشی حقیقی آساں ہو بندگی سے
مولا تیرا کرم ہو حاصل منیؔر کو بھی
بن اس کے کیا ملے گا ناداں کو بندگی سے

۞۞۞۞۞۞۞

(اخبار اہل حدیث مدیر مولوی ثناء اللہ امرتسری 11 اپریل 1907ء)

آریہ اخبار شبھ چنتک کا عملہ: 1906ء میں جاری ہونے والے مخالف آریہ اخبار شبھ چنتک کے مینیجر اچھر چند صاحب، معاون ان کے بھائی بھگت رام صاحب، اور ایڈیٹر سومراج صاحب تھے۔ایڈیٹر صاحب نے اپنے اور مینیجر کے بیٹوں اور معاون کی فروری 1907ء میں ہلاکت کا یوں ذکر کیا:

’یکا یک مہاشہ اچھر چند کی استری اور عزیز بھگت رام برادر لالہ اچھر چند کا لڑکا بیمار ہوگئے۔خیر ان کی استری کو تو آرام آ گیا لیکن لڑکا گزر گیا۔ اس تکلیف کا ابھی خاتمہ نہیں ہوُا تھا کہ میری استری اور میرا چھوٹا لڑکا عزیز

شیوراج بیمار ہو گئے۔ میری استری تو ابھی بیمار ہی ہے مگر ہونہار لڑکا پلیگ کا شکار ہو گیا۔ اس مصیبت کو ابھی بھول نہیں گئے تھے کہ ایک ناگہانی مصیبت اور سر آ پڑی اور وہ یہ تھی کہ عزیز بھگت رام جس کے لڑکے کے گزر جانے کا اوپر ذکر کیا ہے بیمار ہو گیا اور چھ روز بیمار رہ کر ہمیشہ کے لئے داغِ مفارقت دے گیا۔ یہی وجہ ہے کہ۔۔اخبار بھی دو ہفتہ سے بند ہے۔

(آریہ اخبار پرکاش بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 6 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ نمبر 485)

دوسرے ہی دن یہ لکھنے والے سومراج صاحب اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اچھر چند صاحب بھی عذابِ طاعون کے شکار ہوئے۔

11۔انبیاء کے مخالفین کا عذابِ الٰہی سے ہلاک کیا جانا :

انبیاء کے مخالف جب اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے اور بدستور حق کی مخالفت کرتے ہیں تو بالآخر خدائے قدیر کے عذاب کے نشانہ بن کر مٹا دئے جاتے ہیں۔ یہ اس سنتِ الٰہی کے مطابق ہوتا ہے جسے حضرت عیسیٰؑ کا انکار کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا:

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ○ (آل عمران 57:3)

ترجمہ: پس جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جنہوں نے کفر کیا تو ان کو مَیں نے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی شدید عذاب دوں گا۔ اور ان کے کوئی مددگار نہ ہوں گے۔

اس طرح اللہ ایک بستی کی مثال بیان کرتا ہے جن کے پاس بافراغت رزق تھا لیکن اپنے رسول کا انکار کرنے پر عذاب کا شکار ہوئے:

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ (نحل 114:16)

ترجمہ: اور یقیناً ان کے پاس انہی میں سے ایک رسول آیا تو انہوں اسے جھٹلا دیا سو عذاب نے ان کو آ پکڑا۔

نیز یہ کہ :

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ○ (روم 11:30)

ترجمہ: پھر وہ لوگ جنہوں نے برائی کی ان کا بہت برا انجام ہوا کیونکہ وہ اللہ کی آیات کو جھٹلاتے تھے اور ان سے تمسخر کیا کرتے تھے۔

ہر طرح کا عذاب : ان مخالفین پر قسم ہا قسم کے عذاب آئے ان کا مجموعی ذکر قرآن کریم میں یوں ہے :

فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ (عنکبوت 41:29)

ترجمہ: پس ان میں ایسا گروہ بھی تھا جن پر ہم کنکر برسانے والا ایک جھکڑ بھیجا اور ان میں ایسا گروہ بھی تھا جس کو ایک ہولناک گرج نے پکڑ لیا اور ان میں ایسا گروہ بھی تھا جسے ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں ایسا بھی ایک گروہ تھا جسے ہم نے غرق کر دیا۔

انذار کے مطابق عذاب کا نشانہ بننا : انبیاء کے مخالفین میں سے جو مقابلہ پر آتے ہیں وہ نبی کی پیش خبری کے مطابق عذابِ الٰہی نشانہ بنتے ہیں۔ ان ہلاک شدگان کو یہ بدانجام پہلے سے بتایا جا چکا ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

تب اُن کے ربّ نے ان کی طرف وحی کی یقیناً ہم ظالموں کو ہلاک کر دیں گے (ابراہیم 14:14)

پس میرا انذار سچا ہو گیا (قٓ 15:50)

پس میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا ؟ (قمر 17:54)

پس (دیکھو) میری سزا کیسی تھی (مومن 6:40)

قرآنِ کریم میں اُن اقوام کے اس بدانجام کا بار بار ذکر ہے جن سے مکہ مدینہ کے باسی واقف تھے۔

حضرت مسیح موعود کے مخالفین کی عذابِ الٰہی سے ہلاکت :

آپ نے اپنے مخالفین پر عذابِ الٰہی نازل ہونے کی خبر کا قرآنِ کریم سے استنباط کرتے ہوئے فرمایا:

'پھر دوسری آیت میں فرمایا:

وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا (کہف 18:

101) اور اس دن جو لوگ مسیح موعود کی دعوت کو قبول نہیں کریں گے ان کے سامنے ہم جہنم کو پیش کریں گے۔یعنی طرح طرح کے عذاب نازل کریں گے جو جہنم کا نمونہ ہوں گے۔ اور پھر فرمایا الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا○ (الکہف 102:18)۔ یعنی وہ ایسے لوگ ہوں گے کہ مسیح موعود کی دعوت اور تبلیغ سے ان کی آنکھیں پردہ میں رہیں گی اور وہ اس کی باتوں کو سن بھی نہیں سکیں گے اور سخت بیزار ہوں گے اس لئے عذاب نازل ہوگا'۔

(چشمۂ معرفت روحانی خزائن صفحہ نمبر 23 صفحہ نمبر 84۔85)

آپ کے مخالفین پر بھی عذابِ الٰہی کئی طرح سے نازل ہوا۔ جیسے طاعون، امن کا اٹھ جانا اور نکبت کی مار، عظیم جنگیں، زلزلے اور سیلاب ۔ان کا کسی قدر ذکر درج ذیل ہے:

عذابِ طاعون کا شکار ہونا : آپ کو بھی اللہ تعالیٰ نے عذابِ طاعون کی خبر دی۔اس انذار کے مطابق 1896ء میں ہندوستان میں طاعون کی وباء شروع ہوئی اور 1899ء تک چھوٹے بڑے شہروں اور دیہی آبادیوں میں بھی پھیل گئی۔بمبئی، پنجاب اور یوپی کے صوبے بہت متاثر ہوئے۔ اگلے 30 سالوں میں اس وباء سے مرنے والوں کی تعداد ایک کروڑ 29 لاکھ ہوگئی۔

اس عذاب کے ہاتھوں آپ کے مخالف بھی بڑی تعداد میں کھیت ہوئے۔جس کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

'طاعون کا عذاب ان پر آگ کی طرح برسا اور کئی ہزار دشمن جو میری تکذیب کرتا اور بدی سے نام لیتا تھا، ہلاک ہوگیا۔لیکن اس جگہ ہم نمونہ کے طور پر چند سخت مخالفوں کا ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلے مولوی رُسل بابا۔۔۔جس نے میرے ردّ میں کتاب لکھی اور بہت سخت زبانی دکھائی۔۔۔ بالآخر خدا کے وعدہ کے موافق طاعون سے ہلاک ہوا پھر بعد اس کے ایک شخص محمد بخش نام جو ڈپٹی انسپکٹر بٹالہ تھا عداوت اور ایذا پر کمربستہ ہوا وہ بھی طاعون سے ہلاک ہوا پھر بعد اس کے ایک شخص چراغ دین نام۔۔۔جس نے میرا نام دجال رکھا اور کہتا تھا کہ حضرت نے مجھے خواب میں عصا دیا ہے تا مَیں عیسیٰ کے عصا سے اس دجال کو ہلاک کردوں۔۔۔ 4 اپریل 1906ء کو مع اپنے دونوں بیٹوں کے طاعون سے ہلاک ہوگیا۔۔۔اور ان کے سوا اور بھی کئی لوگ ہیں جو ایذا اور اہانت میں حد سے بڑھ گئے تھے اور خدا تعالیٰ کے قہر سے نہیں ڈرتے تھے اور دن رات ہنسی اور ٹھٹھا اور گالیاں دینا ان کا کام تھا آخر طاعون کا شکار ہوگئے'۔

(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ نمبر 236۔237)

بدامنی اور نکبت کا ایک مسلسل عذاب: یہ وہ عذاب ہے جو اس ملک پر نازل ہوا اور مسلسل ہو رہا ہے جس کے حکمرانوں نے حضرت مسیح موعود کی زندگی میں آپ کے دو ساتھیوں حضرت مولوی عبد اللطیف صاحب اور ان کے شاگرد حضرت مولوی عبد الرحمٰن صاحب کی ظلم و بربریت سے صرف اس لئے جان لے لی کہ وہ آپ پر ایمان لے آئے تھے۔اور جس کے عوام نے خاموش رہ کر اس ظلم کی تائید کی۔درج ذیل پہلوؤں سے ہمہ جہت اس عذاب کی اور کوئی نظیر نہیں۔

حکمرانوں پر عذاب: امیر عبد الرحمن خان اس وقت افغانستان کا حکمران تھا۔یہ مارچ یا اپریل 1896ء میں حضرت مسیح موعود کے اس کے نام لکھے اور دستی بھجوائے گئے ایک فارسی تبلیغی خط سے اعراض کا مظاہرہ اور ایک مخالف کے بیان کے مطابق ٹھٹھا بھی کر چکا تھا۔وسط 1900ء میں حضرت مولوی عبد الرحمٰن صاحب کے حبس دم سے شہید کرنے کا ذمہ دار ہو کر اللہ کی گرفت میں آیا اور اگلے سال 10 ستمبر 1901ء کو اس پر فالج گرا اور یہ بستر سے جالگا۔پھر بار بار حملے ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے 3 اکتوبر 1901ء کو اپنے انجام کو پہنچا۔اس بیماری کا ایک عبرت انگیز پہلو اس کے بارے میں ایک انگریزی کتاب میں یہ بیان ہوا ہے:

'His feet were dead a few days before, and the stench from them was such that no one could stop long in the same room with him.' (The Absolute Ameer by F. Martin Page 125)

ترجمہ: اس کی ٹانگیں چند دن پہلے مر چکی تھیں۔جس کی وجہ سے اس سے ایک خوفناک بدبو آتی تھی۔ یہ بدبو اتنی شدید تھی کہ کوئی اور اس کے کمرہ میں زیادہ دیر رک نہیں سکتا تھا۔ (انگریزی تحریر اور ترجمہ بحوالہ درسِ

عبرت از بشیر احمد رفیق۔ رقیم پریس۔ انگلستان۔ 1997ء)

حبیب اللہ خان اس کا بیٹا تھا جو اگلا بادشاہ ہوا۔ یہ حضرت صاحبزادہ عبدالطیف صاحب کی 14 جولائی 1903ء کو سنگساری کے ذریعہ شہادت کا ذمہ دار تھا۔اسے 1919ء میں تمام حفاظتی انتظامات کے باوجود قتل کر دیا گیا اور قاتل کا کوئی پتہ نہ مل سکا۔اس کا بھائی نصراللہ خاں اس ظلم میں اس کا دست راست تھا۔اور بعد میں حضرت صاحبزادہ صاحب کے خاندان کے افراد کی گرفتاری اور ترکستان جلاوطنی کا ذمہ دار بھی۔ یہ فوری طور پر عذاب کا نشانہ بنا اور اس کی بیوی اور جوان بیٹا اس وبائی ہیضہ کے ہاتھوں لقمۂ اجل ہوئے جو حضرت صاحبزادہ صاحب کی شہادت کے اگلے دن کابل میں پھوٹا۔ یہ خود بھی اس انجام سے خوف میں مبتلا رہا لیکن کچھ مہلت پا کر اپنے بھتیجے امان اللہ خان کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچا۔جس کے حکم پر اس کی ساری جائداد ضبط کر کے اسے زندان کے حوالے کیا گیا۔ نامعلوم مدت تک قیدِ تنہائی کاٹ کر حبس دم کر کے مارا گیا اور بے نشان دفن کیا گیا۔

امان اللہ خان اپنے باپ حبیب اللہ خان کے قتل کے بعد اس کا جانشین ہوا۔اپنے باپ دادا کی طرح اس نے بھی بے گناہ احمدیوں کے خون سے ہاتھ رنگے۔اور اگست 1924ء میں مولوی نعمت اللہ صاحب اور فروری 1925ء میں قاری نور علی صاحب اور مولوی عبدالحلیم صاحب کو سنگسار کر کے شہید کرایا۔اللہ کی گرفت آنے پر ملک میں اس کے خلاف بغاوت پھوٹ پڑی اور ایک ادنیٰ شخص بچہ سقہ حکومت پر قابض ہو گیا۔جبکہ بادشاہ کو جنوری 1929ء میں تاج وتخت سے محروم ہو کر بے سروسامانی اور رات کی تاریکی میں ہمیشہ کے لئے ملک چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔اور باقی زندگی جلاوطنی میں ہی گزری۔

بعد میں نادر شاہ بادشاہ ہوا لیکن چار سال بعد وہ بھی قتل کر دیا گیا۔اگلا بادشاہ ظاہر شاہ جلاوطن کیا گیا اور 1973ء میں بادشاہت ہی کا خاتمہ ہو گیا۔

ملک پر عذاب: حضرت مسیح موعود کی حضرت شہزادہ عبداللطیف شہید صاحب کی کابل میں سنگساری کے بعد 1903ء میں بیان فرمودہ اس وعید کے عین مطابق کہ:

’اے کابل کی زمین تو گواہ رہ کہ تیرے پر سخت جرم کا ارتکاب کیا گیا۔

اے بدقسمت زمین تو خدا کی نظر سے گرگئی کہ تو اس ظلمِ عظیم کی جگہ ہے‘۔

(تذکرۃ الشہادتین روحانی خزائن جلد 20 صفحہ نمبر 74)

یہ ملک افغانستان اس وقت سے ہی بدامنی،خوف و ہراس، جہالت اور بھوک وافلاس کا گھر ہے۔ پے در پے ملکی حکمرانوں کے قتل، خانہ جنگی، لوٹ مار کے بعد یہ ملک غیر ملکی طاقتوں کا اکھاڑا بن گیا۔دسمبر 1979ء میں غیر متوقع طور پر سوویت فوجیں ملک میں در آئیں اور اگلے دس سال پس پردہ حکومت کرتی رہیں۔ خانہ جنگی کے بعد ستمبر 1996ء میں افغانستان پر طالبان قابض ہو گئے۔اور ملک مزید تاریکی میں ڈوب گیا۔ اکتوبر 2001ء میں سات سمندر پار واقع امریکہ نے فوجی مداخلت کر دی اور اس کے اتحادیوں نے امریکی مدد سے طالبان حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ یہ غیر ملکی فوجیں تا حال یہاں موجود ہیں۔اور ملک بدستور ایک ردّ شدہ سرزمین ہے۔

افغان عوام پر عذاب: حضرت سید عبدالطیف صاحب کی شہادت کے دوسرے دن 15 جولائی 1903ء کو کابل میں ہیضہ کی وبا پھوٹ پڑی اور ہر طرف موتا موتی لگ گئی۔ روزانہ سینکڑوں لوگ موت کا شکار ہوئے۔ یہ صرف آغاز تھا۔ بعد کے بدامنی اور فساد کے سارے عرصہ میں افغان عوام مصائب اور کا شکار رہے۔ بچہ سقہ کے دور میں ہزارہا لوگ مارے گئے اور لوٹ مار کا نشانہ بنے۔ سوویت افغان جنگ کے دوران تقریباً 2 ملین افغان ہلاک ہوئے۔اور 6 ملین بے گھر ہو کر پاکستان اور ایران میں پناہ گزین ہوئے۔ ملک کے اندر شہروں اور قصبوں کی بے حساب تباہی ہوئی۔ طالبان کے حکومت پر قبضہ کی کوششوں کے دوران مزید 5 لاکھ کابلی جان بچانے کے لئے پاکستان فرار ہوئے۔ ہلاکتوں کا یہ حال تھا کہ صرف 1990ء تا ستمبر 2001ء چار لاکھ افغانی مارے گئے۔ مرے کو مارے کے مصداق، افغانیوں کو پانچ سال تک طالبان حکومت بھی برداشت کرنی پڑی جسے وقائع نگار ظلم و بربریت میں روس

میں اسٹالن اور کمبوڈیا میں Khmer Rouge کی حکومت جیسا قرار دیتے ہیں۔

آج بھی حالات ویسے ہی ہیں۔ ملک پرویرانی کے سائے ہیں۔ لوگ ضروریاتِ زندگی سے محروم ہیں۔ نقل مکانی کرنے والوں میں سے بیشتر پڑوسی ملکوں میں کس مپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں جہاں افغان نوجوانوں کا سائیکل پر کچرا جمع کرنا ایک عام نظارا ہے۔ کچھ عرصے پیشتر یہ خبر اخباروں میں چھپی ہے کہ

'The United States wasted billions of dollars to stabilise fragile parts of Afghanistan from 2001-2017 (Reports of Special Inspector for Afghanistan Reconstruction, The News, Karachi, May 26, 2018)

ترجمہ: افغانستان کے شکستہ علاقوں کے استحکام کی کوشش میں امریکہ کا 2001ء سے 2017ء کے دوران اربوں ڈالر کا خرچ بے نتیجہ رہا ہے۔

Amensty International کی افغانستان کے بارے میں 2017ء کی رپورٹ کے مطابق 2002ء سے 2017ء کے درمیان 5.8 ملین سے زیادہ افغان مہاجرین واپس آئے۔ جبکہ 2017ء میں تقریباً 2.6 ملین افغان مہاجر دنیا کے 70 ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جن میں سے تقریباً 95 فیصد ایران اور پاکستان میں ہیں۔

آج بھی افغانستان دنیا کے غریب ترین ممالک میں سے ایک ہے۔ حکومتِ افغانستان اور ورلڈ بینک کی مشترکہ کوشش سے 8 مئی 2017ء کو Poverty Status Update Report کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔ جس کے مطابق 2013/14 میں ملک کی 39 فیصد آبادی اپنی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے نا قابل تھی۔ یہ تعداد گزشتہ دو سال میں 3 فیصد بڑھی ہے۔ واضح رہے کہ Poverty Line سے نیچے اس تعداد کے علاوہ تقریباً 30 فیصد آبادی اس لائن کے بالکل قریب اس سے اوپر ہے اور ان کی حالت بھی کوئی اچھی نہیں۔

دو دہائیوں پہلے 2001ء کی UNDP کے مطابق بھی تقریباً یہی صورتحال تھی۔ 70 فیصد آبادی کو پیٹ بھر کے روٹی نصیب نہ تھی۔ رپورٹ کے الفاظ ہیں:

'In most aspects, Afghanistan is worse off than almost any country in the word.'

ترجمہ: اکثر لحاظ سے افغانستان دنیا کے کسی بھی اور ملک سے بدتر حالت میں ہے۔

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ مکافاتِ عمل کی چکی میں پسے اس ملک میں یہ سلسلہ ابھی اور کتنا چلنا ہے اور کب اسے قبولیت حق اور اس کے نتیجہ میں اس وعید سے چھٹکارا نصیب ہوگا۔

مزید عذاب: عذاب کا سلسلہ حضرت مسیح موعود کے بعد بھی جاری رہا۔ عالمی جنگوں، زلزلوں اور سیلابوں کی شکل میں مختلف ملکوں اور علاقوں میں آپ کی دعوت سے لا پرواہ رہنے والوں اور آپ کی مخالفت کرنے والوں پر یہ عذاب اُترا اور اُتر رہا ہے۔ جنگِ عظیم اول اور دوم کے نتیجہ میں ہونے والی انتہائی تباہیوں کے بارے میں لکھا ہے:

پہلی جنگِ عظیم:

The war was virtually unprecented in the slaughter, carnage and destruction it caused. Total soldiers killed and died, 8,528,831 wounded, 21,189,154 prisoners & missing 7,750,919. Total affected 37.468 millions. Total mobilized forces 65,038,810 it has been estimated that he number of civilian deaths attributable to the the war was higher than the military casualties of around 13,000,000. (www.britinnica.com/even/world-war1)

ترجمہ: انسانی جانوں کے قتل اور تباہی کے اعتبار سے درحقیقت اس جنگ کی کوئی اور مثال نہیں۔ جنگ کے انسانی متاثرین کی کل تعداد 37.468 ملین تھی۔ اس میں سپاہی مقتولین کی تعداد 8.529 ملین، زخمیوں کی 21.189 ملین اور گمشدگان اور قیدیوں کی 7.751 ملین۔ جنگ میں جھونکے

جانے والے کل فوجیوں کی تعداد 65 ملین سے زیادہ تھی۔ جنگ کے نتیجہ میں شہری اموات تقریباً 13 ملین مرنے والے فوجیوں سے بھی زیادہ تھیں۔

دوسری جنگِ عظیم :

Deadliest conflict in human History.It was the worst global war in history. It directly involved more than 100 million people from 30 countries. (Wikipedia World War II)

ترجمہ: انسانی تاریخ کا سب سے زیادہ خونی جھگڑا۔ یہ تاریخ کی بد ترین جنگ تھی جس میں 30 ملکوں کے 100 ملین سے زائد لوگ متاثر ہوئے۔

ویب سائٹ second-world-war.co.uk کے مطابق 60 ملین سے زیادہ لوگ جنگ میں کام آئے جن میں سے دو تہائی یعنی 40 ملین سے زیادہ شہری آبادی تھی ۔ پاکستان میں 2005 ء کا زلزلہ اور 2010 ء کا قیامت خیز سیلاب بھی اسی سلسلہ کی کڑیاں تھیں۔

2005 کا زلزلہ: 7 اکتوبر 2005 کو مونگ، منڈی بہاء الدین میں ظلم و بربریت سے حملہ آور ہو کر آٹھ بے گناہ احمدیوں کے شہید کئے جانے کے اگلے دن 8 اکتوبر کو پاکستان کے شمالی علاقہ میں ایک تباہ کن زلزلہ آیا۔ جس سے پہنچنے والے نقصانات کے کی بارے میں لکھا گیا:

'It is considered the deadliest earthquake to hit South Asia. Official death toll stood at 87,350 Approximately 138,000 were injured and over 3.5 million rendered homeless.. The earthquake affected more than 500,000 families. In addition, approximately 250,000 farm animals died. (Wikipedia: 2005 Kashmir earthquake)

ترجمہ: یہ مغربی ایشیا کا سب سے تباہ کن زلزلہ شمار ہوتا ہے۔ سرکاری طور پر اس میں 87،350 لوگ مارے گئے۔ تقریباً 138،000 زخمی ہوئے جبکہ پینتیس لاکھ افراد بے گھر ہوئے۔ زلزلے نے پانچ لاکھ خاندانوں کو متاثر کیا۔ اس کے علاوہ کم وبیش دو لاکھ پچاس ہزار جانور ہلاک ہوئے۔

2010 کا سیلاب: 28 مئی 2010 ء کو لاہور میں بے گناہ احمدیوں کی ظلم سے اجتماعی خوں ریزی پر ابھی دو ماہ نہ گزرے تھے کہ پورا ملک ایک ایسے طوفان کی زد میں آ گیا جس کی کوئی مثال پہلے نہیں ملتی۔ اس سیلاب کی تباہ کاریوں کو 2004 ء کے سونامی، 2005 ء کے کشمیر کے زلزلے اور 2010 ء کے ہیٹی کے زلزلے سے ہونے والے مجموعی نقصان سے زائد شمار کیا گیا۔ 26 جولائی کو پشاور میں 24 گھنٹوں میں 7.10 انچ ریکارڈ بارش سے اس طوفانی سلسلے کا آغاز ہوا اور پھر آہستہ آہستہ پورا ملک اس کی لپیٹ میں آ گیا اور اس پانی کے سمندر میں جا گرنے تک کے دو مہینوں سے زائد لوگ اس آفت کا شکار رہے۔ اس عرصہ میں سیلابی ریلوں کا سلسلہ یوں جاری رہا گویا آسمان پھٹ پڑا ہے اور زمین کے سوتے بھی۔ بھرے پرے شہروں کو 18 فٹ اونچے پانی کے ریلے گویا بہا کر لے گئے اور آباد گھر کیچڑ اور گارے کے ملبے میں بدل گئے۔ ہزار ہا دیہات اور بیسیوں قصبوں کے ساتھ نوشہرہ، مظفر گڑھ، دادو اور ٹھٹھ جیسے پرانے اور بڑے شہر اس سیلاب کی زد میں آئے اور خالی کرانے پڑے۔ ایک وقت میں اس سیلاب کا پھیلاؤ اتنا ہو گیا کہ پاکستان کے کل رقبہ کا پانچواں حصہ زیر آب آ گیا۔

سیلاب سے نقصان: UNO کے ایک جائزہ کے مطابق اس سیلاب سے تقریباً دو ہزار افراد اپنی جان سے گئے اور 2 کروڑ دس لاکھ افراد متاثر اور بے گھر ہوئے۔ 17 ملین ایکڑ زرعی زمین زیر آب آ گئی اور کھڑی فصلیں ضائع ہو گئیں۔ صرف کپاس کی 20 لاکھ گانٹھیں تباہ ہوئیں۔ ورلڈ فوڈ پروگرام (WPF) کی 23 ستمبر تک کی جائزہ رپورٹ کے مطابق 7 لاکھ رہائشی گھر مکمل طور پر تباہ ہوئے جبکہ 4 لاکھ نا قابل رہائش ہو گئے۔ 17,600 اسکول اور 436 علاج کی سہولتیں تباہ ہوئیں۔ 2434 میل ہائی وے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئی اور 12 لاکھ سے زائد جانور ہلاک ہوئے۔ ایشین ڈویلپمنٹ بینک (ADB) کے جائزہ کے مطابق جانوروں، فصلوں، انفراسٹرکچر کے نقصانات کا محتاط اندازہ 69 بلین ڈالر ہے جبکہ معشیت پر اس کے مجموعی اثرات 43 بلین ڈالر کے بقدر رہے۔

عذاب الٰہی : بارشوں اور سیلاب کے اس سلسلہ اور ان کے نتیجہ میں ہونے والی تباہیوں کو میڈیا میں تاریخ کا بدترین سیلاب، ملک کی تاریخ کی سب سے بڑی آفت، موجودہ صدی کا سب سے تباہ کن سیلاب، قیامت صغریٰ، طوفان نوح اور عذاب الٰہی کہا گیا۔ دو کروڑ سے زائد پاکستانی جو اس آفت سے براہ راست متاثر ہوئے جن کی آبادیاں ان کی نگاہوں کے سامنے خس وخاشاک کی طرح بہہ گئیں جو اپنے تمام اثاثوں سے یکدم محروم ہوگئے۔ جن کے مال مویشی بھی اپنی جان سے گئے۔ جو صرف اپنی جان بچا کر کسی اونچی سطح پر تاحدنگاہ پانی کے درمیان محصور رہے اور جن کی زندگی کی ڈور کئی کئی دن اس امدادی سامان سے بندھی رہی جو ہیلی کاپٹروں کے ذریعہ انہیں پہنچایا گیا، جو بے گھر ہو کر عورتوں اور بچوں کے ہمراہ کس مپرسی کے عالم میں دور دراز واقع کیمپوں میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ جن میں سے بہتوں کی ایسی تصویریں آئے دن میڈیا پر دکھائی گئیں جن میں وہ چہروں پر بھوک سجائے حسرت و بے بسی کی تصویر بنے خالی برتن اٹھائے امدادی خوراک کی راہ تک رہے تھے یا ملنے والی ناکافی امداد کے پیچھے باہم دست وگریباں تھے۔ یہ سب اس بارے میں کوئی شک نہیں کر سکتے کہ یہ سیلاب جس کی گزشتہ 90 سال میں کوئی نظیر نہیں ملتی اور جو حیرت انگیز طور پر پہاڑوں پر بھی آیا اور جس میں بہنے والا پانی اس بارش سے زائد شمار ہوا جو محکمہ موسمیات کے ریکارڈ میں آسمان سے برسا صرف اور صرف عذاب الٰہی تھا۔

خلاصۂ مضمون :

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور احمدیوں کے مخالفین کے حالات کا، انبیاء اور مومنین کے مخالفین کے ان حالات کے مطابق ہونا جو قرآنِ کریم میں بیان ہوئے ہیں۔

بجائے خود حضرت مسیح موعود کی صداقت کی ایک حیرت انگیز اور ناقابلِ تردید دلیل ہے کہ

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز　کبوتر با کبوتر باز با باز

یہ دلیل الفاظ و معنی کے مباحث سے بالا ہونے کے سبب معمولی سمجھ بوجھ والے بے علموں کے لئے بھی سچائی کی شناخت کے لئے کافی ہے۔ ہاں صاف دِل ہونا شرط ہے۔ ’احتسابِ قادیانیت‘ کے نام سے فخر اور غرور کے ساتھ 60 جلدوں میں جمع کئے جانے والے پچھلے سوا سو سال میں جماعت کی مخالفت میں لکھے گئے سارے دفتر کے دفتر اس لمحہ بے معنی اور بے حقیقت ہو جاتے ہیں جب ان لکھنے والوں کے حالات قرآنِ کریم میں مذکور ان لوگوں کے حالات کے مطابق ظاہر ہوتے ہیں جو پہلے انبیاء اور مومنوں کے مخالف رہ کر اللہ کی بارگاہ میں ردّ ہو چکے ہیں۔

زبان و بیان کی مہارت اور شعبدہ بازی، ظاہر اعلمیت کے زعم کے ساتھ تحریروں کی اکھاڑ پچھاڑ، خود ساختہ معیاروں کے ساتھ آزمائش اور دنیوی اسباب، حکومت، پارلیمنٹ اور عدلیہ کی طاقت کے زور پر دھاندلی، ہٹ دھرمی اور جھوٹ کے بل پر سفید کو سیاہ، حق کو ناحق اور سچ کو جھوٹ قرار دینے کی سب کوششیں اس وقت نقش بر آب ثابت ہوتی ہیں۔ جب ان کوششوں میں مصروف اور انہی کو روزگار کرنے والوں کے حالات اور ان سے اللہ کا سلوک ان لوگوں کے ہم رنگ ثابت ہوتے ہیں جن کے لئے قرآن کریم نے سخت مذمتی لفظ استعمال کئے ہیں اور جنہیں اصحابُ النّار گنا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے آخری عرصہ کی کتب میں اپنے مخالفین کا نام لے لے کر ان کے ناکام و نامراد رہنے اور عدم ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ کل تاریخ لکھنے والا آج کے ان مخالفین کے بارے میں یہی انداز اپنائے گا۔

حقیقت یہی ہے کہ راستہ کی دھول کتنی ہی زیادہ اور پھیلی ہوئی کیوں نہ ہو اس کا نصیب انجام کار خاک بسر ہونا اور مایوسی، ناکامی اور نامرادی کے ساتھ قافلہ کو بخیر و عافیت اپنی منزل کی طرف رواں دواں دیکھنا ہوتا ہے۔

ایسا ہی کل ہوا تھا۔ ایسا ہی آج ہو رہا ہے اور انشاء اللہ ایسا ہی کل ہوگا۔

فَاعْتَبِرُوْا يَآُولِي الْاَبْصَارِ (حشر 2:59)

پس اے صاحبِ بصیرت لوگو! عبرت حاصل کرو۔

۞۞۞۞۞۞۞



انجام ضیاء الحق 17۔اگست 1988ء

عبدالسلام اسلامؔ



آہوں کا دُھواں دیکھ ذرا دُورِ بکا دیکھ
شمشیرِ دُعا چلتی باِاِذنِ خدا دیکھ

اُونچی تھی ہوا جسکی گرا منہ کے بل وہ
عبرت کی نگاہوں سے تو انجامِ ضیاء دیکھ

قانونِ ستم خیز کے بدلے میں ستمگر
چکھ نارِ جہنم کو سدا زندہ سزا دیکھ

اس دور میں پھر اُترے ہیں اِعجاز و نشانات
آیات کے آئینے میں تصویرِ خدا دیکھ

لے جا کے بلندی پہ تجھے نیچے گرایا
اے وقت کے فرعون یہ منحوس سزا دیکھ

اسلام کا وہ داعی کا ذِب ہے کہاں اب
اسلام کے اِک داعی صادِق کی دُعا دیکھ

کب بازوئے رُستم کو بھی حاصِل ہے یہ طاقت
ہاں دیکھ ذرا غور سے یہ دَستِ دُعا دیکھ

سُن گوش جہاں سُن تو طاہر کی منادی
اے چشمِ جہاں دیکھ یہ اعجازِ دُعا دیکھ

اُس جابرِ مغضوب کا قاتل نہ ملے گا
در اَرض و سما ڈھونڈھ تا تحت الثریٰ دیکھ

طاہر کی ہے للکار کا لاریب ہدف وہ
چیلنج پہ نظر ڈال ذرا مرگِ ضیاء دیکھ

جُھلساتی ہے اُس کھیت کو کیوں بادِ سموم آج
اس باغ پہ کیوں چھائی ہے رحمت کی گھٹا دیکھ

مہدی کا ادھر ابن اُدھر لیکھوئے ثانی
تکرارِ ستم گاری پہ تکرارِ سزا دیکھ

تقدیر کہاں لائی اُسے ڈال کے گھیرا
پھر کیسے گرا دیکھ وہ پھر کیسے مرا دیکھ

شیطان کا فرزند تھا وہ بُوم کا سایہ
سایہ ء خلافت میں سایہ ہما دیکھ

ظالم کو دبوچا ہے یوں ظلماتِ اَجل نے
اندھیر ہی اندھیر ہے یہ مرگِ ضیاء دیکھ

چکرا کے گرا پیٹ میں دوزخ کے تو آخر
اے صیدِ اجل خوب بنا کس کی رضا دیکھ

وَن تھرٹی (C ۱۳۰) کا حق پوش کہاں بچ کے نکلتا
آطاہرِ حق پاش کی تاثیرِ دُعا دیکھ

چیلنج کے مطابق ہے ادھر بام، اُدھر قعر
انصاف کی نظروں سے سزا دیکھ جزا دیکھ

دہقاں ہے وہی کاٹتا بوتا ہے جو پہلے
ہاں دیکھ پڑا تجھ پر تیرا ظلم و جفا دیکھ

اِسلامؔ میرے دل میں سدا گونجی آذانیں
قدغن ہے کھڑی ششدرو مبہوت ذرا دیکھ

مولوی کرم دین سکنہ بھیںؔ سے ایک ملاقات

چودھری عبدالرحمٰن شاکر



1۔مولوی کرم دین صاحب سلسلہ احمدیہ کے مشہور مخالف موضع بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم کے ایک معزز علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔مزروعہ زمین بھی کافی تھی۔علمی لحاظ سے بھی اپنے علاقہ میں ممتاز تھے۔اور علاقہ بھر میں ان کی خوب مانتا تھی۔کوئی معمولی یا غیر معروف آدمی نہ تھے۔

2۔ یہ وہی صاحب ہیں جن کو سیشن جج امرتسر مسٹر اے۔ای ہیری (A.E.Herry) نے کہا تھا کہ ’’اب جبکہ آپ کا جھوٹ بالکل ظاہر ہو گیا ہے اور آپ کو مرزا صاحب نے کذّاب لکھا ہے تو کیا حرج ہوا؟‘‘

مولوی صاحب نے جواب دیا کہ جناب یہ جھوٹ نہیں ہوتا اس کو پالیسی کہتے ہیں۔اس قسم کا جھوٹ تو مسیح ناصری نے بھی بولا ہے اور پولوس نے بھی بولا ہے۔

جج نے کہا کہ!

’’میں آپ سے یہ نہیں پوچھتا کہ کس کس نے جھوٹ بولا۔میں یہ کہتا ہوں کہ آپ نے جھوٹ بولا تھا کہ نہیں؟‘‘

مولوی صاحب نے کہا کہ جناب زیادہ سے زیادہ وہ مجھے کاذب کہہ سکتے تھے مگر مجھے کذّاب (بہت بڑا جھوٹا) کہا گیا ہے۔

تو سیشن جج نے کہا کہ!’’اچھا آپ کے خیال میں چھوٹے اُلّو اور بڑے اُلّو میں کیا فرق ہوتا ہے؟‘‘

اس پر مولوی صاحب نادم ہو کر چپ ہو گئے اور جج نے ان کا جرمانہ 50روپے قائم رکھا تھا۔

دیکھو وہ بھیں کا شخص کرم دین ہے جس کا نام
لڑنے میں جس نے نیند بھی اپنے پہ کی حرام
جس کی مددکے واسطے لوگوں میں جوش تھا
جس کا ہر ایک دشمن حق عیب پوش تھا
جس کا رفیق ہو گیا ہر ظالم و غوی
جس کی مدد کے واسطے آئے تھے مولوی
ان میں سے ایسے تھے کہ جو بڑھ بڑھ کے آتے تھے
اپنا بیاں لکھانے میں کرتب دکھاتے تھے
ہشیاری مستغیث بھی اپنی دکھاتا تھا
سو سو خلافِ واقعہ باتیں بناتا تھا
پر اپنے بدعمل کی سزا وہ پا گیا
ساتھ اسکے یہ کہ نام بھی کاذب رکھا گیا
کذّاب نام اس کا دفاتر میں رہ گیا
چالاکیوں کا فخر جو رکھتا تھا بہہ گیا

(درثمین اردو)

3۔1934ء۔1935ء میں عالی جناب ملک صاحب خاں نون صاحب احمدی چکوال میں ایس۔ڈی۔او تھے۔اور راقم الحروف ملک صاحب کا سٹینو گرافر تھا۔دورہ کرتے ہوئے ایک دن ہمارا مقام ڈوہمن میں تھا جو جہلم چکوال روڈ پر ایک مشہور تھانہ ہے۔وہاں سے ہم نے اگلے دن موضع بھیں میں جانا تھا۔

مجھے بڑا ہی شوق تھا کہ وہاں پر مولوی کرم دین سلسلہ احمدیہ کے مشہور معاند کو دیکھوں گا۔17فروری 1935 کا دن تھا۔12 بجے دوپہر کو جب عدالتی کام ختم ہو گیا تو میں نے جناب ملک صاحب موصوف سے اجازت چاہی کہ ابھی بھیں چلا جاؤں۔وہ فرمانے لگے کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ کرم دین تمہارے ساتھ وہاں پر کوئی شرارت نہ کرے۔بہتر یہ ہے کہ تم ابھی نہ جاؤ صبح میرے ساتھ ہی چلنا۔مگر میرے بے حد اصرار پر اجازت مل گئی (میرے ہمراہ برادرم مکرم ملک فتح

محمدؐ صاحب ساکن توچھ ضلع جہلم حال کارکن تحریک جدید ربوہ) بھی تھے۔

4۔ دو بجے دو پہر کے قریب ہم دونو موضع بھیں میں پہنچ گئے ۔ پٹواری کو اپنی آمد سے اطلاع دے کر ہم مولوی صاحب کے مکان پر گئے ۔ مکان بہت اچھا اور نیا ہی تھا۔ دروازہ پر جا کر میں نے دستک دی تو مولوی صاحب نے چوبارہ سے جھانکا اور کہا کہ کون ہے؟ میں نے کہا کہ جناب مولوی صاحب نیچے تشریف لائیے۔ دو مہمان دور سے آئے ہیں۔ مولوی صاحب نیچے آئے اور ہم کو سجی سجائی بیٹھک میں بٹھا دیا۔ میں نے اپنا اور ملک فتح محمدؐ صاحب کا تعارف کرایا اور کہا کہ ہمارے لئے آپ کی شخصیت تاریخی ہے اس لئے آپ کی زیارت کے لئے آئے ہیں۔ مولوی صاحب بڑے خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ میں ذرا آپ کے لئے چائے تیار کرنے کے لئے کہہ آؤں۔ مگر میں نے ان کو روک دیا اور کہا کہ!

''اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہوتا اور آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے ہوتے اور ابوجہل آپ کی دعوت کرتا تو آپ اس وقت کیا کرتے؟ افسوس ہے کہ ان حالات میں ہم آپ کی دعوت نہیں کھا سکتے۔''

اس پر مولوی صاحب خاموش ہو گئے۔ کچھ وقفے کے بعد کہنے لگے کہ آپ کے سلسلہ سے تو میرے تعلقات بہت قدیمی ہیں ۔ جناب مرزا صاحب تو میرے مہربان تھے۔ اس میں کیا حرج ہے؟ کچھ طنز کچھ تعلق کی باتیں کرنے لگے۔ پھر پوچھنے لگے کہ ایس۔ڈی۔او صاحب کب آئیں گے؟ میں نے بتایا کہ کل صبح سویرے آئیں گے۔ اور آپ سے مل کر خوش ہونگے۔ اس پر پھر ایک دفعہ مولوی صاحب پر سکوت طاری ہوا۔

5۔ پھر مولوی صاحب اُٹھے اور ایک الماری سے جو کتب سے بھری ہوئی تھی ایک کتاب نکالی اور لا کر میرے ہاتھ میں تھما دی۔ اس کا نام تھا ''تازیانہ عبرت معروف بہ متنبی ءقادیاں قانونی شکنجہ میں''۔ میں نے اس کی یونہی ورق گردانی کر کے کوٹ کی جیب میں ڈال لی۔ مولوی صاحب مجھے کہنے لگے کہ اس کی قیمت ڈیڑھ روپیہ ہے۔ میں نے فوراً جواب دیا کہ جناب عالی مہمانوں سے کون قیمت لیا کرتا ہے؟ میں قیمت ادا نہیں کروں گا۔

6۔ کچھ اور متفرق باتیں بھی ہوئیں جواب 24 برس گزر جانے پر یاد نہیں اور ہم رخصت لے کر چلے آئے۔

7۔ پٹوار خانے میں آ کر ہم لیٹ گئے۔ کھانے میں ابھی دیر تھی۔ گاؤں کا میراثی پکار رہا تھا۔ چند اور آدمی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ملک صاحب کی عدالت کا ایک اردلی جس کا نام فیروز خان تھا وہ بھی ہمارے بعد آ گیا تھا۔ میں نے سردی کی وجہ سے اپنا کمبل اوڑھا ہوا تھا۔ میں نے میراثی سے پوچھا کہ بھئی تمہارے گاؤں میں جو مشہور مولوی کرم دین صاحب ہیں ان کی تو کچھ باتیں سناؤ۔ سنا ہے کہ وہ بہت بزرگ آدمی ہیں ۔ وہ میراثی زیرِلب ہنسا اور کہنے لگا کہ واہ کیا کہنے ہیں ہمارے مولوی صاحب کے۔ مولوی صاحب کے متعلق یہ دو شعر آپ یاد رکھیں!

مولوی کرم دین بھیاں دا

نہ پتراں دا نہ دھیاں دا

نہ سُنیاں دا نہ شیّعاں دا

صرف روپے ویہاں ۲۰ دا

اور ایک اور شخص جو وہیں بیٹھا تھا کہنے لگا کہ جناب ہمارے مولوی صاحب صرف جھوٹ بول لیا کرتے ہیں، نکاح پر نکاح پڑھ دیا کرتے ہیں ۔......باقی رہی بزرگی تو وہ تو ان کے گھر کی لونڈی ہے۔(۱) حاشیہ

اس کے بعد وہ لوگ آپس میں کچھ لوکل واقعات بیان کر کے ہنستے رہے جن میں مولوی کرم دین صاحب کی ذات ہی ہدف تھی ، میں کچھ سمجھ نہ سکا۔ (۲ حاشیہ)

8۔ یہ کتاب جیسا کہ آگے چل کر عرض کروں گا سلسلہ کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی۔

9۔ اسی وقت پٹواری نے ملک صاحب سے عرض کیا کہ مولوی کرم دین صاحب آج تڑکے ہی گھوڑی پر سوار ہو کر چکوال کو چلے گئے ہیں۔

حاشیہ(۱) میں عبدالرحمٰن شاکرؔ خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر عرض کرتا ہوں کہ میراثی اور دوسرے شخص کے الفاظ بالکل یہی تھے۔ میں نے اپنے پاس سے اس میں کچھ نہیں ملایا۔ یہ بالکل سچ ہے۔ جھوٹے پر خدا کی لعنت ہو۔

حاشیہ(۲)18 فروری 1935 کی صبح کو جب ملک صاحب تشریف لائے تو ہنستے ہوئے مجھ سے فرمانے لگے کہ سناؤ زیارت ہوگئی؟ میں نے تمام حال عرض کیا اور کتاب بھی دکھائی۔ جس کا نام پڑھتے ہی ملک صاحب نے مجھے

واپس کردی اور خاموش ہو گئے۔

10۔اس کے بعد ایک دن احاطہ عدالت میں مولوی کرم دین کو میں نے پہچان لیا اور گلہ کیا کہ اس دن آپ چکوال کو چلے آئے حالانکہ ملک صاحب بھی آپ کی زیارت کے خواہش مند تھے۔مولوی صاحب کہنے لگے واہ جی واہ! حاکمِ وقت احمدی تھا یونہی دل میں آجاتا اور مجھے قید کر سکتا تھا یا تا برخاستِ عدالت ہی بیٹھا چھوڑتا! میں پہلے ہی کھسک آیا تھا۔ پھر مجھے کہنے لگے وہ ڈیڑھ 8عہ روپیہ کتاب کی قیمت ادا کرو۔میں نے مذاقاً کہا آؤ ملک صاحب کے سامنے چل کرادا کر دیتا ہوں (اس پر مولوی صاحب بھی ہنسنے لگے اور میں بھی ہنستا رہا۔)

11۔اب اس کتاب نے کیا کام دیا۔اس کی داستان بھی سنیئے!

مئی 1935 میں جناب ملک صاحب بطورِ ڈپٹی کمشنر مظفر گڑھ تبدیل ہو گئے اور بندہ وہاں سے فارغ ہو کر قادیاں آ گیا اور صدر انجمن احمدیہ کی ملازمت میں منسلک ہو گیا۔1936ء میں نظارت تعلیم وتربیت میں کام کرتا تھا میں نے یکم جنوری 1937ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب ناظر تعلیم وتربیت کی خدمت میں ایک سکیم پیش کی کہ چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش پر سو سال گذر چکا ہے لہٰذا حضور علیہ السلام کی صد سالہ جوبلی منائی جائے حضرت میاں صاحب نے فرمایا کہ ابھی تو حضرت اقدسؑ کی پیدائش کی صحیح تاریخ کی بھی تعین نہیں ہوئی۔اس سکیم پر غور کیا جائے گا اور خوشنودی کا اظہار فرمایا کہ تم نے ادھر توجہ دلائی ہے ساتھ ہی مجھے فرمایا کہ حکیم غلام حسن صاحب لائبریرین سے کہہ دوں کہ حضرت اقدسؑ کی پیدائش سے متعلق ضروری حوالے اور کتب وغیرہ پیش کریں۔

12۔آخر کار حضرت میاں صاحبؓ نے حضرت اقدسؑ کی صحیح تاریخ پیدائش متعین کردی جو 13رفروری 1835 ہے۔

13۔صد سالہ جوبلی کی سکیم پر غور ہوا اور وہ ترمیم ہو کر 25 سال خلافت جوبلی میں تبدیل ہوئی۔

14۔میرے تجویز کردہ پروگرام میں ایک تجویز یہ بھی تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تمام مقدمات کی اصل مسل کی نقول یا حضورؑ کے اصل بیان بطور ریکارڈ محفوظ کر لئے جائیں۔چنانچہ حضرت صاحبزادہ صاحب نے یہ اہم کام مکرم محترم قریشی ضیاء الدین احمد صاحب ایڈووکیٹ کے سپرد کیا۔جوانہوں نے بڑے احسن طریق پر اور محنت اور محبت سے سرانجام دیا۔مگر مقدمہ انکم ٹیکس کی مسل کہیں سے بھی دستیاب نہ ہو سکی۔کیونکہ عرصہ ہوا وہ محکمہ والوں نے غیر ضروری سمجھ کر تلف کردی ہوئی تھی

15۔جس وقت قریشی صاحب موصوف یہ بات حضرت میاں صاحب کی خدمت میں عرض کر رہے تھے کہ وہ مسل تلف ہو چکی ہے۔میں حضرت میاں صاحب کی خدمت میں دفتر کی ڈاک پیش کر رہا تھا۔میں نے جو یہ سنا کہ انکم ٹیکس والے مقدمہ کی مسل نہیں ملتی تو میں نے عرض کیا کہ وہ مسل مولوی کرم دین نے اپنی ایک کتاب تازیانۂ عبرت میں نقل کی ہوئی ہے۔حضرت میاں صاحب فرمانے لگے۔جاؤ ابھی لاؤ۔کتاب لائی گئی۔دیکھا تو وہی چیز جس کی قریشی صاحب کو اس قدر تلاش تھی بجنسہٖ اس میں موجود تھی اور ہماری گم شدہ کڑی مل گئی۔

16۔قریشی صاحب نے وہ کتاب مجھ سے لے لی تا کہ اصل بیان حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلیفہ اولؓ کا نقل کر سکیں۔کافی عرصہ تک وہ کتاب قریشی صاحب کے پاس ہی رہی جب تقسیم ملکی کے وقت ہم بورڈنگ ہاؤس میں قید تھے تو اس وقت میں نے وہ کتاب ان سے لی جو آج بھی میرے پاس محفوظ ہے۔جو چاہے دیکھ سکتا ہے۔

17۔کچھ عرصہ بعد چکوال میں (غالباً 1938ء۔1941ء میں) مسٹر کے۔سی چوہدری آئی۔سی۔ایس لاہور کے ایک قابل ہندو نوجوان ایس۔ڈی۔او مقرر ہوئے۔ان کی اہلیہ میڈیکل کالج لاہور کے ایک پروفیسر کی بیٹی تھی۔دونوں میاں بیوی سرکاری دورہ پر ڈوہمن گئے۔گرمیوں کے دن تھے رات کو سرکاری ڈاک بنگلہ کے لان میں سوئے ہوئے تھے کہ کسی نے مسٹر چوہدری کو پستول سے ہلاک کر دیا۔تھانہ ڈوہمن چند قدم کے فاصلے پر ہے۔لوگ بھاگے آئے مگر قاتلوں کا کوئی نشان نہ ملا۔ڈوہمن کے ارد گرد تمام Broken Land ہے یعنی زمین کٹی پھٹی ہے۔بڑی آسانی سے انسان وہاں چھپ سکتا ہے۔پولیس نے ہر چند کوشش کی مگر قاتلوں کا سراغ اس وقت نہ ہی لگا۔تقریباً 2

سال کے بعد پولیس نے سراغ نکالا کہ قاتلوں میں سے ایک تو مولوی کرم دین صاحب ساکن بھیں کا بیٹا جس کا نام منظور احمد تھا اور دوسرا عبدالعزیز آف چکوال ہے مگر وہ روپوش ہوکر بنوں سے پرے قبائلی علاقہ میں رہائش پذیر تھے۔ایک دن وہ دونوں اپنے کسی مقصد کے لئے بنوں شہر میں آئے تو پولیس نے ان کو چیلنج کیا۔انہوں نے اپنے آپ کو خطرہ میں دیکھ کر پولیس پر گولی چلادی مگر جوابی فائرنگ سے وہیں بازار میں ہی ڈھیر ہوکر رہ گئے۔ یوں مولوی کرم دین کا گھرانہ تباہ وبرباد ہوا۔

(غالباً) 1944ء میں مولوی کرم دین صاحب حافظ آباد میں مقیم تھے۔آنکھوں کی بینائی تقریباً جاچکی تھی رات کو جو کہیں اُٹھے تو منڈیر سے لڑکھڑا کر نیچے گرے اور زخمی ہوکر بفحوائے آیت کریمہ اِنَّ اِلَیۡنَاۤ اِیَابَہُمۡ ۔ ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا حِسَابَہُمۡ اپنی گستاخیوں اور بداعمالیوں کی جوابدہی کے لئے حاضرِ حضور ہوگئے فاعتبروا یا اولی الابصار۔

(ماہنامہ مصباح اکتوبر 1959ء)

حضرت شہزادہ عبداللطیف شہیدؓ



ڈاکٹر طارق انور باجوہ۔لندن

کہانی ایک شہزادے کی ہے سچی محبت پر
لکھی ہے خود مسیحا نے کتاب اس کی شہادت پر
تھا نام عبداللطیف اس کا، خدا کی رحمتیں اس پر
تھی نازاں اک ریاست خوست کی،اس کی اقامت پر
وہ شہزادہ تھا جس نے بادشہ کی تاجپوشی کی
کہ لاکھوں جان دیتے تھے مرید اس کی ارادت پر
وہ افغانوں میں تھا مشہور علم و معرفت میں یوں
لئے جاتے تھے اس سے مشورے کارِ حکومت پر
وہ تھا مشہور نیکو کار، عابد اور زاہد بھی
کسی کو شک نہیں تھا اس کے معیارِ عبادت پر
چلا تھا گھر سے حج کرنے کی نیّت سے
اگرچہ وہ ملی تھیں جب کتابیں اس کو مہدی کی صداقت پر
نہ پروا کی، چلا آیا وہ ملنے اس مسیحا کو
بقول اُس کے جو اُترا تھا منارے کی عمارت پر
مسیحا سے ملا کر ہاتھ اس نے یہ کہا جُھک کر
فدا ہے جاں، کمر بستہ ہوں میں دل سے اطاعت پر
بتائیں تم کو وہ اِخلاص سے پُر تھا بزرگ اتنا
کہ حیرت سے قلم ہوتا ہے گنگ اس کی شجاعت پر
رہا وہ قادیاں میں کچھ مہینے پھر عقیدت سے
اسے جو تھی میسّر، فخر تھا مہدی کی صحبت پر
دلائل کا وہ پہلے سے ہی قائل تھا وہاں لیکن
یقیں اس کا بڑھا کچھ اور مہدی کی صداقت پر
بلاوہ آگیا کابل سے اس درویش کو جب تو
وہ راضی ہو گیا جانے پہ مہدی کی اجازت پر
اسے معلوم تھا لیکن نہ شاید لوٹ پائے وہ
وہاں اہلِ وطن تیار ہوں شاید شرارت پر
اجازت کے لئے جا کر لکھا افغان سرحد پر
بلایا وہ گیا کابل میں پھر دھوکے سے دعوت پر
گرفتاری ہوئی اس حال میں کابل پہنچ کر جب
کہا اس کو گیا، پکڑے گئے ہو تم بغاوت پر
جو مانا قادیانی اک مسیحا، ہو گئے مرتد
سزا تم کو ملے گی گر نہ باز آئے اطاعت پر
اسے زنجیر پہنائی گئی قیدی رکھا آخر

لگا کر بیڑیاں لائے اسے حُکمِ امارت پر
مسلسل چار مہ اس کو اذیّت دی گئی تا کہ
عقیدہ چھوڑ دے اپنا وہ مہدی کی امامت پر
نہ مانا جب تو ملّاؤں کو بلوایا گیا واں پر
بحث کر کے وہ ہارے جب تو آئے وہ ذلالت پر
سُنیں اس کی نہ باتیں کچھ، دیا تکفیر کا فتویٰ
کیا جائے اسے سنگسار اب حکمِ عدالت پر
کمر تک جب زمیں میں وہ دبایا جا چکا تب بھی
کہا سلطاں نے اس کو اپنی جاں کی تو حفاظت کر
وہ پاس آیا کہا بس اتنا میرے کان میں کہہ دو
نہیں ایمان میرا اس مسیحا کی امامت پر
مگر اس نے کہا میں سچ کی خاطر جان دے دوں گا
نظر آتی ہے مجھ کو اپنی منزل اب تو جنّت پر
خدا کے نام پر جو تم نے کرنا ہے وہ کر گزرو
میں راضی ہوں خدا کے نام پر اپنی شہادت پر
پھر اس پر کی گئی ہاتھوں سے بارش پتھروں کی وہ
کہ حیرت آج بھی ہوتی ہے ان کی اس شقاوت پر
خود اس کی زندگی میں جاں نچھاور کی، ڈرا نہ وہ
شہادت دی، شہادت سے، مسیحا کی صداقت پر
دمِ آخر تلک اس نے دکھائی اس طرح جرأت
فرشتے رشک کرتے ہوں گے اس کی استقامت پر
خدا کے ہاتھ نے دھویا نہ ہو جب تک کسی دل کو
یہ چشمے نور کے پھوٹیں کہاں دل کی لطافت پر
نہ ہو کھویا گیا جب تک خدا کی ہی محبّت میں
بھلا کیسے دکھا سکتا ہے کوئی یہ کرامت پر
”خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را“
جو ہوں اس پر فدا سمجھیں گے ہم خود کو سعادت پر

غزل



ساجد محمود رانا

ملاں نے کی ہے کیسی کرامت گلی گلی
ہوتی ہے اب نبی ﷺ کی حفاظت گلی گلی
کیسے سجے ہوئے ہیں یہ فتوے دکان میں
ہونے لگی ہے دیں کی تجارت گلی گلی
بغض و عناد ، جھوٹ ، زنا ، دھوکہ اور فریب
اور اسکے ساتھ ساتھ ہے رشوت گلی گلی
بکھرے ہوئے ہیں لاشے بھی حدِ نظر تلک
ہوتی ہے ویسے رب کی عبادت گلی گلی
مسجد الگ الگ ہے جنازہ الگ الگ
اپنا خدا ہے اپنی شریعت گلی گلی
مفتی ہیں چار سو کہیں اور غم ہیں بے پناہ
کیسی چمک رہی ہے مہارت گلی گلی
جتنے عظیم تر ہیں یہ اتنے خبیث ہیں
دائم ہے ان کے دم سے یہ لعنت گلی گلی
گدھ اور سگ جہان میں کہلائیں مفتیان
پھیلی انہی کے دم سے ہے وحشت گلی گلی
اس واسطے وطن کا ہے سکھ چین لٹ گیا
بکھری ہے مولوی کی شرافت گلی گلی
معصومیت کہوں یا جہالت کہوں اِسے
آئی ہوئی ہے سب کی جو شامت گلی گلی
کردار کچھ نہیں مرا اوقات کچھ نہیں
کرنی ہے پھر بھی مجھ کو امامت گلی گلی
عادت سی ہو گئی ہے لہو دیکھنے کی اب
اب رسم بن گئی ہے یہ دہشت گلی گلی
لکھنے کو اور سنانے کو اب کچھ نہیں رہا
ساجد کچھ ایسے پھیلی جہالت گلی گلی



خلافت کی اہمیت اور برکات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء کی نظر میں

تلخیص وترتیب: شہزادہ قمرالدین مبشر۔ گلاسگو سکاٹ لینڈ



وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۝　(سورۃ النور:56)

ترجمہ:''اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ایمان لانے والوں اور مناسب حال عمل کرنے والوں سے اللہ نے پختہ وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو زمین میں خلیفہ بنادے گا جس طرح اُن سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنادیا تھا۔اور جو دین اُس نے ان کیلئے پسند کیا ہے وہ اُن کیلئے اُسے مضبوطی سے قائم کردے گا اور اُن کی خوف کی حالت کے بعد ضرور اُنہیں امن کی حالت میں بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور جو اس کے بعد بھی ناشکری کرے تو یہی وہ لوگ ہیں جو نافرمان ہیں۔''

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا كَانَتْ نُبُوَّةٌ قَطُّ اِلَّا تَبِعَتْهَا خِلَافَةٌ (کنز العمال)

ترجمہ:''دُنیا میں کوئی ایسی نبوت نہیں گزری جس کے پیچھے خلافت قائم نہ ہوئی ہو۔''

امام الزمان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دعویٰ کے متعلق فرماتے ہیں:

''میں نبی اور رسول ہوں یعنی باعتبار ظلیت کاملہ وہ آئینہ ہوں جس میں محمدیؐ شکل اور محمدیؐ نبوت کا کامل انعکاس ہے۔'' (نزول المسیح)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خلافت کی ضرورت کے متعلق فرماتے ہیں:

''چونکہ کسی انسان کیلئے دائمی طور پر بقا نہیں لہٰذا خدا تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ رسولوں کے وجود کو جو تمام دنیا کے وجودوں سے اشرف واولیٰ ہیں ظلی طور پر ہمیشہ کیلئے تا قیامت قائم رکھے۔سو اِسی غرض سے خدا تعالیٰ نے خلافت کو تجویز کیا تا دُنیا کبھی اور کسی زمانہ میں برکاتِ رسالت سے محروم نہ رہے۔''

(شہادۃ القرآن صفحہ 58)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خلافتِ احمدیہ کے خدائی وعدہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''سو اے عزیزو! جبکہ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کرکے دکھلاوے۔سو اب ممکن نہیں کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنت کو ترک کردیوے۔اس لئے تم میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی غمگین مت ہو اور تمہارے دل پریشان نہ ہوجائیں کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا اور وہ دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک میں نہ جاؤں لیکن میں جب جاؤں گا تو پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی... میں خدا کی طرف سے ایک قدرت کے رنگ میں ظاہر ہوا اور میں خدا کی ایک مجسم قدرت ہوں اور میرے بعد بعض اور وجود ہوں گے جو دوسری قدرت کا مظہر ہوں گے۔''

(رسالہ الوصیت روحانی خزائن جلد20 صفحہ 305)

-حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے احمدیہ بلڈنگس لاہور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''میں نے تمہیں بارہا کہا ہے اور قرآن مجید سے دکھایا ہے کہ خلیفہ بنانا انسان کا کام نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا کام ہے۔آدمؑ کو خلیفہ بنایا کس نے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً

(البقرۃ:31)

اس خلافتِ آدمؑ پر فرشتوں نے اعتراض کیا... مگر انہوں نے اعتراض

کر کے کیا پھل پایا؟ تم قرآن مجید میں پڑھ لو، آخر انہیں آدمؑ کے لئے سجدہ کرنا پڑا۔ پس اگر مجھ پر کوئی اعتراض کرے اور وہ اعتراض کرنے والا فرشتہ بھی ہو تو میں اُسے کہدوں گا کہ آدم کی خلافت کے سامنے سربسجود ہو جاؤ تو بہتر ہے۔ اور اگر وہ اِبَاء اور اِسْتِکْبَار کو اپنا شعار بنا کر اِبْلِیْس بنتا ہے تو پھر یاد رکھے کہ ابلیس کو آدم کی مخالفت نے کیا پھل دیا۔ میں پھر کہتا ہوں کہ اگر کوئی فرشتہ بن کر بھی میری خلافت پر اعتراض کرتا ہے تو سعادتمند فطرت اُسے اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ کی طرف لے آئے گی۔''

(بدر 4 جولائی 1912ء)

پھر فرمایا:

''تم نے میرے ہاتھوں پر اقرار کئے ہیں۔ تم خلافت کا نام نہ لو، مجھے خدا نے خلیفہ بنا دیا ہے اور اب نہ تمہارے کہنے سے معزول ہو سکتا ہوں اور نہ کسی میں طاقت ہے کہ وہ معزول کرے۔ اگر تم زیادہ زور دو گے تو یاد رکھو میرے پاس ایسے خالد بن ولید ہیں جو تمہیں مرتدوں کی طرح سزا دیں گے۔''

(بدر 4 جولائی 1912ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المُصلح الموعُود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قدرتِ ثانیہ کے نزول کیلئے دعاؤں کی جو شرط لگائی ہے وہ کسی ایک زمانہ کیلئے نہیں بلکہ ہمیشہ کیلئے ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں اِس ارشاد کا یہ مطلب تھا کہ میرے زمانہ میں تم یہ دعا کرتے رہو کہ تمہیں پہلی خلافت نصیب ہو۔ اور پہلی خلافت کے زمانہ میں اس دُعا کا یہ مطلب تھا کہ الٰہی اس کے بعد ہمیں وہ دوسری خلافت ملے اور دوسری خلافت میں اس دُعا کے یہ معنی ہیں کہ تمہیں تیسری خلافت سے اور تیسری خلافت میں اس دُعا کے یہ معنی ہیں کہ تمہیں چوتھی خلافت ملے۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری شامتِ اعمال سے اِس نعمت کا دروازہ تم پر بند ہو جائے۔

پس ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعاؤں میں مشغول رہو اور اس امر کو اچھی طرح یاد رکھو کہ جب تک تم میں خلافت رہے گی دُنیا کی کوئی قوم تم پر غالب نہیں آ سکے گی اور ہر میدان میں تم مظفر و منصور ہو گے کیونکہ یہ خدا کا وعدہ ہے اس نے ان الفاظ میں کیا کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ مگر اس بات کو بھی یاد رکھو کہ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ خدا تمہارے ساتھ ہو اور ابداً آباد تک تم اس کی برگزیدہ جماعت رہو۔''

(خلافت راشدہ صفحہ 269-270)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ خلیفۂ وقت کی اطاعت کی اہمیت کے متعلق فرماتے ہیں:

''میں نے متواتر جماعت کو بتایا ہے کہ خلافت کی بنیاد محض اور محض اِس بات پر ہے اَلْاِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِنْ وَرَآئِهٖ یعنی امام ایک ڈھال ہوتا ہے اور مومن اس ڈھال کے پیچھے سے لڑائی کرتا ہے۔ مومن کی ساری جنگیں امام کے پیچھے کھڑے ہو کر ہوتی ہیں۔ اگر ہم اس مسئلہ کو ذرا بھی بھلا دیں۔ اس کی قیود کو ڈھیلا کر دیں اور اس کی ذمہ داریوں کو نظر انداز کر دیں تو جس غرض کیلئے خلافت قائم ہے وہ مفقود ہو جائے گی... اگر ایک امام اور خلیفہ کی موجودگی میں انسان یہ سمجھے کہ ہمارے لئے کسی آزاد تدبیر اور مظاہرہ کی ضرورت ہے تو پھر خلیفہ کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ امام اور خلیفہ کی ضرورت یہی ہے کہ ہر قدم جو مومن اُٹھاتا ہے اس کے پیچھے اُٹھاتا ہے۔ اپنی مرضی اور خواہشات کو اس کی مرضی اور خواہشات کے تابع کرتا ہے۔ اپنی تدبیروں کو اس کی تدبیروں کے تابع کرتا ہے۔ اپنی آرزوؤں کو اُس کی آرزوؤں کے تابع کرتا ہے اور اپنے سامانوں کو اس کے سامانوں کے تابع کرتا ہے۔ اگر اس مقام پر مومن کھڑے ہو جائیں تو ان کیلئے کامیابی اور فتح یقینی ہے۔''

(الفضل 4 ستمبر 1937ء)

پھر حضور رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ خواہ تم کتنے ہی عقلمند اور بدتر ہو اپنی تدابیر اور عقلوں پر چل کر دین کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے جب تک تمہاری عقلیں اور تدبیریں خلافت کے ماتحت نہ ہوں اور تم امام کے پیچھے پیچھے نہ چلو ہرگز اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت تم حاصل نہیں کر سکتے۔ پس تم خدا تعالیٰ کی نصرت چاہتے ہو تو یاد رکھو اس کا کوئی ذریعہ نہیں سوائے اس کے کہ تمہارا اُٹھنا، بیٹھنا، کھڑا ہونا اور چلنا اور تمہارا بولنا اور خاموش ہونا میرے ماتحت ہو۔''

(الفضل 14 ستمبر 1937ء)

سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی ایک پیشگوئی جو آپ نے 1914ء کے فتنہ غیر مبائعین کے شروع ہونے پر فرمائی جسے اللہ تعالیٰ نے 1965ء میں حرف بحرف پورا کر کے ہمارے ازدیادِ ایمان کا موجب بنایا۔

''اِس وقت دُشمن خوش ہے کہ احمدیوں میں تفرقہ پڑ گیا ہے اور یہ جلد تباہ ہو جائیں گے اور اس وقت ہمارے ساتھ زُلۡزِلُوۡا زِلۡزَالًا شَدِیۡدًا والا معاملہ ہے۔ یہ ایک آخری ابتلاء ہے جیسے کہ احزاب کے موقع پر بعد پھر دُشمن میں یہ جرأت نہ تھی کہ مسلمانوں پر حملہ کرے ایسے ہی ہم پر یہ آخری موقع اور دُشمن کا آخری حملہ ہے۔ خدا تعالیٰ چاہے ہم کامیاب ہوں تو پھر دُشمن ہم پر حملہ نہ کرے گا بلکہ ہم دُشمن پر حملہ کریں گے۔ نبی کریم صلعم نے احزاب کے موقع پر فرمایا تھا کہ اب ہم ہی دُشمن پر حملہ کریں گے اور اُسے شکست دیں گے اور دُشمن کبھی پھر حملہ آور نہ ہوگا۔ یہ آخری ابتلاء ہے اس سے اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے دُشمن کو پھر کبھی خوشی کا موقع نہ ملے گا۔''

(الفضل 25مارچ 1914ء)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافتِ ثالثہ کے دورِ سعادت کے متعلق فرمایا:

''میں ایسے شخص کو جس کو خدا تعالیٰ خلیفہ ثالث بنائے ابھی سے بشارت دیتا ہوں کہ اگر وہ خدا تعالیٰ پر ایمان لا کر کھڑا ہو جائے گا اگر دُنیا کی حکومتیں بھی اُس سے ٹکر لیں گی تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں گی۔''

(خلافتِ حقہ اسلامیہ صفحہ 18)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''پس یہ برکتیں بتاتی ہیں کہ خلیفہ خدا نے مقرر فرمایا ہے کیونکہ ایسی نصرت کے کام، ایسی نصرت کے واقعات اور ایسی نصرت کے مظاہرے ہوتے ہیں کہ جن میں انسانی ہاتھ کا دخل نہیں ہوتا۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ جس طرح اس نصرت میں انسانی ہاتھ نظر نہیں آرہا، اسی طرح انتخابِ خلافت میں انسانی ہاتھ نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ انسان جو کہے اللہ تعالیٰ مجبور ہو جائے اور اس کی مدد اور نصرت کرنا شروع کر دے۔ کیا تم اپنے زور سے اللہ تعالیٰ کو مجبور کر سکتے ہو؟

نہیں! جب تم اس کے فضل اور رحم کو جذب نہیں کرو گے تم اس کی مدد اور نصرت کس طرح سے کر سکتے ہو۔''

(خطبات ناصر جلد ششم صفحہ 524)

- حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''احمدیت نے دنیا کو محض نظریاتی اور اعتقادی لحاظ سے ہی ازسرنو وہ اسلام نہیں دیا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلام تھا بلکہ وہ نظام بھی عطا کیا جو اس آسمانی پانی کی حفاظت کا ذمہ دار ہوتا ہے اور دُنیا کے کونے کونے تک اس کی ترسیل کا انتظام کرتا ہے۔ یہی وہ نظام ہے جسے اسلامی اصطلاح میں ''نظامِ خلافت'' کہا جاتا ہے جس کے بغیر دینی اقدار کی کما حقہ حفاظت ناممکن ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سے آج تک کی اسلامی تاریخ کا سب سے بڑا المیہ نظام خلافت کا ہاتھ سے جاتا رہنا ہے۔ یہ صرف اسلام کا المیہ ہی نہیں بلکہ فی الحقیقت اسے چودہ سو سال میں تمام بنی نوع انسان کا سب سے بڑا المیہ کہنا چاہئے کیونکہ دنیا کی اکثریت کی اسلام سے محرومی کی بنیادی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ اسلامی نظام خلافت کی برکات سے محروم ہے۔''

(خطبہ جمعہ 4مارچ 1988ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

''جماعت احمدیہ میں خلافت کی اطاعت اور نظام جماعت کی اطاعت پر جو اسقدر زور دیا جاتا ہے یہ اس لئے ہے کہ جماعتی نظام کو چلانے کیلئے یک رنگی ہونی ضروری ہے اور اس زمانے کیلئے جو آنحضرت ﷺ کا اعلان ہے کہ مسیح موعود کے آنے کے بعد جو خلافت قائم ہوئی ہے وہ علیٰ مِنۡہَاجِ النبوۃ ہونی ہے۔ اور وہ دائمی خلافت ہے جس کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے کہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا دیکھنا بھی ضروری ہے۔ اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے۔ جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا۔ پھر اسی خطبہ کے تسلسل میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں۔ ہمیشہ یاد رکھیں کہ خلافت کے ساتھ عبادت کا بڑا تعلق ہے۔

اور عبادت کیا ہے؟ نماز ہی ہے جہاں مومنوں سے دلوں کی تسکین اور خلافت کا وعدہ ہے۔ وہاں ساتھ ہی اگلی آیت میں وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ (النور: 57) کا بھی حکم ہے۔ پس تمکنت حاصل کرنے اور نظام خلافت سے فیض پانے

کیلئے سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ نماز قائم کرو کیونکہ عبادت اور نماز ہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو جذب کرنے والی ہوگی ورنہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اس انعام کے بعد اگر تم میرے شکر گزار بنتے ہوئے میری عبادت کی طرف توجہ نہیں کرو گے تو نافرمانوں میں سے ہوگے۔ پھر شکر گزاری نہیں ناشکر گزاری ہوگی اور نافرمانوں کیلئے خلافت کا وعدہ نہیں ہے بلکہ مومنوں کیلئے ہے۔ پس یہ انتباہ ہے ہر اس شخص کیلئے جو اپنی نمازوں کی طرف توجہ نہیں دیتا کہ نظامِ خلافت کے فیض تم تک نہیں پہنچیں گے۔ اگر نظام خلافت سے فیض پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کرو کہ یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ۔ (النور:56)

یعنی میری عبادت کرو اس پر عمل کرنا ہوگا۔ پس ہر احمدی کو یہ بات اپنے ذہن میں اچھی طرح بٹھا لینی چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے اس انعام کا جو خلافت کی صورت میں جاری ہے فائدہ تب اٹھا سکیں گے جب اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہوں گے۔'' (خطبہ جمعہ فرمودہ 13/اپریل 2007ء)

نیز ایک اور خطبہ جمعہ میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اگر خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنی ہے تو محبت پیار اور نظام جماعت کا احترام اور اطاعت اور خلافت سے مضبوط تعلق پیدا کرنا بہت ضروری ہے۔ (خطبہ جمعہ 13 نومبر 2009ء) حضور بنصرہ العزیز فرماتے ہیں۔

''نظام خلافت کی برکات سے فائدہ اُٹھانے کیلئے اس نظام سے فائدہ اُٹھانے کیلئے جس کے دائمی رہنے کی آنحضرت ﷺ نے پیشگوئی فرمائی تھی تقویٰ پر چلنا بھی شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خلافت سے فیض پانے کیلئے ایمان اور اعمال صالحہ کی شرط کو رکھا ہے۔ ایمان کی مضبوطی تبھی ہوتی ہے جب خدا تعالیٰ کا خوف اور خشیت دل میں ہو۔ اعمال صالحہ کی بجا آوری کی طرف توجہ تبھی ہوگی جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت کا جوا اپنی گردن میں ڈالنے کی ہماری کوشش ہوگی۔''

(خطبہ جمعہ 16 اپریل 2010ء)

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب کو خلافت احمدیہ سے ہمیشہ وابستہ رہنے اور خلیفہ وقت کی طرف سے ملنے والی ہدایات پر عمل کرنے اور حضور اقدس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی توقعات پر پورا اترنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

غزل

(وسیم احمد محمودؔ بٹ)

قربت ہے خلافت کی جو دنیا ہی بھلا دے
زینہ ہے خلافت وہ ،خدا سے جو ملا دے
طاعت کا خلافت کی مجھے جام پلا دے
الفت میں مجھے اس کی تو دیوانہ بنا دے
اسلام کے غمخوار خدا تیرا نگہباں
برکت ہو تری عمر میں ،ہر دل کی دعا دے
ظلمت کے مقابل میں ہے جو دیپ منور
ہے نور خلافت کا سو اندھیرے مٹا دے
محفل میں کسی شام ذرا بیٹھ تو اُس کی
دل خود ہی پکارے گا حسیں شام بڑھا دے
حاضر ہو کے در پر ترے میں نے بھی صدا دی
دیوانوں کی فہرست میں اک نام بڑھا دے
الفت سے ہے جس نے بھی خلیفہ کو پکارا
ہر بگڑی خدا اس کی تو یارو ہے بنا دے
ہر شخص فدا ہو کے خلافت پہ،صدا دے
مستی میں مجھے عشق کی مولا تو بڑھا دے
محمودؔ کی حسرت سے بھری اک ہے تمنا
اب اس کو بھی مولا تو خلیفہ سے ملا دے

ایمان کے لیبل لگانے والے آج کے نام کے مسلمان

قاسم عبّاس, میسی ساگا کینیڈا

آج مسلمان دنیا میں ذلیل وخوار ہورہے ہیں وہ مسلمانوں کے اپنے ہی بد اعمال کی وجہ سے ہیں، اوراس کی سب سے بڑی اوراہم وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کواوراللہ کے کلام کوبھلادیا ہے ۔اس سلسلے میں ملاحظہ ہوقرآن کریم کی یہ آیات اورتم ان لوگوں کی طرح مت ہوجنھوں نے اللہ کے احکام سے بے پروائی کی, سواللہ تعالیٰ نے خودان کی جان سے ان کو بے پروابنادیا۔یہی لوگ نافرمان ہیں۔سورۃالحشر , آیت 19

ایک اورقرآنی آیت پیش ہے جس میں حضورﷺ کی شکایت ہے کہ آپﷺ کی امّت نے قرآن کریم کا کیا حشر کیا ہے۔اوراس دن رسولﷺ کہیں گے کہ اے میرے پروردگارمیری اس قوم نے اس قرآن کوجو کہ واجب العمل تھابالکل نظرانداز کررکھا تھاسورۃالفُرقان, آیت 30

اس سلسلے میں ایک حدیث پیش ہے حضرت عثمان بن عفانؓ فرماتے ہیں کہ حضورﷺ نے فرمایا کہ ایک وقت ایسا ہوگا جب مسلمان ذلیل وخوار ہورہے ہونگے ۔صحابہ کرامؓ نے پوچھا یارسول اللہﷺ,کیااس وقت مسلمان تعداد میں کم ہونگے؟ آپﷺ نے فرمایانہیں,تعدادتو انکی بہت ہی زیادہ ہوگی, مگروہ لوگ بھٹک گئے ہونگے,یعنی اللہ کی رسی جبل اللہ,یعنی قرآن کریم کوچھوڑ دیا ہوگا۔صحیح بخاری,حدیث 546.6

کئی سالوں سی یہ دیکھا گیاہے کہ پاکستان میں رمضان کامبارک مہینہ آنے سے پہلے ہی ایمان کے لیبل والے مسلمان تاجرضروری اشیاء کے دام بڑھا کر زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کے لئے اپنے ہی مسلمان بھائیوں کواس ماہ مبارک میں لٹنا شروع کردیتے ہیں ۔اس کے علاوہ پاکستان کے تاجروں کی ذخیرہ اندوزی,چوربازاری,ٹیکس کی چوری یعنی کم سے کم ٹیکس ادا کرنا یابالکل نہ دینا, حکومتی اہلکاروں کی اورخاص کرکے محکمہ پولیس کے اہلکاروں کی رشوت اور بھتہ لینے کی بدعنوانیاں وغیرہ نے ملک کو کینسرکی طرح تباہ کردیاہے۔جن کو عوامی نمائندہ کے طورپرجانا جاتا ہے یعنی جولوگ عوام کی خدمات کرنے کے لئے چنے جاتے ہیں وہی لوگ اربوں کے حساب سے اپنے لئے ناجائز دولت حکومت کے پیسوں سے بناتے ہیں جس کی مثال نوازشریف,زرداری,مرادعلی شاہ,ملل ڈیزل وغیرہ اوردوسرے ہزاروں بڑے بڑے نام والے سیاستدان کا پوراخاندان اوران کے علاوہ کئی ہزارحکومتی اہلکارجن میں عوامی نمائندے بھی شامل ہیں,یہ لوگ حکومت کے پیسوں سے یعنی عوام کے پیسوں میں غبن کرکے ناجائز دولت جمع کرتے ہیں اوریہ عمل پاکستان میں ایک معمول بن گیاہے اور یہ کام کئی سالوں سے جاری ہے۔

پاکستان میں ایک اورلٹیراطبقہ ہے جواپنے آپ کواللہ کے زمینی ایجنٹ سمجھتا ہے اوراسلامی بینکنگ کے نام پرمشیربن کراورکمپنیاں بناکرفتویٰ بیچتے ہیں اور لاکھوں اورکروڑوں روپے بناتے ہیں اورلوگوں کوجھانسہ دیتے ہیں کہ یہ کمرشیل بینکنگ حرام ہے اور ہمارے فتوے کے مطابق یہ اسلامی بینکنگ حلال ہے ۔اس طرح یہ نام نہادمفتی حضرات اللہ اوراسلام کے نام تلے کروڑوں کی حرام کی کمائی کرتے ہیں یعنی اللہ کا کلام بیچتے ہیں اورحرام کی کمائی اپنے اوراپنے خاندان کے افراد کے پیٹ میں ڈالتے ہیں۔ایسے اللہ اوراسلام کے نام تلے کروڑوں روپے بنانے والے فتویٰ باز لوگوں نے اب پاکستان میں لمیٹڈ کمپنیاں کھول لی ہے اوراللہ اور اسلام کے نام تلے فتوے بیچ کرکروڑوں کی حرام کی کمائی کررہے ہیں۔لاکھوں روپے میں فتوے بیچنے والے ایسے فتوے بازلوگوں کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا گیاہے

ایسے لوگوں کی راہ پرچلو جوتم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے اوروہ خودراہ راست پربھی ہیں سورۃ یٰس آیت 21اورمیری آیتوں کوتھوڑی قیمت پرنہ بیچو اورمجھ ہی سے ڈرو۔سورۃ البقری آیت 4جولوگ اللہ کی کتاب سے ان آیتوں اورہدایتوں کوجواس نے نازل فرمائی ہیں چھپاتے اوران کے بدلے تھوڑی سی قیمت حاصل کرتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں محض آگ بھرتے ہیں سورہ البقرہ آیات 174

یہ ہی لٹیرے ایمان کے لیبل والے نام کے مسلمان جو حرام کی کمائی اپنے اور اپنے خاندان کے افراد کے پیٹ میں ڈالتے ہیں اپنے آپ کو مومن اور مسلمان کہتے ہیں اور اسی حرام کی کمائی سے حج کر کے اپنے خالق حقیقی اللہ کو بھی دھوکہ دیتے ہیں, اور اس طرح یہ نام کے مسلمان اپنے دل کو خوش کرتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں اور ایسے ہی مسلمانوں کے کرتوت کے سبب اللہ کا عذاب دنیا میں نازل ہوتا ہے اور اسی عذاب کے سبب دنیا بھر کے مسلمان ذلیل وخوار ہو رہے ہیں ۔اس کی سب سے بڑی اور اہم وجہ مسلمانوں کا اللہ کے احکامات یعنی قرآن کریم کے احکامات کو ترک کرنا یعنی اس پر عمل نہ کرنا ہے۔جیسا کے اوپر قران کی آیتوں میں اور حدیث میں کہا گیا ہے

شاعر مشرق علامہ اقبال نے ایسے مسلمانوں کے لئے یہ شعر کہا ہے

وہ زمانے میں معزز تھے مسلمان ہو کر
اور تم خوار ہوے تارک قرآن ہو کر

حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے قرآن کو زندہ انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل کیا ہے, مگر یہ زندہ انسان قرآن کو مردوں کو بخشوانے کے لئے صرف طوطے کی طرح پڑھنا ہی جانتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اللہ نے قرآن کو صرف مردوں کو بخشوانے کے لئے نازل کیا ہے اور قرآن پڑھنے سے مردے کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔اللہ نے قرآن میں صاف طور پر فرما دیا ہے کہ ہر انسان اپنے اعمال کے لئے خود ہی زمیدار ہے۔ملاحضہ ہو قرانی آیت جو شخص نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے لیے کرتا ہے, اور جو شخص برا عمل کرتا ہے اس کا وبال اسی پر پڑے گا

سورۃ حم السجدہ آیت 46

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے خالق کے پیغام یعنی قرآن کریم کے تمام حقوق ادا کریں جس میں قرآن پر ایمان لانا, اسے پڑھنا, اسے سمجھنا, اس پر غورو فکر کرنا, اس پر عمل کرنا, اس پر عمل کروانا اور قرآن کا پیغام دوسروں تک پہونچانا شامل ہیں, اور یہ تمام حقوق قرآن میں صاف طور پر بتایے گئے ہیں اور تمام مسلمانوں پر یہ فرض ہیں۔

اللہ تمام مسلمانوں کو قرآن کریم کے فرائض ادا کرنے کی توفیق عطا کرنے

آمین



غزل

ڈاکٹر پروفیسر عبدالکریم خالد

چلے تو ہم رکاب تھا چراغ تیری یاد کا
جلا لیا بجھا لیا چراغ تیری یاد کا

گلاب رنگ ساعتوں کی روشنی بکھر گئی
جہاں جہاں جلا دیا چراغ تیری یاد کا

مکیں چلے گئے کہیں بھرے مکان چھوڑ کر
اور آنگنوں میں رہ گیا چراغ تیری یاد کا

جہاں پہ تیری آہٹوں کا گماں ہوا
وہیں پہ لاکر رکھ دیا چراغ تیری یاد کا

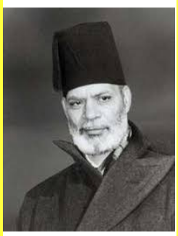
کہیں ستارہ ء سحر نوید دے گیا ہمیں
کہیں پہ چاند بن گیا چراغ تیری یاد کا

وہ خوش جمال کیا ہوئے جو محفلوں کی جان تھے
وہ جن کے ساتھ ہی گیا چراغ تیری یاد کا

مسافران ِ دشت نے نہ جانے کس مقام پر
ہتھیلیوں پہ رکھ لیا چراغ تیری یاد کا

سارے دشتِ آگہی میں تلملا کے رہ گیا
مگر یہ دل نے کیا کیا چراغ تیری یاد کا

تجھے خبر نہ ہو سکی مرے خراب حال کی
شام سے جلا لیا چراغ تیری یاد کا



سر ظفر اللہ کی مسئلہِ فلسطین پر جنرل اسمبلی میں تقریر اور وزیرِ خارجہ شاہ محمود قریشی کا چیلنج

ثقلین امام (بی بی سی اُردو)

فلسطین کی تقسیم اور اسرائیلی ریاست کے قیام سے قبل، اُس وقت کے پاکستانی وفد کے سربراہ، سر محمد ظفر اللہ خان نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی ایک پلینیری کمیٹی میں خطے کی تقسیم کی تجویز کو ناقابلِ عمل قرار دیتے ہوئے یہودیوں اور فلسطینیوں کی ایک وفاقی ریاست بنانے کی تجویز دی تھی۔

مسئلہِ فلسطین کے بارے میں 28 نومبر، سنہ 1947 کو سر ظفر اللہ خان کا جنرل اسمبلی سے خطاب اس موضوع پر تاریخ کی بہترین تقاریر میں سے ایک قرار دیا جاتا ہے۔ اس موقع پر انھوں نے سوا گھنٹے تقریر کی تھی جسے ایک عرب نمائندے نے عالمِ عرب کے مقدمے کی بہترین ترجمانی کہا تھا۔

سر ظفر اللہ نے اپنے خطاب میں کہا تھا کہ اقوام متحدہ خطِہِ فلسطین اور فلسطینی عوام کے ساتھ وہ کام کرنے جا رہا ہے جس کا اُسے اختیار ہی نہیں ہے۔ یہ انھیں اک ایسی سمت کی جانب دھکیل رہا ہے جس کے بعد دشمنیوں کا ایک لا متناہی سلسلہ ہر حل کا راستہ روکے گا۔

ہمیں بتایا جائے کہ اقوام متحدہ فلسطینیوں کی زمین پر ان کا اپنا ملک قائم کیے بغیر یہودیوں کا ملک کیسے قائم کرے گا؟ اقوام متحدہ کے پاس ایسا کرنے کا کیا اختیار ہے؟ آزاد ریاست کو ہمیشہ کے لیے اقوام متحدہ کی انتظامیہ کے تابع بنانے کے لیے قانونی اتھارٹی کیا ہے، کونسا قانونی اختیار ہے؟

ہم پہلے فلسطین کی لاش کو یہودی ریاست کے تین حصوں اور ایک عرب ریاست کے تین حصوں میں کاٹ دیں گے۔ اس کے بعد ہمارے پاس جافا انکلیو ہوگا۔ اور فلسطین کا دل، یروشلم، ہمیشہ کے لئے ایک بین الاقوامی شہر رہے گا۔ یہ مسئلہِ فلسطین کی ابتدائی شکل ہے۔

اس کے بعد انھوں نے کہا کہ اس طرح فلسطین کو کاٹ ڈالنے کے بعد ہم اس کے جسم کو بہتے ہوئے خون کے ساتھ ہمیشہ کے لیے ایک صلیب پر لٹکا دیں گے۔ یہ عارضی کام نہیں ہوگا۔ یہ مستقلاً ہوگا۔ فلسطین کبھی بھی اپنے عوام کا نہیں ہو سکے گا۔ اسے ہمیشہ صلیب پر کھینچا جائے گا۔

اسرائیل کے پاکستان سے تاریخی خطرات

ایک اسرائیلی ریسرچر موشے یگر، اسرائیل کی خفیہ دستاویزات کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ سنہ 1947 سے لے کر سنہ 1949 کے دوران اسرائیل کے قیام کے لیے جاری خانہ جنگی کے دوران واشنگٹن میں اسرائیلی سفارتی مشن کو یہ اطلاع ملی تھی کہ پاکستان عربوں کو فوجی مدد بھیجنے کا منصوبہ بنا رہا ہے۔

یہاں تک کہ یہ بھی اطلاعات موصول ہوئی تھیں کہ پاکستان عربوں کے شانہ بشانہ لڑنے کے لیے ایک بٹالین فوج بھی بھیج رہا ہے۔ پاکستان نے چیکوسلاواکیہ میں عربوں کو سپلائی کرنے کے لیے ڈھائی لاکھ رائفلیں بھی خریدی ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ پاکستان نے مصر کی فضائیہ کے لیے تین طیارے بھی خریدے ہیں۔

جناح کی فلسطین پالیسی

فلسطین کے لئے زیادہ سے زیادہ حمایت حاصل کرنا جناح کے سیاسی منشور کے مطابق فلسطینی مسلمانوں کے فطری حق آزادی کے لیے ہندوستانی مسلمانوں کے جذبے کی عکاس تھی اور یہ اس وقت کی ایک آواز تھی۔

اپنی جماعت کے محدود وسائل اور بین الاقوامی سیاست میں مخالف حالات باوجود جناح نے ممکنہ طور پر فلسطین کی حمایت کے لئے بھرپور کوشش کی۔ مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے انہوں نے اسے ایک اہم ایشو کے طور پر لیگ کے ہر سالانہ اجلاس کے تقریباً ہر ایجنڈے پر موجود رکھا۔

نومولود ریاست کے گورنر جنرل جناح نے فلسطین کے لیے حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی تا کہ اقوام متحدہ اسرائیل کے قیام کے لئے ووٹ نہ دے۔ اس کوشش میں ایک مضبوط سفارتی لابی بنانے کی بھی کوشش کی گئی تھی۔ سر ظفر اللہ کی تقریر بھی انہی کی پالیسی کا مظہر تھی۔

وہ ناکام ہوئے مگر فلسطین کے لئے جناح کی کاوشیں ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

پاکستان کے بانی محمد علی جناح نے پہلی مرتبہ یوم فلسطین منانے کا اعلان کیا تھا جب سرزمینِ فلسطین پر اسرائیلی ریاست قائم نہیں ہوئی تھی۔نکولس مینسرگ کی تدوین شدہ جلدیں 'ٹرانسفر آف پاور' کا حوالہ دیتے ہوئے پنجاب یونیورسٹی کے ریسرچر شہزاد قیصر لکھتے ہیں کہ جناح نے فلسطین کی حمایت لندن فلسطینی مسئلے کے لیے بلائی گئی ایک گول میز کانفرنس میں چوہدری خلیق الزمان کی قیادت میں ایک وفد بھی بھیجا تھا۔

محمد افضل کی تدوین کردہ جناح کی تقاریر پر ایک کتاب کے مطابق، فلسطین کی تقسیم پر جناح نے کہا تھا کہ اس کا نتیجہ بدترین تباہی کی صورت میں نکلے گا اور اتھارٹی کی عربوں سے ایسی جنگ شروع ہوگی جس کا کسی نے تصور بھی نہیں کیا ہوگا ۔۔۔ تمام مسلمان اس منصوبے کے خلاف بغاوت کر دیں گے، اور پاکستان کے پاس عربوں کی حمایت کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہیں ہوگا۔

اب پاکستان کے 26ویں وزیرِ خارجہ شاہ محمود قریشی نے اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی سے مطالبہ کیا کہ اسرائیل کی جانب سے شیخ جرح میں فلسطینیوں کی جبری اور غیر قانونی بے دخلی کی مذمت کی جائے، اور اسرائیل کے انسانیت کے خلاف جرائم کو احتساب سے نہیں بچنا چاہیے۔

مسئلہِ فلسطین کی اہمیت پاکستان کی مختلف حکومتوں میں مختلف درجوں پر رہی ہے۔تاہم ہر حکومت نے فلسطینیوں کے حمایتی موقف میں تبدیلی نہیں کی۔لیکن سب سے زیادہ اہم پالیسی ساز کردار تین ادوار میں دیکھا گیا ہے: جناح، ایوب اور بھٹو۔

محمد علی جناح کی زندگی میں ان کے پہلے وزیرِ خارجہ سر ظفر اللہ کے زمانے میں، پھر صدر ایوب کے زمانے میں جب ان کے وزیرِ خارجہ ذوالفقار علی بھٹو تھے اور تیسری مرتبہ اس وقت جب خود ذوالفقار علی بھٹو پاکستان کے صدر بنے اور وزیرِ اعظم منتخب ہوئے تھے۔

سر محمد ظفر اللہ خان کا اقوامِ متحدہ کی پلینیری کمیٹی سے خطاب دراصل جناح کی فلسطین پالیسی کا تسلسل تھا جو بعد میں بھی حسین شہید سہروردی کے زمانے تک



تازہ غزل

ساجد محمود رانا

پیار محبت سے انجانے یہ قسمت کے مارے لوگ
اک دوجے سے لڑتے ہی مر جاتے ہیں بیچارے لوگ

کیسے کیسے من کے اندر عیب چھپائے بیٹھے ہیں
کیسی کیسی باتیں کرتے ایک دوجے کے بارے لوگ

مٹتے مٹتے نقش دلوں کے آخر مٹ ہی جاتے ہیں
ہولے ہولے بھول ہی جاتے ہیں آنکھوں کے تارے لوگ

ہم سے ملو گے تو جانو گے ہم یاروں کے یار ہیں دوست
اس کو چھوڑو کیا کہتے ہیں شہر میں میرے بارے لوگ

چلتے چلتے رک ہی جاتی ہے جیون کی گاڑی بھی
دھیرے دھیرے کھو جاتے ہیں کتنے پیارے پیارے لوگ

کبھی تو اتنا تنگ آ جاتا ہوں میں رشتوں ناطوں سے
سوچتا ہوں کہ بھاڑ میں جائیں یہ سارے کے سارے لوگ

زندہ لوگوں میں اک دوجے کا کچھ بھی تو احساس نہیں
مر کے ساجد کیوں بن جاتے ہیں آنکھوں کے تارے لوگ

جاری رہا۔سہروردی نے فلسطین کے بارے میں موقف تو بدلا نہیں تھا، تاہم انھوں نے نہر سوئز پر عرب-اسرائیل جنگ کے دوران عرب ممالک کو 'صفروں کا مجموعہ صفر' کہہ کر ناراض کیا تھا۔

عرب-اسرائیل جنگ 1967

جنرل ایوب خان کے دور میں پاکستان عمومی طور پر فلسطین کے بارے میں زیادہ فعال نظر نہیں آیا تھا، البتہ اس دور تک جب بھی اسرائیلی نمائندوں یا اسرائیلی لابی کے لوگوں نے پاکستان سے تعلقات بہتر کرنے کا کہا تو پاکستان ہمیشہ پہلے مسئلہِ فلسطین کو حل کرنے پر اصرار کرتا تھا۔

لیکن جب سنہ 1967 میں اسرائیل اور عربوں کے درمیان جنگ ہوئی جس میں اسرائیل نے عرب ممالک کے مختلف حصوں پر قبضہ کیا اور القدس (یروشلم) اور غزہ سمیت غرب اردن پر بھی قبضہ کیا تھا تو پاکستانیوں نے شام اور مصر کی فوجی امداد کی تھی۔

عملی اور سرکاری طور پر پاکستان کے اُس وقت کے وزیرِ خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے عالمی سیاسی بساط پر عالمِ عرب کا کھل کر ساتھ دیا تھا۔ 17 جولائی سنہ 1967 میں اقوام متحدہ میں پاکستان کے مندوب آغا شاہی نے افغانستان، ایران، ترکی، گنی، مالی اور صومالیہ کے ساتھ مل کر اسرائیل کے خلاف ایک قرارداد منظور کروانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

لیکن سنہ 1970-71 میں پاکستان کے فوجی افسر بریگیڈیر ضیاالحق نے، (جنرل ضیا) جو اس دور میں اردن کی فوج کو تربیت دینے عمان میں مقیم تھے، اردن کے بادشاہ شاہ حسین کے کہنے پر اس وقت کے فلسطینی مہاجرین اور اردنی فوج کے درمیان لڑائی میں اردن کی فوج کی جانب سے ایک بڑی فوجی کارروائی کی تھی۔

سی آئی اے کے ایک سابق اہلکار بروس ریڈل اپنی ایک کتاب واٹ وی ون میں حوالے دے کر لکھا ہے کہ ہے کہ بریگیڈیر ضیاالحق نے اس فوجی آپریشن کی خود قیادت کی تھی۔ اس کارروائی میں ہزاروں فلسطینی ہلاک ہوئے تھے۔

اس سے قبل سنہ 1969 میں اسرائیلی یہودیوں نے مسجدِ اقصیٰ پر چڑھائی کرنے کی کوشش کی جسے عرب ممالک نے مسجد کو شہید کرنے کی جسارت قرار دیا اور پھر آرگنائیزیشن آف اسلامک کانفرنس کی پہلی سربراہی کانفرنس رباط میں ہوئی تھی۔ صدر جنرل آغا یحیٰ خان نے خود اس اجلاس میں پاکستان کی نمائندگی کی تھی۔

سنہ 1972 میں بھٹو پاکستان کے صدر بنے تو انھوں نے فلسطینی کاز کو اپنی خارجہ پالیسی کا اہم اور فعال حصہ بنایا تھا۔

پاکستان بنا فلسطینی کاز کا چیمپیئن

سنہ 1972 میں بھٹو پاکستان کے صدر بنے تو انھوں نے فلسطینی کاز کو اپنی خارجہ پالیسی کا اہم اور فعال حصہ بنایا تھا۔ سنہ 1973 میں عرب-اسرائیل جنگ کے دوران پاکستان نے عربوں کا کھل کے ساتھ دیا تھا اور غیر اعلانیہ فوجی امداد بھی دی تھی۔ اسی جنگ میں عربوں نے تیل کو ہتھیار کے طور پر پہلی مرتبہ استعمال کیا تھا۔

سنہ 1974 میں دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس لاہور میں منعقد ہوئی تھی جس میں فلسطینی رہنما یاسر عرفات اور اُن کی تنظیم آزادیٔ فلسطین کو فلسطینیوں کی نمائندہ تنظیم تسلیم کیا گیا۔ یاسر عرفات اور ان کی تحریک کو پہلی مرتبہ یہ سفارتی کامیابی حاصل ہوئی بعد میں انھیں اقوامِ متحدہ میں بھی مبصر کی نشست دی گئی۔

پاکستان کا فلسطین پر ایک ہی موقف رہا ہے

سینیٹر مشاہد حسین کہتے ہیں کہ فلسطینیوں کی حمایت کرنا پاکستان کے ڈی این اے کا حصہ ہے کیونکہ فلسطینیوں کے حق آزادی کی حمایت پاکستان کے بانی قائدِ اعظم محمد علی جناح نے سنہ چالیس کی دہائی کے دور سے ہی زوردار طریقے سے کی تھی، اور پھر بعد میں گورنر جنرل کی حیثیت میں انھوں نے امریکی صدر ٹرومین اور برطانوی وزیر اعظم ایٹلی کو اسی بارے خطوط بھی لکھے تھے۔

اس بات پر کے بعد میں آنے والی پاکستان کی کوئی حکومت اس پالیسی کو تبدیل نہیں کر سکی، وہ کہتے ہیں کہ جنرل مشرف نے اسرائیل سے تعلقات کو معمول پر لانے کے خیال سے چھیڑ خانی کی تھی، لیکن ملک کے اندرونی نظام اور عوامی رائے عامہ میں ماحمت کی وجہ سے پالیس میں تبدیلی نہیں آئی۔

سینیٹر مشاہد حسین کے مطابق جنرل مشرف کے زمانے میں سنہ 2006 میں حماس کے وزیر خارجہ محمود زہر کو پاکستان میں مہمان کے طور پر بلایا گیا تھا، اور حکومت نے غزہ میں قائم ہونے والی حماس کی نئی حکومت کو تیس لاکھ ڈالر کی امداد بھی دی تھی۔ جنرل مشرف ہی کہ دور میں اسلام آباد میں فلسطینی سفارت خانے کی تعمیر میں پاسکتان نے مالی امداد بھی دی تھی۔

اس سوال پر کہ کیا بیگم عابدہ حسین نے نواز شریف کے دور میں امریکہ میں پاکستان کے سفر کی حیثیت سے اسرائیل سے معمول پر تعلقات لانے کی جو بات کہی تھی، سینیٹر مشاہد نے کہا کہ بیگم عابدہ نے اس بارے میں ایک بیان میں کہا تھا کہ انڈین صحافی نے ان کے بیان کو مسخ کر کے پیش کیا تھا۔

مشاہد حسین کا کہنا تھا کہ جنرل مشرف کے بعد جو تین حکومتیں بنیں، یعنی پیپلز پارٹی، مسلم لیگ ن اور پاکستان تحریکِ انصاف کی حکومتیں، انھوں نے فلسطینیوں کی سیاسی، سفارتی سطح پر ایک ہی انداز میں ماضی کی حکومتوں کی

روایات کے مطابق تسلسل کے ساتھ مدد کی کیونکہ فلسطینی معاملہ ایسا ہے جس پر حکومت اور اپوزیشن کی تمام جماعتوں میں اتفاقِ رائے ہے۔ موجودہ حکومت نے بھی غزہ کے محصور عوام کے لیے امداد کا اعلان کیا ہے جو کہ فلسطینیوں کے ساتھ یکجہتی کے اظہار کے مناسب اقدام ہیں۔

14 مئی 1948 کو اسرائیل کا قیام عمل میں آیا۔

سر محمد ظفر اللہ خان کی تقریر کے اقتباسات

پاکستان جو کبھی عالمِ عرب میں بھی ایک قائدانہ کردار ادا کرنے پوزیشن میں تھا، ایک ایٹمی طاقت بننے کے بعد اب زیادہ موثر کردار ادا کرتا ہوا نظر نہیں آتا ہے۔ ایران اور ترکی اس کاز کے زیادہ فعال کردار نظر آتے ہیں۔ آج اگر سر ظفر اللہ کی تقریر کو دیکھا جائے تو بہت کچھ بدل چکا ہے۔

لیکن جن معاملات اور سوالات کو سر ظفر اللہ نے اُٹھایا تھا وہ آج بھی عالمی سیاسی بساط پر جوابات تلاش کر رہے ہیں۔ فلسطینی اور یہودی آج بھی اُس خطے میں بقائے باہمی کے کسی قابلِ عمل کلیے کی تلاش میں ابھی تک ناکام ہیں۔ اور غزہ اور اسرائیل کی موجودہ جنگ نے حالات مزید نازک بنا دیے ہیں۔

سر ظفر اللہ خان کی پیشن گوئیوں اور ان کی سیاسی زیرک کا اندازہ ان کی تقریر پڑھ کر ہوتا ہے۔ یہاں ان کی تقریر کے چند اقتباسات جو فلسطینی اور یہودی آبادی، صنعتی اور زراعتی، سیاسی اور انتظامی، معاشی اور ترقیاتی معاملات پر بحث کر کے فلسطین کی تقسیم کے حل کی سکیم کو مسترد کرنے کے بعد کے کچھ حصے ہیں:

اب ہم اس سوال پر پہنچتے ہیں کہ آیا عمومی طور پر یہ منصوبہ قابل عمل ہے یا نہیں؟ جیسا کہ میں نے کہا ہے، امریکہ کے نمائندے نے اس امید کا اظہار کیا ہے کہ آس پاس کی عرب ریاستوں اور فلسطین کے عوام کی حمایت ہو تو اس سکیم پر عملدرآمد کیا جا سکتا ہے۔

آس پاس کے عرب ممالک یقینی طور پر اس تجربے کی حمایت نہیں کریں گے۔ ان سے جو بھی توقع کی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ بحیثیت ریاستیں، وہ ایسا کچھ نہیں کریں گے جو چارٹر کے تحت ان کی ذمہ داریوں کے منافی ہو۔ لیکن فلسطین کے عربوں نے اعلان کیا ہے کہ وہ تعاون نہیں کریں گے۔

اور ممبران اسمبلی کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ منصوبہ کوئی تجربہ نہیں ہے۔ یہ عبوری کمیٹی کے حوالے سے تجربے کی طرح نہیں ہے جو ایک سال کے لئے تشکیل دیا جا رہا ہے۔ اگر یہ ناکام ہوتا ہے تو کیا اس کو ختم کیا جا سکتا ہے اور جنرل اسمبلی پھر سے کوئی اور سکیم اپنا سکتی ہے؟

اس کے برعکس یہ منصوبہ مستقل حل کے طور پر تجویز کیا گیا ہے۔ اگر یہ ناکام ہوتا ہے تو یہ اقوام متحدہ کی ناکامی ہوگی۔ یہ ایک مستقل نظام ہے اس سے اقوام متحدہ کی ساکھ، اُس کا اعزاز متاثر ہوگا۔ لہذا ہم اس مرحلے پر بہتر طور پر توجہ دیں جس کہ اس کی وجہ سے ہم اپنے آپ کو رہن رکھوا رہے ہیں۔ کیا جنرل اسمبلی ایسا جوا کھیلنے کے لیے تیار ہے؟

آیئے ہم اقوام متحدہ کو کسی ایسے راستے پر گامزن کریں اور اُس سکیم پر عملدرآمد کا وعدہ کریں جس میں اخلاقی جواز کا فقدان ہے، جو اقوام متحدہ کے قانونی اور عدالتی اختیار سے بالاتر ہے، اور اس کا حصول ناممکن ہے۔

اس فضول کام کو نا کام بنانے میں آپ نے فلسطین کے چھیاسٹھ فیصد عوام کی خواہشات کو بے بنیاد قرار دے دیا ہے۔ آپ آس پاس کے اور پڑوسی ریاستوں کے اعتماد کو ختم کر رہے ہیں اور اقوام متحدہ کو منصفانہ نفاست اور غیر جانبداری سے محروم کر رہے ہیں۔۔۔

شمالی افریقہ کے بحر اوقیانوس کے ساحل سے لے کر وسطی ایشیاء تک کے تمام ممالک کی آبادی کے دلوں میں آپ مغربی طاقتوں کے عزائم اور مقاصد پر شکوک وشبہات کا بیج ڈال رہے ہیں۔ آپ مشرق اور مغرب کے مابین حقیقی تعاون کے کسی بھی امکان کو ختم کر کے، خرابی کا سنگین خطرہ مول لے رہے ہیں۔

کیا اقوام متحدہ نے اب تک عربوں اور یہودیوں کو ایک جگہ بٹھا کر کوئی درمیانی راستہ تلاش کرنے کی کوئی کوشش کی ہے جس پر دونوں قومیں مل کر کام کر کے اسے کامیاب بنانے کی کوشش کریں --- جو ایسا واحد حل ہو جس میں کامیابی کے ساتھ کام کرنے کا کوئی امکان موجود ہو؟

تقسیم کا حل ٹھونسا جا رہا تھا

اب ہمیں بتایا گیا ہے آپ کو تقسیم کی سکیم قبول نہیں کرنی ہوگی ورنہ کوئی حل

نہیں ہوگا۔لیکن کیا ایسا ہے؟ کیا یہ واحد انتخاب ہے؟ کیا تقسیم کی اسکیم کو اتنی حقیقی حمایت ملی ہے؟ ایڈ ہاک کمیٹی میں اسے پچیس وفود کی حمایت حاصل تھی۔

ان پچیس وفود میں سے کچھ نے کہا کہ انہوں نے بھاری دل سے تقسیم کے منصوبے کی حمایت کی۔ دوسروں نے کہا کہ انہوں نے ہچکچاہٹ کے ساتھ اس کی حمایت کی۔ کیوں؟ کیونکہ وہاں اور کوئی تجویز نہیں ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر جنرل اسمبلی کم از کم اس نام نہاد حل سے خوش نہیں ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اگر تقسیم قبول نہیں کی گئی تو حل کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔اس کے برعکس اگر تقسیم قبول کی گئی تو یہ خطے کے لیے ایک مہلک اقدام ہوگا۔عرب اور یہودی دونوں اس حل سے ہمیشہ کے لیے توبہ کرلیں گے اور پھر انہیں کبھی اکٹھا کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔

اس کے بعد دشمنیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہر حل کا راستہ روکے گا۔

اگر آپ تاخیر کرتے ہیں اور کوئی مہلک اقدام کرنے سے گریز کرتے ہی تو پھر بھی آپ عربوں اور یہودیوں کے لئے صلح کے حل کا موقع رہنے دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ شاید آئندہ آپس میں مل کر کام کرسکیں۔

اس کے مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر آپ آج کوئی حتمی فیصلہ نہیں لیتے ہیں تو کسی بھی شے کا فیصلہ کرنے کے آپ مجاز نہیں رہیں گے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں حلوں میں سے کوئی بھی قابل قبول نہیں ہے اور یہ کہ کچھ اور تلاش کرنا ضروری ہے جو ذمہ داری آپ کے پاس باقی رہتی ہے۔

اس موقع کو ضائع مت کریں۔ایسا دروازہ بند نہ کریں جو دوبارہ نہ کھولا جا سکے۔اقوام متحدہ کو ایک ایسا حل تلاش کرنا ہوگا جو نہ صرف عادلانہ اور منصفانہ ہو، بلکہ فلسطین میں یہودیوں اور عربوں کی سب سے بڑی تعداد کے لیے اس میں کامیابی کے بہترین مواقع موجود ہوں۔

آج ہمارا ووٹ اگر تقسیم کی حمایت نہیں کرتا ہے تو یہ دوسرے حل کو مسترد بھی نہیں کرتا ہے۔اگر ہمارا ووٹ تقسیم کی حمایت کرتا ہے تو تمام پرامن حل کے راستے مفقود ہو جائیں گے۔آیئے دیکھتے ہیں کہ کون اس ذمہ داری کو نبھائے گا۔

میری آپ سے اپیل ہے کہ اس امکان کو بند نہ کریں۔اقوام متحدہ کو تقسیم کرنے اور لوگوں کو الگ کرنے کے بجائے انھیں متحد ہونے اور اکٹھا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

سر ظفر اللہ کا امریکہ پر طنز

سر ظفر اللہ نے اپنی تقریر میں مشرقِ وُسطیٰ میں ارضِ فلسطین کی تقسیم کے منصوبے پر یہودی ریاست کے حامی مغربی ممالک کی اس دلیل کا طنزیہ انداز میں جواب دیا کہ دنیا کے بے گھر اور بے وطن یہودیوں کا ایک اپنا وطن ہونا چاہیے۔سر ظفر اللہ نے سوال یا کہ کیا امریکہ اور کینیڈا اتنے چھوٹے ملک ہیں کہ یہودیوں کو فلسطین جیسے بڑے ملک میں آباد کیا جائے!

سر ظفر اللہ خان نے جب یہ سوال اٹھایا کہ کیا ان بے وطن یہودیوں کو انہی مغربی ممالک بھیج دیا جائے گا جہاں سے وہ آ رہے ہیں تو انھوں نے اس کا خود ہی یوں جواب دیا: آسٹریلیا کا کہنا ہے کہ نہیں، کینیڈا کا کہنا ہے کہ نہیں، امریکہ کا کہنا ہے کہ نہیں۔ یہ ایک لحاظ سے بہت حوصلہ افزا بات تھی۔

کیا انہیں (بے وطن یہودیوں کو) ممبر ممالک میں ایک تناسب میں آباد کر دیا جائے گا؟ آسٹریلیا، جو زیادہ آبادی والا ایک چھوٹا سا ملک ہے جس میں گنجان علاقے ہیں، کہتا ہے نہیں، نہیں، نہیں۔ کینیڈا، اتنا ہی گنجان اور زیادہ آبادی والا ہے، کہتا ہے نہیں۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ، ایک عظیم انسان دوست ملک، ایک چھوٹا سا علاقہ، جس میں کم وسائل ہیں، وہ بھی کہتا ہے کہ نہیں۔

ان ممالک کا انسانیت کے اس اہم مسئلے پر یہ کردار ہے (کہ یہ بے گھر یہودیوں کو ان ممالک میں بھی واپس لینے کے لیے تیار نہیں جہاں سے ان کا تعلق رہا ہے)۔لیکن انہی ممالک کا اصرار ہے کہ انہیں (بے گھر یہودیوں کو) فلسطین میں بھیج دو، جہاں وسیع وعریض سرزمین ہے، ایک بڑی معیشت ہے اور کوئی پریشانی نہیں ہے۔ وہ وہاں آسانی سے جاسکتے ہیں (اور آباد ہو سکتے ہیں)۔

(بی بی سی اردو سروس 20 مئی 2021)



دین اسلام میں پاکیزگی اور نظافت

اقبال احمد نجم۔ مبلغ سلسلہ انگلستان

اسلام میں جو صفائی کی تعلیم پائی جاتی ہے وہ کسی بھی مذہب ،تہذیب اور نظام سے اعلیٰ وارفع اور جامع ہے۔سب سے پہلے تو یہ دیکھو کہ اسلام نے جو خدا دنیا کے سامنے پیش کیا ہے وہ قدوس اور صبوح یعنی وہ پاک اور تمام عیوب سے پاک ہے۔

اللہ جمیل ویحب الجمال فرمایا کہ وہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی اور نظافت کو پسند کرتا ہے۔

ایک بنیادی اصول:۔

جسم اور روح کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے یعنی جسم کی صفائی کا روح کی پاکیزگی پر بہت اثر پڑتا ہے۔اس لئے بہت ضروری ہے کہ دونوں طرف سے پاکیزگی اور طہارت کو اختیار کیا جائے۔

حضرت مسیح موعود علیہ اسلام فرماتے ہیں

قرآن مجید میں جو آیا ہے **و الرجز فاھجر** یعنی ہر ایک قسم کی پلیدی سے پرہیز کرو،ھجر دور چلے جانے کو کہتے ہیں۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ روحانی پاکیزگی چاہنے والوں کے لئے ظاہری پاکیزگی اور صفائی بھی ضروری ہے۔کیونکہ ایک قوت کا اثر دوسری پر اور ایک پہلو کا اثر دوسرے پہلو پر ہوتا ہے۔دو حالتیں ہیں۔جو باطنی حالت ،حالتِ تقویٰ اور طہارت اور طہارت پر قائم ہونا چاہتے ہیں وہ ظاہری پاکیزگی بھی چاہتے ہیں

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

ان اللہ یحب التوابین و یحب المتطھرین یعنی جو باطنی اور ظاہری پاکیزگی کے طالب ہیں میں اُن کو دوست رکھتا ہوں۔

ظاہری پاکیزگی باطنی طہارت کی مدد و معاون ہے۔اگر انسان اس کو چھوڑ دے اور پاخانہ پھر کر بھی طہارت نہ کرے تو اندرونی پاکیزگی اس کے قریب بھی نہ پھٹکے۔

پھر فرماتے ہیں

خدا تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور ان کو بھی دوست رکھتا ہے جو جسمانی طہارت کے پابند رہتے ہیں۔

سو توابین کے لفظ سے خدا تعالیٰ نے باطنی پاکیزگی اور طہارت کی طرف توجہ دلائی ہے اور **متطھرین** کے لفظ سے ظاہری طہارت اور پاکیزگی کی ترغیب دی ہے۔(ایام الصلح ۔روحانی خزائین جلد14 صفحہ336)

صفائی ایمان کا حصہ ہے:۔

دین جو روحانی بلندیوں کی معراج تک پہچانے کا دعویٰ کرتا ہے ظاہری صفائی پر بھی اسی شدّت سے زور دیتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے صفائی کو ایمان کا حصہ قرار دیا ہے۔فرمایا

اطھور شطر الایمان یعنی صفائی نصف ایمان ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الطھارہ باب فضل الوضوء حدیث نمبر 328)

ایک اور حدیث میں آتا ہے۔**بُنی الدین علی الفظافۃ**

(شفا عیاض جلد اوّل صفحہ 39)

کہ دین کی بنیاد ہی پاکیزگی پر رکھی گئی ہے۔ایک اور حدیث میں اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ان اللہ طیب یحب الطیب نظیف یحب النظافۃ یعنی اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزگی کو پسند کرتا ہے۔صاف یعنی عیوب سے منزّہ ہے اور صفائی کو پسند کرتا ہے۔

(جامع ترمذی کتاب الادب باب النظافۃ حدیث نمبر 2733)

فطرتِ انسانی میں صفائی کو رکھا گیا ہے:۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا

الفطرۃ خمس الختان و الا ستعداد و نتف الابط وقص

الشارب و تقلیم الاظفار

(بخاری کتاب اللباس باب قص الشارب۔حدیث نمبر 5439)

یعنی فطرت انسانی میں پانچ چیزیں رکھی گئی ہیں۔ختنہ کروانا،زیرِ ناف بال اتارنا،بغلیں صاف کرنا،موچھیں کاٹنا اور ناخن کاٹنا۔امریکہ میں جدید تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ ختنہ گردے اور پیشاب کی بیماریوں کی روک تھام میں مفید ہے۔ایک مطالعے کے مطابق کے غیر ختنہ شدہ افراد پیشاب کی بیماریوں میں گیارہ گنا زیادہ مبتلا ہوئے۔ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ ختنہ بہت فوائد اور مصالح کا موجب ہے۔(اردو ڈائجسٹ مئی 1990)

ایڈز کی بیماری کی تحقیق سے بھی معلوم ہوا ہے کہ جن قوموں میں ختنہ کا رواج ہے وہاں ایڈز بہت کم ہے۔

وضو اور اسکا طریق:۔

حاجاتِ ضروریہ کے بعد پانی سے طہارت کا حکم ہے

(ترمذی کتاب الطہارہ باب استنجاء بالماء حدیث نمبر 19)

دین اسلام میں پانچ فرض نمازیں ہیں اور ان سے قبل وضوء لازمی رکھا گیا ہے۔حدیث میں آتا ہے

لا تقبل صلٰوۃ بغیر طھور (ترمذی کتاب الطہارہ باب لاتقبل صلٰوۃ بغیر طھور حدیث نمبر 1)

اسی طرح فرمایا ہے کہ **مقتاح الصلوۃ الطھور** یعنی نماز کی کنجی وضو ہے(ترمذی کتاب الطہارہ باب ان مفتاح الصلوۃ طھور حدیث نمبر 3)

اللہ تعالیٰ نے سورۃ مائدہ آیت نمبر 7 میں وضوء کرنے کے متعلق بھی ارشاد فرمایا ہے

ترجمہ:۔اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم نماز کی طرف جانے کے لئے اٹھو تو اپنے چہروں کو دھو لیا کرو اور اپنے ہاتھوں کو بھی کہنیوں تک۔اور اپنے سروں کا مسح کیا کرو اور ٹخنوں تک اپنے پاوں بھی دھو لیا کرو اور اگر تم جنبی ہو تو نہا لیا کرو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں سے کوئی حوائجِ ضروریہ سے فارغ ہو کر آیا ہو یا تم نے عورتوں سے تعلق قائم کیا ہو اور اس حالت میں تمہیں پانی نہ ملے تو خشک پاکیزہ مٹی کا تیمم کرو اور اپنے چہروں اور ہاتھوں پر اس سے مسح کر لیا کرو۔اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی ڈالے لیکن چاہتا ہے کہ تمہیں بہت پاک کرے اور تم پر اپنی نعمت تمام کرے تا کہ تم شکر کیا کرو۔

اسی طرح آپ ﷺ نے ایک بار فرمایا:۔

اسباغ الوضوء علی المکارہ،طبیعت کی ناپسندیدگی اور روکوں کے باوجود اچھی طرح وضو کرو۔* ۔مسجد کی طرف کثرت سے جاؤ۔

*۔ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔

(ترمذی کتاب الطہارہ باب اسباغ الوضو۔حدیث نمبر 47)

ایک موقعہ پر صحابہ رضوان اللہ علیھم نماز کے لئے جلدی جلدی وضو کر رہے تھے اور بعض اعضاء اچھی طرح نہیں دھل رہے تھے تو رسولِ پاک ﷺ نے بلند آواز سے فرمایا:

ویل للاقاب من النار (بخاری کتاب العلم باب من رفع صوۃ بلعلم۔حدیث نمبر 58)

یعنی وہ ایڑیاں جو اچھی طرح دھوئی نہیں گئیں ان کے لئے آگ میں جلا کر ہلاکت کی خبر ہے۔

رسول پاک ﷺ کا عملی نمونہ:۔

حضرت بلال ؓ فرماتے ہیں کہ جس وقت بھی میرا وضو ٹوٹتا تھا میں فوراً وضو کر لیتا تھا۔

(مستدرک حاکم کتاب معرفۃ الصحابہ باب الموذنون اطول الناس جلد 3 صفحہ 385)

صحابہ اکثر باوضو رہتے تھے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی عام طور پر ہر وقت باوضو رہتے تھے۔جب کبھی رفع حاجت سے فارغ ہو کر آتے تھے،وضو کر لیتے تھے سوائے اس کے کہ کسی بیماری یا کسی اور وجہ سے رک جائیں۔(سیرت المہدی جلد اوّل صفحہ 2)

حضرت سلمان فارسی ؓ کہتے ہیں کہ میں نے تورات مین پڑھا تھا کہ کھانے کی برکت حاصل کرنے کا ایک طریق یہ بھی ہے کہ اس کے بعد ہاتھ دھوئے جائیں۔میں نے یہ بات رسول کریم ﷺ کے سامنے عرض کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کھانے کی برکت اس میں ہے کہ اس سے پہلے بھی اور بعد میں بھی ہاتھ وغیرہ دھوئے جائیں۔(شمائل ترمذی باب فی صفۃ وضوء رسول اللہ)

آنحضرت ﷺ نے منہ کی صفائی اور دانتوں کی صفائی کے متعلق بھی ارشاد فرمایا ہے۔

رسولِ پاک ﷺ نے فرمایا:۔

* ۔مسواک کرنا منہ کی پاکیزگی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا موجب ہے۔
(سنن نسائی کتاب الطہارۃ باب الترغیب فی اسواک حدیث نمبر 5)

* ۔اگر یہ میری امت کے لئے گراں نا ہوتا تو ہر نماز سے پہلے مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

* ۔مسواک کرنا لازم پکڑو۔مسواک کیا ہی اچھی چیز ہے۔وہ دانتوں کی زردی کو دور کرتا اور بلغم کو اکھیڑ پھینکتا اور آنکھوں کو روشن کرتا اور مسوڑھوں کو مضبوط بناتا اور بدبو کو دور کرتا اور مصلح معدہ اور باعثِ اضافہ درجات جنت اور موجب تعریفِ ملائکہ ہے اور خدا تعالیٰ کو راضی کرنے اور شیطان کو ناراض کرنے کا ذریعہ ہے۔
(بخاری کتاب الجمعہ باب اسواک یوم الجمعہ حدیث نمبر 838 اور 840)

* ۔وفات سے قبل جو آخری فعل آپ سے سرزد ہوا وہ مسواک کرنے کا ہے۔حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آپ نے مسواک اپنے دانتوں چبا کر نرم کر کے دی اور رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنے دانتوں پر اچھی پھیرا ۔(بخاری کتاب المغازی باب مرض النبی ووفاۃ حدیث نمبر 4084)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی مسواک بہت کیا کرتے تھے اور تازہ کیکر کی مسواک کیا کرتے تھے۔
(سیرت المہدی جلد 3 صفحہ 103 وفتاویٰ مسیح موعود علیہ السلام صفحہ 15)

جدید تحقیق سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دانتوں اور مسوڑھوں کی صفائی کے لئے مسواک ٹوتھ برش سے بہتر ہے کیونکہ اس کے ریشے ہر اُس جگہ پہنچ جاتے ہیں جہاں ٹوتھ برش کے ریشے نہیں پہنچ سکتے۔
(بحوالہ اردو ڈائجسٹ جون 1987 صفحہ 186)

لندن یونیورسٹی کے پروفیسر رچرڈ واٹ کی قیادت میں کئے گئے سروے کے مطابق جو برٹش میڈیکل میگزین میں شائع ہوا اور انہوں نے یہ سروے گیارہ ہزار لوگوں کے روزانہ کے معمولات پر آٹھ سال میں مکمل کیا،ان کا کہنا ہے کہ دن میں دو مرتبہ یعنی صبح وشام برش کرنے والوں میں دل کی بیماری کا امکان برش نہ کرنے والوں کے مقابلہ میں 70 فیصد کم ہوتا ہے۔کیونکہ جو لوگ دانت صاف نہیں کرتے ان کے منہ میں جراثیم زیادہ پنپتے ہیں جو دل کے امراض بڑھنے کا موجب بنتے ہیں۔

D aily MalayalaManorama Kannur kerala)
29 mai 2010)

غسل:۔

اب وضوء کے بعد غسل کا درجہ آتا ہے۔اسلام میں بعض حالات میں جب تک غسل نہ کرلیا جائے انسان عبادت کا اہل نہیں ہوتا۔اسی طرح جمعہ کے دن غسل واجب ہے۔عیدین سے قبل بھی غسل ضروری

* ۔صحابہ اکرام اپنا کام خود کرتے تھے اس لئے پسینہ آجاتا تھا اور جسم سے بو آتی تھی تو انہیں کہا جاتا تھا کہ بہتر ہے کہ تم نہا کر آؤ۔(بخاری کتاب البیوع باب کسب الرجل وعملہ بیدہ حدیث نمبر 1929)

* ۔حضرت عثمانؓ نے تو اسلام لانے کے بعد روزانہ غسل کرنے کا معمول بنالیا تھا۔(مسند احمد بن حنبل جلد 1 صفحہ 67)

* ۔باوجود صحابہ اکرام سادہ زندگی بسر کرتے تھے،مالی حالات بھی اتنے بلند پایہ نہیں تھے مگر غسل اور طہارت کے لئے حضرت انسؓ کے ہاں ایک حمام موجود تھا۔(بخاری کتاب السوم باب اُغتسال الصا ئم)

بالوں کی صفائی:۔

رسولِ کریم ﷺ کا اسوہ یہ تھا کہ باقائیدگی سے سر اور داڑھی کے بالوں میں تیل لگاتے تھے اور کنگھی کرتے تھے۔
(شمائل الترمذی باب ترجل رسول اللہ ﷺ)

کپڑوں کی صفائی:۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (المدثر۔5) کہ اپنے کپڑوں کو پاک اور صاف رکھو۔

چناچہ آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا اصلحو الباسکم یعنی اپنے لباسوں کو صاف اور درست رکھا کرو۔
ابوداود کتاب اللباس باب اسبال الازار۔حدیث نمبر 3566)

اجتماع گاھوں اور مساجد کی صفائی:۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا خذو ازینتکم عند کل مسجد (اعراف 32۔)

ایک خاتون ام محجن مسجد نبوی کی خدمت کرتی تھی۔ایک رات وہ فوت ہوگئی تو صحابہ نے اسے دفنا دیا۔لیکن جب آنحضرت ﷺ نے چند دن اسے نہ دیکھا تو اسکے متعلق دریافت فرمایا۔جب معلوم ہوا کہ وہ فوت ہوگئی ہے اور اسے دفنا دیا گیا ہے تو اپ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور اس کے لئے دعا کی۔

(بخاری کتاب الصلٰۃ باب کنس المسجد حدیث نمبر 438)

اسی طرح ایک اور روائیت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے مسجد کی صفائی کی بدولت اس عورت کو جنت میں دیکھا۔

(کتاب الصلوۃ باب الترغیب فی تنظیف المساجد)

حضرت عمرؓ بھی اپنے آقا کے نمونہ پر عمل پیرا تھے اور مسجد کو خود اپنے ہاتھوں سے صاف کرتے تھے۔ایک دفعہ آپ مسجد قبا تشریف لائے، جھاڑو منگوا کر کمر باندھی اور پھر تمام مسجد میں جھاڑو دی۔

(حاشیہ الاشیاء للحموی جلد 2 صفحہ 334)

آپ ﷺ نے جمعہ کے دن خوشبو لگا کر مسجد مین آنے کے لئے بھی فرمایا تھا۔(بخاری کتاب الجمعہ باب فضل الغسل یوم الجمعہ والاھن للجمعہ حدیث نمبر 830 تا 834)

آپ ﷺ نے فرمایا اربع من سنن المرسلین الحیاء و التعطر والتعطر و السواك والنكاح۔

(ترمذی کتاب النکاح باب فضل التزویج حدیث نمبر 1000)

یعنی چار چیزیں انبیاء کی سنت میں داخل ہیں۔حیاء، خوشبو لگانا، مسواک کرنا اور نکاح کرنا۔

آنحضرت ﷺ نے دنیا میں اپنی پسندیدہ ترین چیزوں میں سے ایک خوشبو کو قرار دیا ہے۔

(سنن نسائی کتاب عشرۃ النساء باب حب النساء حدیث نمبر 3878)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی کثرت کے ساتھ خوشبو استعمال کرتے تھے۔لکھا ہے جس جگہ جمعہ کے دن حضور نماز میں سجدہ فرماتے تھے وہاں سے بعد میں کئی کئی دن تک خوشبو آتی رہتی تھی۔(سیرۃ المھدی جلد 2 صفحہ 20)

اس بارے میں غیروں کی شھادت:۔

برما کے مسٹر ٹی آسنہا ایم اے میمو لکھتے ہیں:۔

اسلام کا دنیا کو سب سے بڑا تحفہ ایک خدا کی پرستش ہے۔اسلام خدا کو ایک ذات اور لاشریک مانتا ہے۔پانچ وقت کی نماز ہر مسلمان کا فرض ہے۔اسلام پاک و صاف کپڑوں اور پاک جسم کے ساتھ عبادت کرنے کا حکم دیتا ہے۔بغیر وضو کے نماز جائز نہیں۔ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ آنکھ اور ناک کے بہت سے امراض ان کو نجس اور ناپاک رکھنے کی وجہ سے ہوتے ہیں۔

جسم کے لئے ایک دفعہ غسل کافی نہیں۔چند گھنٹوں کے بعد وبائی امراض کے جراثیم ہمارے بدن پر آ بیٹھتے ہیں۔خاص کر ان حصّوں پر جو کپڑوں سے باہر رہتے ہیں۔وضو ان اعضاء کو پاک صاف کر دیتا ہے۔رمضان کے روزے رکھنے سے روحانی اور جسمانی دونوں فوائد حاصل ہوتے ہیں۔بہت سے ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ بہت سی بیماریاں جسم کے اندر ایک قسم کے زہر سے جمع ہونے سے ہوتی ہیں۔ڈاکٹر ہدایت کرتے ہیں کہ ہر بیماری تین سے لیکر سات دن تک فاقہ کرنے سے اچھی ہو جاتی ہے۔اس حکمت کا نام ہماری طب میں نیچرل پیتھی یا قدرتی علاج ہے۔اسلام نے اس علاج کو مذہب کا جزو بنا دیا ہے۔(عرض الانوار صفحہ 232)

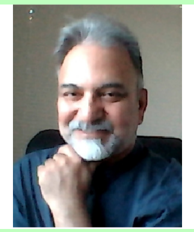
حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

اگر قرآن مجید کو غور سے پڑھو تو معلوم ہوگا کہ خدا تعالیٰ کے بے انتہا رحم نے یہی چاہا ہے کہ انسان باطنی پاکیزگی اختیار کر کے روحانی عذاب سے نجات پاوے اور ظاہری پاکیزگی اختیار کر کے دنیا کے جہنم سے بچا رہے جو طرح طرح کی بیماریوں اور وباؤں کی شکل میں نمودار ہوجاتا ہے۔اور اس سلسلہ کو قرآنی شریعت میں اوّل سے آخر تک بیان فرمایا گیا ہے۔جیسا کہ یہ آیت

ان اللہ یحب التوابین و یحب المتطھرین

صاف بتلا رہی ہے کہ توابین سے مراد وہ لوگ ہیں جو باطنی پاکیزگی کے لیے کوشش کرتے ہیں اور متطھرین سے مراد وہ لوگ ہیں جو ظاہری اور جسمانی پاکیزگی کے لئے جدوجہد کرتے رہتے ہیں۔

(ایام الصلح روحانی خزائین جلد 14 صفحہ 338)



بھارتی سپریم کورٹ میں قرآن کریم سے متعلق دائر کی گئی درخواست
اور ہمارا ردعمل

تحریر: ڈاکٹر طارق احمد مرزا

لطیفہ ہے کہ ملانصیرالدین چوپال میں چارپائی ڈال کر چادر تانے سورہے تھے کہ بچوں کو شرارت سوجھی۔ان میں سے ایک نے انہیں جھنجھوڑ کر جگایا اور چیختے ہوئے بتایا کہ فلاں بچہ آپ کی ریش مبارک استرے سے صاف کر کے لے گیا ہے۔ملانصیرالدین ہڑبڑا کر اٹھے۔آنکھیں ملتے ہوئے دیکھا،دُور ایک بچہ(طے شدہ پروگرام کے مطابق) بھاگتا جا رہا تھا۔پھر کیا تھا آپ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، بے نقط مغلظات سناتے،شور مچاتے ہوئے آپ نے بھی اسی سمت دوڑ لگادی۔مگر بچے نے بھلا کہاں ہاتھ آنا تھا۔ڈیڑھ دوکلومیٹر دوڑنے کے بعد تھک ہار کر آپ ہانپتے کانپتے ایک درخت کے سہارے کھڑے ہو گئے مگر واویلا جاری رکھا۔آخر ایک دیہاتی وہاں سے گزرا،ماجرا پوچھا تو جواب سن کر بمشکل ہنسی پہ قابو پاتے ہوئے بولا ملاجی آپ اتنے عالم فاضل شخص ہیں پہلے اپنے چہرے پہ ہاتھ تو پھیر کر دیکھ لیتے،ریش مبارک تو اسی طرح سے موجود ہے!۔

بدقسمتی سے برصغیر کے،خصوصاً بھارتی مسلمانوں نے کچھ اسی قسم کا ردعمل بھارتی سپریم کورٹ میں وسیم رضوی کی طرف سے دائر کردہ ایک ایسی درخواست کی خبر ملنے پر دکھایا ہے جس میں سپریم کورٹ سے استدعا کی گئی ہے کہ وہ قرآن کریم کی 26 ایسی آیات کو حذف کروائے جوان کے نزدیک نعوذباللہ مسلمانوں کو دہشتگردی پر اکساتی ہیں۔اس احمقانہ درخواست پر بھارت میں مسلمانوں نے جس طرح سے احتجاجی جلسے جلوس نکالنے شروع کر دیئے ہیں اور حتیٰ کہ وسیم رضوی کے سر کی قیمت بھی مقرر کر دی ہے تو یہ ردعمل بھی ایک بالغ نظر عقلمند مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔کیونکہ کم از کم اتنا علم تو ہونا چاہیئے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے،اسی نے نازل کی ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ بھی بڑے کھلے کھلے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے خودلیا ہوا ہے۔پس جب آپ اس قسم کا ردعمل دکھاتے ہیں تو آپ کا یہ عمل ثابت کرتا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ پر بھروسہ نہیں۔آپ کو شک ہے کہ کہیں واقعتاً ایک ملک کی سپریم کورٹ اس قسم کا حکم بھی جاری کر دے گی اور خاکم بدھن اس پر پوری دنیا میں عملدرآمد بھی شروع ہوجائے گا۔کلمہ ایمان یعنی" آمنت باللہ" کی پہلی شق اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہے جس کی ہر مسلمان (اقرار باللسان) اور (تصدیق بالقلب) کرتا ہے لیکن محض اقرارِ لسانی ہو اور تصدیقِ قلبی نہ ہو تو یہی نمونہ ظاہر ہوتا ہے جو ہم دیکھ رہے ہیں۔

یاد کریں جب ابرہہ ہاتھیوں کا لاؤ لشکر لے کر خانہ کعبہ کو تہس نہس کرنے کی نیت سے مکہ پر حملہ آور ہوا اور پہلے کچھ لوٹ مار شروع کی تو حضرت عبدالمطلب جو نبی پاک حضرت خاتم النبیین ﷺ کے دادا تھے اس کے سپہ سالاروں کے پاس آئے اور کہا کہ تم لوگوں نے میری جو بکریاں اور اونٹ وغیرہ قبضہ میں لے لئے ہیں میں انہیں لینے آیا ہوں۔اس پر ان فوجیوں نے ان کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ اس کو اپنی بکریوں کی پڑی ہوئی ہے،خانہ کعبہ کی حفاظت کی کوئی فکر نہیں جسے مسمار کرنا ہمارا اصل مقصد ہے۔

یہ بات سن کر آپ نے فرمایا کہ میں جس چیز کا مالک ہوں اسی کی حفاظت کا ذمہ دار ہوں،خانہ کعبہ کا مالک خدا ہے اور وہی اس کی حفاظت کرے گا!۔

اور پھر تاریخ نے ان کی بات سچی ثابت کر کے دکھا دی۔اسی طرح سے پندرہ سو سال ہو گئے،قرآن کریم بھی،جس کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے کیا ہوا ہے،محفوظ چلا آتا ہے۔ظاہری کتاب کی شکل میں بھی،سافٹ وئر کی صورت اور انٹرنیٹ پر بھی اور ہزاروں لاکھوں بلکہ کروڑوں حفاظ کرام کے دماغوں میں بھی۔تاریخ میں کئی ایسے واقعات ہیں جب قرآن میں تحریف، یا اس کی الہامی حیثیت کو مشکوک بنانے کی کوشش کی گئی لیکن ناکام رہی۔ابھی گزشتہ صدی کا ایک واقعہ ہے کہ ہندوستان میں ایک شخص کو یہ سوجھی

کہ قرآن کا نسخہ مختلف کاتبوں کے پاس باری باری لے کر گیا اور کہا کہ اگر وہ قرآن کریم میں موجود "خاتم النبیین" میں موجود لفظ "خاتم" کی زبر مٹا کر زیر لگادیں تاکہ اسے "خاتِم" پڑھا جائے، تو وہ اس کا بھاری معاوضہ دے گا لیکن سب نے انکار کر دیا۔ پھر واپس آکر یہ مذموم حرکت کرنے کا خود فیصلہ کر لیا لیکن قلم اٹھایا ہی تھا کہ اسی وقت قرآن کریم کے محافظ خدا نے اس کی روح قبض کر لی اور وہ ایک نشانِ عبرت بن گیا۔ قارئین کرام میرے دل میں بھارتی مسلمانوں کے جذبات نہایت مکرم بلکہ مقدس ہیں۔ لیکن ان سے یہ عاجزانہ درخواست ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت کے الٰہی وعدہ کو سمجھیں اس پر اپنا ایمان پختہ کریں۔۔ جتنا زیادہ منفی ردعمل دکھائیں گے، اس وسیم رضوی نامی شخص کو دنیا بھر خصوصاً مغرب میں موجود اسلام دشمن طبقہ میں شہرت اور اہمیت دلانے کا باعث بنیں گے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ جلوس نکالنے یا قتل کے فتوے جاری کرنے کی بجائے جن 26 آیات کو وسیم رضوی نے متنازعہ بنانے کی کوشش کی ہے ان کی سیاق و سباق کے حوالہ سے اس طرح کی درست تشریح پیش کریں جو اسلام کا اصل یعنی امن اور سلامتی کا پیغام دینے والی اور غلط فہمیاں زائل کرنے والی ہو۔

اس حوالہ سے راقم کے مشاہدہ میں بات بھی آئی ہے کہ بعض لکھنے والے (جو جلوسوں میں شامل نہیں ہوتے، لکھتے ہیں اور بظاہر "سکالر" دکھائی دیتے ہیں) بجائے اس کہ وسیم رضوی اور اس کے ہم خیال طبقہ کو مذکورہ آیات کے بارہ میں درست آگہی فراہم کریں، وہ ہندو دھرم کی کتابوں یا بائیبل وغیرہ سے اسی قسم کی عبارات ڈھونڈ ڈھونڈ کر پیش کرنے میں مصروف ہو گئے ہیں کہ دیکھو ان کی کتابوں میں بھی یہی لکھا ہے۔ حالانکہ وسیم رضوی نہ تو ہندو ہے اور نہ ہی عام یا انتہا پسند ہندوؤں نے اس کے اس قابل صد مذمت اقدام کی حمایت کی ہے بلکہ بریت کا اظہار کیا ہے۔ میری حقیر رائے میں اگر دونوں طرف سے الزامی جوابات اسی طرح سے لگائے جاتے رہے کہ تم بھی تلوار کا ذکر کرتے ہو ہم بھی تلوار کا ذکر کر لیں تو کون سی قیامت ٹوٹ پڑی۔ ان باہمی الزامات کو سننے یا دیکھنے والی نوجوان نسل، جس کا ادیان عالم اور ان کی مقدس کتابوں کے بارہ میں زیادہ علم نہیں وہ تو اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ کیا ہندو، کیا عیسائی اور کیا مسلمان، سبھی ایک جیسے ہیں، سبھی تلوار اور قتال کی تعلیم کے حامل ہیں۔ اور سیکولر

نظم

مولانا ظفر محمد ظفرؔ



خدا کی رہ میں ذلیل ہونا اور اس کی رہ میں فقیر ہونا
یہی تو عزت ہے عاشقوں کی یہی ہے ان کا امیر ہونا
وزیر بننے کی مجھ کو خواہش نہ چاہتا ہوں سفیر ہونا
مجھے تو بھاتا ہے میرے پیارے ترے ہی در کا فقیر ہونا
مری فقیری مجھے امیری، مری گدائی ہے مجھ کو شاہی
رہے تمہیں منعمو مبارک! امیر ہونا کبیر ہونا
عزیز ہوں گر نگہ میں تیری تو مجھ کو منظور ہے خوشی سے
بچشمِ دنیائے بے حقیقت ذلیل ہونا حقیر ہونا
میں دینِ احمدؐ پہ جان و دل سے کروں گا قربان ذرّہ ذرّہ
مگر یہ ہے شرط میرے پیارے کہ تو بھی میرا نصیر ہونا
کبھی بشارت وصال کی دی کبھی مجھے ہجر سے ڈرایا
سمجھ میں آیا ہے اس طرح بھی ترا بشیر و نذیر ہونا
مزا تو جب ہے حضورِ انور کہ دل ہمارا بھی ہو منوّر
اگرچہ ہے ہر طرح مسلّم ترا سراجِ منیر ہونا
کٹھن ہے عشق و وفا کی منزل تڑپ رہے ہیں ہزار ہا دل
قسم تجھے تیری حُسنِ کامل ذرا مرے دستگیر ہونا
اگر نہیں آتشِ محبت تو خاک ہے زندگی کی لذّت
عجیب نعمت ہے اس جہاں میں ظفرؔ کسی کا

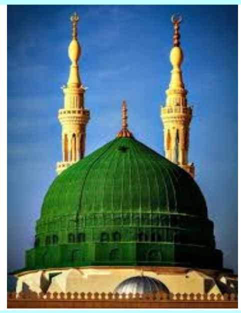
طبقہ جو یہ کہتا چلا آرہا ہے کہ مذہب بنیادی طور پر ہے ہی جملہ فساد کی جڑ، تو یہ بالکل درست معلوم ہوتا ہے۔

تو ایسے میں جیسا کہ آج سے سو برس قبل برصغیر میں یہ تحریک شروع کی گئی تھی کہ مختلف مذاہب کے ماننے والے بجائے ایک دوسرے پر الزامی حملے کرنے کے، ایسے اجلاسات اور کانفرنسیں منعقد کرنا شروع کریں جن میں اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کی جائیں اور سوالات کے جوابات دے کر ان کے بارہ

میں پھیلائی گئی غلط فہمیاں دور کی جائیں نہ کے دوسروں پر اعتراض۔آج کا نوجوان اس میں دلچسپی نہیں رکھتا کہ آپ دوسروں کی کتابوں سے کیا کچھ نکال نکال کر دکھانے میں کمال رکھتے ہیں، بلکہ یہ جاننے کی خواہش رکھتا ہے کہ آپ اپنے مذہب کی وکالت میں کس حد تک حق کے متلاشیوں کو مطمئن کر پاتے ہیں۔جہاں تک وسیم رضوی کی اس درخواست کے قانونی پہلوؤں کا تعلق ہے تو ان کا جائزہ لیتے ہوئے قانونی ماہرین نے بتایا ہے کہ ابھی تو یہ بھی طے ہونا ہے کہ اس قسم کی درخواست بھارتی سپریم کورٹ سماعت کے لئے قبول بھی کرتی ہے یا نہیں۔عموماً جب کسی" کتاب" کے خلاف عدالت میں درخواست دی جاتی ہے تو اس میں دوسری پارٹی یعنی" فریق مخالف" کتاب کا مصنف ہوتا ہے کیونکہ عدالت کے لئے مصنف کا نکتہ نظر بھی سمجھنا انتہائی ضروری ہوتا ہے، یکطرفہ فیصلہ تو نہیں دیا جا سکتا۔وسیم رضوی نے کتاب کے مصنف یعنی خالق (اللہ تعالیٰ) کو تو پارٹی ٹھہرایا نہیں بلکہ یہ دعویٰ کیا ہے کہ مذکورہ آیات پہلے تین خلفاء راشدین کی تخلیق کردہ ہیں۔لیکن انہیں بھی مدعا علیہ پارٹی نہیں ٹھہرایا (ویسے وہ بھی اب دنیا میں موجود نہیں) بلکہ لگ بھگ ساٹھ عدد بالکل ہی غیر متعلق قسم کے افراد اور اداروں کو فریق بنایا ہے جو وسیم رضوی کی قابل رحم دماغی حالت کی غمازی کرتا ہے۔اس میں علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور حتیٰ کہ اردو ادب کی ایک انجمن اور کچھ مدرسہ جات کو بھی فریق ٹھہرایا ہے جس کی کوئی تک ہی نہیں بنتی۔پھر یہ بھی واضح نہیں کیا گیا کہ کیا درخواست گزار صرف انڈیا میں موجود قرآن کریم کی کاپیوں میں تحریف کروانا چاہتا ہے یا دنیا بھر کی۔تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہندوستان کی سپریم کورٹ کو اس قسم کا" مینڈیٹ" حاصل ہے؟۔دنیا بھر میں ایک ہی قرآن ہر ملک اور ہر خطے میں پایا جاتا ہے۔کیا درخواست گزار دنیا کے دوسو سے زائد ممالک میں جا کر اس قسم کی درخواستیں وہاں کی عدالتوں میں دینے کا ارادہ رکھتا ہے؟۔اور یا پھر کیا دنیا بھر کی حکومتیں بھی بھارتی عدالت کے ماتحت آتی ہیں؟۔

جن مدرسوں کا ذکر کیا گیا ہے کیا وہ" مدرسے" چل کر عدالت میں" بیان" حلفی دینے آئیں گے۔کیا مدرسے بولتے ہیں؟۔اندھے کو اندھیرے میں بہت دور کی سوجھی۔یہ بات خوش آئیند ہے کہ کچھ مسلمان بھارتی وکیل اس درخواست کے قانونی پہلوؤں کا بغور جائزہ لے کر عوام الناس کو سوشل میڈیا پر شعور و آگہی بہم پہنچا رہے کہ تشویش کی ضرورت نہیں، خاطر جمع رکھیں اور اپنے معمولات جاری رکھیں۔اس قسم کی بے تکی درخواستیں پہلی پیشی پر ہی نا قابل سماعت قرار دے دی جاتی ہیں۔ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ وسیم رضوی نے اپنی درخواست میں اس بات کا کوئی تاریخی دستاویزی ثبوت بھی پیش نہیں کیا جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ قرآن مجید میں کوئی غیر الہامی عبارات داخل کی جا چکی ہیں۔اور پھر ساتھ ہی اس بات کا اعتراف بھی وسیم رضوی نے اسی درخواست میں یہ کہتے ہوئے کیا ہے کہ اصل میں قرآن نہیں بلکہ اس کی مختلف طریق پر کی گئی تفاسیر ہیں جو کہ متضاد قسم کی سوچ کے پروان چڑھنے کا باعث بن رہی ہیں۔لیکن اس کے ساتھ آپ نے کسی بھی تفسیر یا مفسر کا ذکر یا حوالہ پیش نہیں کیا۔گویا پوری درخواست بے بنیاد مفروضوں پر مشتمل اور تضادات کا مجموعہ ہے۔اس پر معزز عدالت ان کی درخواست یہ کہتے ہوئے خارج کر سکتی ہے کہ پھر اصل درخواست ان مفسرین کے خلاف دینی چاہیئے تھی نہ کہ قرآن کریم کے متعلق۔جملہ معروف اور اکابر مفسرین بھی اب دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں پس لگتا ہے کہ آپ کا بیچارہ دماغ ہی ہے جس میں کم علمی کی وجہ سے تضاد اور کنفیوژن اچھی خاصی مقدار میں پیدا ہو چکا ہے۔وسیم صدیقی صاحب آیئے اور قرآنی انوار و علوم اور ان کے اسلوب سے خود کو آشنا کرنے کی کوئی سبیل ڈھونڈیئے۔

نورِ فرقاں ہے جو سب نُوروں سے اَجلا نکلا
پاک وُہ جس سے یہ اَنوار کا دریا نِکلا
ہے قصور اپنا ہی اندھوں کا وگرنہ وہ نُور
ایسا چمکا ہے کہ صد نیّرِ بَیضا نکلا
زندگی ایسوں کی کیا خاک ہے اس دُنیا میں
جن کا اِس نُور کے ہوتے بھی دل اَعْمیٰ نکلا
جلنے سے آگے ہی یہ لوگ تو جل جاتے ہیں
جن کی ہر بات فقط جھوٹ کا پُتلا نکلا !



پیارے محبوب آقا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محبوب شہر

سید حسن خان ۔لنڈن



''مدینہ منورہ'' مدینہ منورہ کے نام! مدینہ منورہ کے چھ نام تھے جو درج ذیل ہیں!

۱۔یثرب۔ ۲۔ مدینہ منورہ۔ ۳۔طابہ۔ ۴۔طیبہ۔ ۵۔الدّار۔ ۶۔الایمان۔

یاد رہے کہ مسلمانوں کی ہجرت سے قبل اس شہر کا نام یثرب تھا۔مگر بعد میں آنحضرت ﷺ نے اس کا نام مدینہ منورہ فرمایا۔

محل وقوع۔مدینہ منورہ سعودی عرب کے مغرب میں درمیانی حصہ میں واقع ہے۔اس کا طول 36039 اور عرض 28024 ہے اور سطح سمندر سے بلندی 625 میٹر ہے۔مکّہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کا فاصلہ 430 کلومیٹر اور تقریباً 340 میل ہے۔

موسم!۔مدینہ منورہ کا موسم خشک ہے۔موسم گرما میں درجہ حرارت 30۔45 کے درمیان رہتا ہے۔اور موسم سرما میں 10۔25 ڈگری کے درمیان رہتا ہے۔سب سے زیادہ درجہ حرارت جون سے ستمبر تک رہتا ہے۔بارشیں عموماً نومبر،جنوری سے اپریل تک ہوتی ہیں۔یہاں کی ہوا عموماً پُرسکون رہتی ہے۔

آبادی!۔طوفانِ نوح کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی نسل میں سے پانچویں اور چھٹی نسل کے لوگ سب سے پہلے یہاں آ کر آباد ہونے شروع ہوئے۔اس کے بعد وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی آبادی بڑھنی شروع ہوگئی۔اس طرح بعد میں عرب کے دیگر مختلف علاقوں سے لوگ انفرادی طور پر یہاں آباد ہوتے گئے۔589 قبل مسیح میں بابل کے فرمانروا بخت نصر نے یہود کو نکالا تو ان میں سے بڑی تعداد نے یہاں آ کر پناہ لی۔اس کے بعد یہودیوں کے دیگر قبائل نے دوسری صدی عیسوی میں یہاں آ کر بود و باش اختیار کی۔جن میں مشہور قبائل بنونضیر، بنو قریضہ، اور بنوقینقاع تھے۔اس کے بعد اوس اورخزرج یمن سے آ کر یہاں آباد ہوئے۔ایک اندازے کے مطابق اسلام سے پہلے اس شہر کی آبادی تقریباً بارہ ہزار کے لگ بگ تھی۔مگر جب مسلمانوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کی تو یہاں کی آبادی میں خاصا اضافہ ہو گیا۔مگر چودھویں صدی عیسوی میں اس مبارک شہر نے بڑی ترقی کی جس کی بڑی وجہ ریل گاڑیوں کی سہولت تھی جس سے بڑی تیزی کے ساتھ اس شہر کی آبادی میں اضافہ ہوتا گیا۔موجودہ سعودی دور کے آغاز 1925 ء میں پھر یہاں کی آبادی میں خاصا اضافہ ہوتا چلا گیا۔ایک اندازے کے مطابق 1992 ء میں چھ لاکھ افراد پر مشتمل آبادی ریکارڈ کی گئی۔اور 2012ء میں یہاں کی آبادی گیارہ لاکھ سے اوپر ریکارڈ کی گئی۔

مدینہ منورہ کے بانی!۔تاریخ دانوں کی رائے کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کے پوتوں میں سے چھٹی یا آٹھویں نسل نے اس شہر کو بسایا تھا۔اس کا قبیلہ ''عبیل'' کے نام سے معروف ہے۔مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ اور لوگوں نے بھی انفرادی اور اجتماعی طور پر اس مبارک بستی کا رُخ کیا۔اس کے بعد قوم عمالیق کے لوگ بھی آئے جنھوں نے اس بستی کو زراعتی بستی بنا دیا۔

132 ء میں یہاں یہودیوں کے 3 قبیلے پہنچے۔جن میں بنو قریضہ، بنونضیر اور بنوقینقاع تھے۔ان قبائل نے اپنی روائتی تجارت اور زراعت پر اپنی توجہ مرکوز کی۔بعد میں دو اور قبیلے ''اوس'' اور ''خزرج'' نے یمن سے ہجرت کر کے یثرب کے غیر آباد علاقہ کو اپنا مسکن بنایا۔یہودیوں نے ان دو قبیلوں سے مزدوری لینی شروع کی۔مگر وقت کے ساتھ ساتھ جب یہ دو قبیلے بھی اپنی محنت سے طاقت پکڑتے گئے تو یہودیوں کے دلوں میں ان کے لئے نفرت کے جذبات اُبھرنے لگے۔پھر یہودیوں نے ان سے اپنے عہدو پیما توڑ کر ان پر

ظلم وستم ڈھانا اور ہر لحاظ سے تنگ کرنا شروع کر دیا۔بعضوں کو قتل بھی کر دیا جس سے اوس اور خزرج قبیلوں نے شام کے غسان قبیلہ سے مدد طلب کی۔جس سے غسان قبیلہ نے ایک بڑا لشکر تیار کر کے بھیجا جس نے یہودیوں کی شان وشوکت کو خاک میں ملا دیا۔مگر پھر بھی اوس اور خزرج قبیلوں کی یہودیوں کے قبیلوں سے تقریباً ایک سو بیس سال تک یہودیوں میں خون ریز جنگ چلتی رہی۔آخری اور مشہور جنگ ''بعاث'' کہلائی جس میں فریقین کی ایک بڑی تعداد ہلاک ہوئی۔مگر جب آنحضرت ﷺ نے اور صحابہ کرامؓ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو اسلام کی پیاری تعلیم اور بھائی چارہ نے پھر دونوں حریف قبیلوں کو ایک دوسرے کا رفیق بنا دیا۔

عہدِ نبوی ﷺ!۔(1 سے 11ھ ۔632ء۔ 622ء) جب آپ ﷺ نے مدینہ ہجرت فرمائی تو بڑی اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں۔یثرب سے مدینہ منورہ ہو گیا۔ اوس اور خزرج قبیلوں اور یہودی قبیلوں کے درمیان جو برسوں سے دشمنیاں اور عداوتیں چلی آ رہی تھیں محبت اور اخوت میں بدل گئیں۔یہودیوں اور اوس اور حزرج کے قبیلوں میں سے بعض نے اسلام قبول کر لیا اور باقی یہودیوں نے اپنے مذہب پر رہتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے موافقت کے ساتھ رہنے کا عہد کر لیا۔ادھر کفار مکہ کو مسلمانوں کے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کا جو دُکھ تھا کہ ان کے ہاتھ سے مسلمان کیسے نکلتے جا رہے ہیں انہوں نے ان کو زیر کرنے کیلئے ایک لشکرِ جرار لے کر مدینہ منورہ کی طرف لشکر کشی کی۔ادھر جب مسلمانوں کو اس کی خبر ہوئی تو مسلمان بھی مدینہ منورہ سے نکل کر ان کے مقابلہ کے لئے نکل کھڑے ہوئے بالآخر بدر کے مقام پر دونوں کا مقابلہ ہوا جس میں کفار مکہ کو سخت ہزیمت اٹھانی پڑی۔یہ جنگ ۲ ہجری میں ہوئی۔اس کے بعد دو اور جنگیں بھی ہوئیں جن میں جنگِ احد اور جنگ خندق ہے۔ہر جنگ میں خدا تعالیٰ نے کفار مکہ کو شکست سے دوچار کیا۔

خلافِ راشدہ کا زمانہ!۔پیارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفی ﷺ کی وفات کے بعد خلافتِ راشدہ کا زمانہ 632ء سے 660ء تک رہا۔جو کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ،حضرت عمر بن خطابؓ ،حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ ۔حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت حسنؓ کی بیعت لی گئی تو حضرت حسنؓ نے فتنہ سے بچنے کیلئے حضرت میر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست برداری اختیار کر لی۔

بنو امیہ کا دور 656ء سے 660ء رہا اس کے بعد یکے بعد دیگرے عباسی دور 749ء سے 1258ء، پھر مما لیکی دور 1254ء سے 1517ء تک، عثمانی حکمرانی دور 1017ء سے 1805ء تک پھر سعودی حکمرانی کی عہد اوّل دور 1805ء سے 1811ء پھر محمد علی پاشا کا دور 1811ء سے 1840ء تک ،پھر عثمانی حکومت کا دوسرا دور 1840ء سے 1918ء تک ،اس کے بعد ہاشمی دور 1918ء سے 1925ء تک۔ہاشمی دور حکومت کے بعد پھر سعودی قائدین نے ایک بڑا لشکر بھیجا جس نے مدینہ منورہ کا سات ماہ تک محاصرہ کیا۔بلا آخر سعودی حکومت نے مدینہ منورہ کو سعودی حکومت کا حصہ بنا لیا۔اس طرح ہاشمی دور ختم ہو کر سعودی دور کا آغاز ہو گیا۔اس دور میں سعودی حکومت نے مدینہ منورہ کی ترقی کے لئے دن رات کام کیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے زائرین کے لئے ہر طرح سے آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں۔مدینہ منورہ کے بارہ حضرت امام بخاریؒ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرم قرار دیا اور اس کے لئے دعا کی ہے۔مَیں مدینہ منورہ کو حرم قرار دیتا ہوں۔نیز حضرت امام بخاریؒ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ منورہ عیر پہاڑی سے ثور پہاڑی تک حرم ہے۔جس نے یہاں کوئی برائی کی یا کسی برائی کرنے والے کو پناہ دی اس پر اللہ تعالیٰ کی فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔

مسجد نبوی کی تاریخ!۔ہمارے آقا حضرت محمد مصطفی ﷺ جس وقت مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے ،آپؐ نے اس جگہ مسجد کی بنیاد رکھی جہاں آپؐ کی اونٹنی بیٹھی تھی۔مسجد کی اس وقت بناوٹ چوکور تھی جس کا رقبہ تقریباً ایک ہزار ساٹھ میٹر مربع تھا۔

(حوالہ مدینہ منورہ ماضی وحال کے آئینہ میں صفحہ ۴۴)

۷ ہجری 628ء میں مسلمانوں کی تعداد بڑھنے سے مسجد تنگ ہو گئی تو آپؐ نے اس کی توسیع کا حکم صادر فرمایا۔چنانچہ اس کا رقبہ مغرب اور شمال سے دو ہزار چار سو پچھتر مربع میٹر ہو گیا۔پھر ۸ ہجری 706ء میں اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک نے توسیع کا بیڑہ اٹھایا اور توسیع مغرب شمال اور مشرق کی سمتوں میں ہوئی۔اس توسیع میں حجرہ حضرت عائشہؓ جس میں مزار مبارک آنحضرت

ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت عمر بن خطاب ؓ شامل ہیں۔اس کے علاوہ تمام حجروں کو بھی مسجد نبوی میں شامل کرلیا گیا۔اس کے علاوہ عباسی خلیفہ مہدی نے مسجد نبوی کی توسیع کا حکم دیا۔اس طرح مسجد نبوی کا کل رقبہ 8ہزار آٹھ سونوے(8890)مربع میٹر ہوگیا۔اس کے بعد یکے بعد دیگرے ہر دور میں اس کی توسیع ہوتی رہی۔بلاآخر 1984ء میں خادم حرمین شریفین شاہ فہد نے زائرین کی تعداد میں اضافہ کی وجہ سے مسجد نبوی کی بڑی توسیع کا حکم دیا۔اس کی تکمیل میں 10 سال کا عرصہ لگا۔اور اس میں 82 ہزار مربع میٹر کا مزید اضافہ ہوگیا۔جس کے بعد مسجد نبوی کا کل رقبہ چار لاکھ تین سو ستائیس ہزار مربع میٹر ہوگیا۔2005ء میں ملک عبداللہ بن عبدالعزیز نے مسجد نبوی کے صحن میں دھوپ سے بچاؤ کیلئے 250 بڑی بڑی چھتریاں لگوائیں،پنکھے لگوائے گئے اور ہوا کو ٹھنڈا رکھنے کیلئے پانی کا اسپرے کرنے انتظام کیا گیا۔اِس وقت تقریباً 20لاکھ نمازیوں کی گنجائش موجود ہے۔

مسجد نبوی میں چند تاریخی آثار:ریاض الجنۃ اور روضہ شریف وہ جگہیں ہیں جو آنحضرت ﷺ کے گھر یعنی (حجرہ حضرت عائشہؓ)سے منبر شریف کے درمیان میں واقع ہیں۔یعنی جنت کی کیاری یا باغیچہ۔یہ نام اس لئے ہے کہ حدیث شریف میں ہے جسے حضرت امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ''میرے گھر اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے۔''اس روضہ مبارک کے قبلہ والی دیوار میں وہ محراب نبوی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نماز کی امامت فرمایا کرتے تھے۔اس ریاض الجنۃ کے مغربی کونہ پر منبر شریف ہے۔اس میں بہت سے ستون ہیں جن میں سے بعض کے متعلق اہم واقعات وابستہ ہیں۔جسے ستون عائشہؓ، ستون وفود، ستون توبہ، ستون مخلقہ،ستون سریر اور ستون حرس ہیں۔

محرابیں:۔اس وقت مسجد نبوی میں مندرجہ ذیل پانچ محرابیں ہیں۔

نمبر ا۔محراب نبوی:محراب نبوی ریاض الجنۃ میں واقع ہے۔اس کو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس جگہ پر بنوایا جہاں پر آنحضرت ﷺ تحویل قبلہ کے بعد صحابہ کرامؓ کی امامت فرماتے تھے۔موجودہ محراب کو 1483ء میں سلطان اشرف قایتبائی نے بنوایا تھی۔

نمبر ۲۔محراب عثمانی:۔یہ محراب مسجد نبوی کے آگے والا حصہ میں قبلہ والی دیوار میں ہے جہاں حضرت عثمان غنیؓ مسجد نبوی میں نماز پڑھایا کرتے تھے۔بعد میں سلطان اشرف قایتبائی نے 1483ء میں تجدید و ترمیم کروائی جہاں پر آج بھی امامت ہوتی ہے۔

نمبر ۳۔محراب تہجد:۔جہاں پر عموماً آنحضرت ﷺ تہجد ادا فرماتے تھے۔

نمبر ۴۔محراب سیدنا فاطمہؓ:۔جہاں پر حضرت فاطمہؓ کا گھر تھا۔

نمبر ۵۔محراب سلیمانی یا محراب حنفی:۔جس کو طوغان شیخ نے 1455ء میں بنوایا تھا۔پھر بعد میں سلیمان قانونی نے 1531ء میں اس کی تجدید کروائی اس لئے اس کی طرف یہ محراب منسوب ہوتی ہے۔

نمبر ۶۔منبر شریف:۔پیارے آقا و مولیٰ حضرت محمد ﷺ ایک لکڑی سے ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے اس کو بعد میں ایک منبر تیار کیا گیا۔جس میں تین درجے تھے اس کو محراب کی مغربی جانب رکھ دیا گیا۔1226ء میں مسجد نبوی کو آگ لگنے سے یہ منبر بھی جل گیا۔جس کو بعد میں سلطان مراد عثمانی کے دور میں 1589ء میں دوبارہ تیار کیا گیا۔

نمبر ۷۔محراب صفہ:۔یہ وہ محراب ہے جس کو ایسے مہاجرین کی رہائش کیلئے تیار کیا گیا تھا جو بغیر بیوی بچوں کے،فقراء اور مساکین تھے۔جن کا خاص کام تعلیم قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ سے یا صحابہ کرامؓ سے احکام شریفہ کا سیکھنا اور سکھانا تھا۔اصحابِ صفہ میں سے بعض صحابہ کرامؓ مشہور ہوئے جن میں سب سے زیادہ مشہور حضرت ابوہریرہؓ ہیں۔

مدینہ منورہ میں چند مشہور مساجد:۔مسجد قباء:۔یہ وہ پہلی مسجد ہے جو زمانہ اسلام میں تعمیر ہوئی۔جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر یہاں تشریف لائے تو آپؐ نے اس جگہ کو مسجد کی جگہ تعین فرمائی اور اس کی تعمیر میں بنفس نفیس شرکت فرمائی۔آپ ﷺ گاہے بگاہے یہاں تشریف لے جاتے اور اس مسجد میں نماز ادا فرماتے۔خصوصاً ہفتہ کے روز آپؐ تشریف لے جایا کرتے رہے۔اس مسجد کے بارہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس مسجد میں جس نے نماز پڑھی تو اس کو عمرہ کا ثواب ملے گا۔(سنن ابن ماجہ)

اس مسجد کی فضیلت کی وجہ سے ہر دور میں اس مسجد کی تعمیر و توسیع کا حکم جاری ہوتا رہا۔

مسجد جمعہ:۔اس مسجد کے نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ پہنچنے کے بعد سب سے پہلے اسی مسجد میں جمعہ کی نماز ادا فرمائی۔اس کی تجدید و توسیع متعدد بار ہوئی۔اور آخری توسیع 1991ء میں ہوئی۔

مسجد اجابہ(مسجد بنو امعاویہ):۔یہ مسجد نبوی کے شمال مشرق میں 580 میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ بنو امیہ کے محلہ میں عہد نبوی میں تعمیر ہوئی۔گذشتہ صدیوں میں متعدد بار اس کی تجدید و توسیع ہوتی رہی۔آخری توسیع سعودی حکمران شاہ فہد کے زمانہ میں ہوئی۔

مسجد ابوذر(مسجد السجدہ):۔یہ مسجد نبوی کے شمال کی سمت میں 900 میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔یہ مسجد السجدہ اور مسجد الشکر سے بھی معروف ہے۔مگر اس وقت یہ مسجد ابوذر کے نام سے مشہور ہے۔

مسجد میقات:۔یہ مسجد، مسجد نبوی سے تقریباً 12 کلومیٹر کے دوری پر واقع ہے۔اس مسجد کی پہلی تعمیر حضرت عمر بن عبد العزیر نے 712ء میں کی۔آخری توسیع شاہ فہد کے دور میں ہوئی۔اس مسجد میں ملحق غسل خانہ،وضو کرنے اور احرام باندھنے کی سہولیات میسر ہیں۔

مسجد قبلتین:۔یہ بھی ایک تاریخی مسجد ہے جو قبیلہ بنو سلمہ خزرجی کے علاقہ میں تھی۔اس کا فاصلہ مسجد نبوی سے بجانب شمال مغرب 5 کلومیٹر ہے۔اس مسجد کی وجہ تسمیہ کی ایک روایت ہے کہ اس مسجد میں جبکہ آنحضرت ﷺ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرما رہے تھے تو آپؐ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے قبلہ کی تحویل کا حکم ہوا تو آپؐ نے خانہ کعبہ کی طرف رُخ بدل فرمایا۔اس مسجد کی تجدید متعدد بار ہوئی۔اس مسجد میں ایک حصہ خواتین کیلئے خاص ہے جس کا رقبہ 400 مربع میٹر ہے۔بیشک یہ مسجد بہت حسین و جمیل ہے۔اس مسجد کے اندر باقائدہ سمت بھی لکھی ہوئی ہے کہ پہلے کس طرف قبلہ تھا۔جو کہ خانہ کعبہ کی بالکل پچھلی طرف ہے۔

مسجد رایہ:۔یہ چھوٹی سی مسجد ذباب پہاڑی کے اوپر بنائی گئی ہے۔روایت ہے کہ غزوہ خندق کے موقع پر آنحضرت ﷺ کیلئے خیمہ یہاں پر نصب کیا گیا تھا۔یہ مسجد حضرت عمر بن عبد العزیز کے دور میں 712ء میں تعمیر ہوئی۔اس کا رقبہ صرف 61 میٹر ہے اور اونچائی 5 میٹر ہے۔

مسجد غمامہ(مصلی):۔ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید کی نماز یہاں ادا فرمائی تھی۔اس مسجد کی تجدید متعدد بار ہوئی۔عثمانی فرمانروا سلطان عبد المجید نے 1275ھجری اور 1858ء میں اس کی تعمیر نو کی اور ابھی تک یہ اسی حالت میں ہے۔

مسجد ابوبکر صدیقؓ:۔یہ مسجد نبوی کے جنوب مغرب میں 100 میٹر کی دوری پر واقع ہے۔ایک روایت میں ہے کہ اس جگہ پر آنحضرت ﷺ نے عید کی نماز ادا فرمائی تھی۔آپؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی عید کی نماز ادا کی۔جس کی وجہ سے اس مسجد کا نام مسجد ابوبکر صدیق ہے۔

مسجد عمر بن خطابؓ:۔اس مسجد کی تعمیر شمس الدین محمد بن احمد السلاوی نے 1446ء میں کرائی۔اس مسجد کی تجدید کا کام عثمان فرمانروا عبد المجید اوّل نے 1849ء میں کروایا۔اس کی تعمیر پتھروں سے کی گئی ہے۔

مسجد علی بن ابی طالبؓ:۔یہ مسجد نبوی کے شمال مغرب میں تقریباً 300 میٹر کی دوری پر واقع ہے۔روایت ہے کہ اس جگہ پر بھی آنحضرت ﷺ نے نماز عید پڑھائی تھی۔اور حضرت علی بن ابی طالبؓ نے بھی یہاں نماز عید پڑھائی۔سب سے پہلے اس مسجد کی تعمیر حضرت عمر بن عبد العزیز کے عہد مبارک 712 ہجری میں ہوئی۔اس کی بھی متعدد بار تجدید ہوئی۔

مساجد فتح:۔سلع پہاڑ کی مغرب سمت میں مختلف ناموں کی چھوٹی چھوٹی 6 مساجد ہیں۔پہلے اس کا نام مسجد فتح(یا مساجد فتح) تھا مگر اس وقت یہ ''مساجد سبعہ'' (سات مساجد) کے نام سے معروف ہے۔ان میں سے مشہور مسجد فتح ہے۔جہاں پر جنگ خندق کے موقع پر آنحضرت ﷺ کا خیمہ لگایا گیا تھا۔اور آپؐ نے تین دن تک اسی جگہ پر کامیابی کی دعائیں فرمائی تھیں۔اس کے ساتھ ساتھ بقیہ مساجد تھوڑی تھوڑی دوری پر واقع ہیں۔مگر ان سب مساجد کے قریب ایک بڑی مسجد تعمیر کی گئی ہے جس کا نام مسجد خندق رکھا گیا ہے۔

چند مشہور مقامات: جرف:۔یہ مقام مدینہ منورہ کے شمال مغرب میں واقع ہے۔اور مسجد نبوی سے تقریباً 7 کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔نہر وادی عقیق

یہیں سے گزرتی ہے۔

حمراء الاسد:۔ یہ جگہ مدینہ منورہ سے جنوب مغرب میں اور مسجد نبوی سے 16 کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ یہ جگہ اس لئے مشہور ہے کہ غزوہ احد سے فارغ ہوکر جب آپؐ کفار کے تعاقب میں تشریف لے گئے تو یہاں پر آپؐ نے پڑاوٗ ڈالا اور تین دن قیام فرمایا۔

اسغابیہ:۔ یہ مدینہ منورہ کے شمال میں پست علاقہ ہے۔ اس میں وادیاں اور چشمے ہیں۔ غابہ (جنگل) اس لئے کہا جاتا ہے۔ اس علاقہ میں آنحضرت ﷺ کی 6ہجری میں اونٹنیاں چرالی گئیں تھیں عیینہ بن حصن فزاری شخص غطفان کے لوگوں کے ساتھ مل کر اونٹنیوں کو ہنکا کر لے گیا اور ان کی چرواہی پر معمور شخص کو قتل کر دیا۔ پتہ لگنے پر مسلمانوں نے اس کا پیچھا کیا اور جانوروں کو ان سے چھڑوالیا۔ اس واقعہ کو پھر غزوہ غابہ قرار دیا جاتا ہے۔

مدینہ منورہ کے طبعی آثار:۔ نمبر ا۔ جبل اُحد۔ یہ پہاڑ مسجد نبوی کے شمال میں ساڑھے چار کلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے۔ اس کی لمبائی آٹھ کلومیٹر اور عرض دو سے تین کلومیٹر کے درمیان ہے۔ اس کی سب سے بلند چوٹی 300 میٹر ہے۔ اس پہاڑ سے مسلمانوں کو گہری عقیدت ہے۔ اس کے دامن میں مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان مشہور غزوہ احد 2ہجری میں پیش آیا تھا۔ حضرت امام بخاری نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں''۔

نمبر ۲۔ جبل عینین (رماۃ پہاڑی):۔

یہ پہاڑ جبل احد کے جنوب مغرب کے نزدیک واقع ہے۔ احد کا معرکہ اس جگہ پر واقع ہوا تھا۔ اس پہاڑی کی لمبائی 180 میٹر ہے اور چوڑائی 40 میٹر۔ اسی کے نیچے سے وادی قناۃ نکلی ہے۔

نمبر ۳۔ جبل عیر:۔ یہ پہاڑی مدینہ منورہ کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ مسجد نبوی سے اس کا فاصلہ آٹھ کلومیٹر ہے، اس کا طول دو ہزار میٹر اور عرض 70 میٹر۔ اس کا اوپر کا حصہ ہموار ہے اس لئے اس کو گدھے کی پشت سے تشبیہً عیر کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو مدینہ کی حد قرار دیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مدینہ عیر اور ثور کے درمیان حرم ہے۔

نمبر ۴۔ جبل سلع:۔ یہ پہاڑ مسجد نبوی کے مغرب میں 5 کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ اس کا طول ایک ہزار میٹر اور عرض تین سو سے آٹھ سو میٹر کے درمیان ہے۔ اس کی بلندی 80 میٹر ہے۔ اس کی بعض چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں مشرقی اور مغربی جانب پھیلی ہوئی ہیں۔ اس پہاڑ کے مغربی دامن میں غزوہ خندق کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے خیمہ نصب فرمایا تھا نیز اس پہاڑ کے دامن میں صحابہ کرامؓ کے بھی خیمے نصب تھے۔

مدینہ منورہ کی وادیاں:۔

نمبر ا۔ وادی بطحان:۔ یہ مدینہ منورہ کی سب سے بڑی وادی ہے۔ یہ چھوٹی چھوٹی نالیوں سے ملکر ایک بڑی وادی کی شکل میں تبدیل ہوئی ہے جن میں سے بعض نالیاں درجہ ذیل ہیں:۔

وادیٔ رانوناء:۔ یہ وادی مدینہ منورہ کے شمال میں ایک پہاڑ کی گھاٹی سے شروع ہوتی ہے اور شمال کا رُخ اختیار کرتی ہوئی محلہ قباء اور اس کے باغوں میں سے گزرتی ہوئی قربان علاقے سے ہوکر مغرب میں وادی بطحان کے نالے میں جا گرجاتی ہے۔ اس طرح وادی بطحان کا جُزو بن جاتی ہے۔ مسجد قباء سے شمال میں 900 میٹر کی دوری پر اس کا محل وقوع ہے۔ وادی رانوناء کی نالی بھی موجود ہے تاہم اس کے بعض حصے ختم ہو چکے ہیں۔

وادی قناۃ (الشظا):۔

یہ بھی مدینہ منورہ کی بڑی وادیوں میں سے ایک ہے۔ مدینہ منورہ کے شمال مشرق سے یہ مدینہ میں آتی ہے اور احد پہاڑ کے جنوب سے مغرب کو ہوتی ہوئی تھوڑی سی شمال کو مُڑ کر مجمع اسیال (زعابہ) کے مقام پر وادی عقیق بن جاتی ہے۔ تاریخی کتب میں مذکور ہے کہ جب 1926ء میں مدینہ منورہ کی شمالی پہاڑیوں میں آتش فشاں لاوہ اُبلا تھا تو اس وادی کا رُخ مدینہ منورہ کی بجائے شمال کی جانب ہوگیا تھا۔ اس لئے اس کے بہاوٗ کی جگہ پر آتش فشاں پہاڑوں کے پتھر جمع ہوگئے ہیں جس کی وجہ سے اس کے بہنے کا رُخ تبدیل ہوگیا۔ اور اس کے خلف میں ایک بڑا تالاب بن گیا جو چند سال تک باقی رہا۔ پھر عاقول کے علاقے میں ایک دیوار بنادی گئی جس کے بعد سے پانی کی خاصی مقدار یہاں جمع ہوجاتی ہے اور بارش کا پانی یہاں کئی ماہ تک ٹھہرا رہتا

ہے۔

مدینہ منورہ کے علمی و ثقافتی اور فلاحی ادارے:۔ مدینہ منورہ میں کئی علمی و ثقافتی ادارے ہیں۔جن کی خدمات اہل مدینہ کو حاصل ہیں۔اوران کا فیض دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہنچتا ہے۔جن میں چند درجہ ذیل ہیں۔

نمبر ا۔مرکز سے مدینہ منورہ سے متعلق ایک عظیم کتب خانہ تیار کیا ہے جس میں وہ سب کتب جمع کی گئیں ہیں جو اس شہر مبارک کے متعلق ہیں۔

نمبر ۲۔مدینہ منورہ سے متعلق تمام معلومات کا سوفٹ ویئر تیار کیا گیا ہے۔

نمبر ۳۔مدینہ منورہ سے متعلق معلومات حاصل کرنے کیلئے عربی اور انگلش دونوں زبانوں میں سوفٹ ویئر تیار کی گئی ہے جس کا ایڈریس al-madina.org ہے۔

نمبر ۴۔مدینہ منورہ کے متعلق تقریباً 33 کتب شائع کی جا چکی ہیں۔

نمبر ۵۔مرکز سے ایسی وڈیو فلمیں اور سی ڈیز CD اور پروگرام تیار کئے گئے ہیں جو اس مبارک شہر کے متعلق معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔

نمبر ۶۔عثمانی دور کی دستاویزات جو مدینہ منورہ کے متعلق تھیں سب کمپیوٹر میں محفوظ کردی گئی ہیں۔جن کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے۔

نمبر ۷۔مدینہ منورہ کے ایسے نقشے تیار کرائے ہیں جن سے مدینہ منورہ کے ماضی کے مختلف ادوار کا ایک خاکہ سامنے آجاتا ہے۔

نمبر ۸۔عثمانی دور کے وثائق اور دستاویزات کو جو مدینہ منورہ سے متعلق تھیں کمپیوٹر میں محفوظ کردیا گیا ہے۔جن کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے۔

علاوہ ازیں اس علمی وثقافتی ادارے نے مندرجہ ذیل فلاحی کام سرانجام دیئے ہیں: نمبرا۔شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ پریس:۔ یہ پریس قرآن کریم کی مختلف قراءات کا جائزہ لیتا ہے نیز قرآن کریم کی طباعت اور نگرانی کرتا ہے۔اس ادارے کی سالانہ پروڈکشن تقریباً ایک کروڑ تیس لاکھ قرآن کریم کے نسخے ہیں اس کے علاوہ قرآن مجید کے نسخہ جات کی پرنٹنگ کیلئے پریس اور جلد سازی وغیرہ سب شامل ہیں۔

شاہ عبدالعزیز لائبریری:۔ مسجد نبوی کے مغرب میں صحن کے ساتھ ہی یہ لائبریری ہے۔جس کا افتتاح 1983ء میں ہوا۔اس میں مختلف علوم وفنون کی کتب ہیں جن کی تعداد 25,000 ہے اور جدید کتابیں بھی اس میں ہیں جن کی تعداد 58132 کے لگ بھگ ہے۔اس لائبریری میں قرآن کریم کے پرانے نسخے 1095ء سے تیرھویں صدی کے آخر تک کے نسخا جات اس میں موجود ہیں۔اس لائبریری کے کھلنے کے اوقات صبح ساڑھے سات بجے سے اڑھائی بجے تک اور شام چار بجے سے رات دس بجے تک ہیں۔اس میں خواتین کیلئے علیحدہ خاص جگہ کی گئی ہے۔

مسجد نبوی کا کتب خانہ:۔ یہ کتب خانہ مسجد نبوی کے اندر ہے۔اس میں کئی ریڈنگ رومز ہیں۔ یہ لائبریری ساڑھے سات بجے صبح سے عشاء کے بعد تک کھلتی ہے۔

اقتصادی معلومات کا شہر:۔ یہ ایک شاندار ترقیاتی منصوبہ ہے جس پر فی الفور کام جاری ہے جو کہ مسجد نبوی کے مشرق میں 5 کلومیٹر کے فاصلہ پر بنایا جارہا ہے جس میں جدید اقتصادی اور سائنسی ادارے شامل ہونگے ،مثلاً یونیوسٹیاں ،انسٹیچوٹس نئے طرز کے سکول تربیتی مراکز ، ،ہسپتال ، دفاتر ، دقیق سائنسی آلات کے لئے صنعتی کیمپلکس وغیرہ۔ اسی طرح اس میں جدید رہائشی محلے ،سبز میدان ، پارک ،کھیل کے میدان ، عجائب گھر اور بڑے بڑے تجارتی مراکز بھی ہونگے۔ اس اقتصادی معلوماتی شہر کو ٹرین کے ذریعہ مسجد نبوی سے جوڑ دیا جائے گا۔جس سے مکہ مکرمہ اور جدہ آنے جانے کی آسانی ہوگی۔جس سے مقامی اور زائرین مستفید ہونگے۔

مدینہ منورہ کے معلمین کا مقامی ادارہ:۔ یہ معلمین کی مقامی تنظیم ہے جو اُن افراد پر مشتمل ہے جن کے اباواجداد نے ماضی میں حجاج کرام کی خدمت کی ہو۔ ان میں صرف وہ لوگ شامل ہیں جو دیندار اور علم وسنجیدگی سے متصف ہوں۔ اس ادارہ کی ایک انتظامی کمیٹی ہے جو انتظامات اور حجاج کرام سے متعلق امور کو تربیت دیتی ہے اور حج کے تعاون اور ان کی سرپرستی میں مدد کرتی ہے۔جن میں حجاج کرام کی رہائش، ٹرانسپورٹ، مواصلات اور ان کے استقبال و رخصت سے متعلق امور کی نگرانی کے ساتھ ساتھ ان کی صحت ،ادویات، علاج معالجہ اور وفات پاجانے پر ان کی تدفین وغیرہ سے متعلق ذمہ داری بھی ادا کرتی ہے۔اس ادارہ کا نام (خدمت الحاج شرف وامانۃ ومسئولیہ) ہے۔

سیرۃ نبوی ایکزیویشن:۔اس ایکزیویشن میں پیدائش سے وفات تک مکّی اور مدنی دونوں زمانوں میں آنحضرت ﷺ کے حسب ونسب، آپؐ کی

پیدائش ،نشوونما ،نبوت سے پہلے اور بعد کی زندگی ،ہجرت کے واقعات نیز مدینہ منورہ کا پہلا اسلامی معاشرہ کیسے وجود میں آیا۔ان سب کے بارہ تفصیلی معلومات پیش کی گئی ہیں۔نیز امہات المومنین کی زندگی اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ ان کی طرز زندگی ،احادیث کی روایات میں ان کے کردار پر ٹھوس معلومات فراہم کی گئی ہیں۔یہ ادارہ مسجد نبوی کی بونڈری کے مغربی جانب ملک سعود کے گیٹ کے سامنے واقع ہے۔مدینہ منورہ ایکز یویشن کے بارہ مذید یہ بھی ہے کہ اس میں ابتداء سے سعودی زمانہ تک مدینہ منورہ کی تاریخ کے اہم پہلو پر روشنی بھی ڈالی گئی ہے۔اس ادارہ میں رسول اللہ ﷺ کے آخری زمانہ میں مدینہ منورہ کے شہری حالات ،آبادی کی تقسیم اور کچھ اہم یادگاروں پر مشتمل ہے۔اس طرح اس میں مسجد نبوی کی تعمیر کی تاریخ اور عہد نبوی سے سعودی حکومت تک ہونے والی توسیع کے مختلف مراحل اور اہم یادگاروں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

تعلیمی ادارے:۔اسلامک یونیورسٹی:۔

1961ء سے مدینہ منورہ یونیورسٹی (جامعۃ الاسلامیہ) قائم ہوئی جس میں دنیا بھر کے طلباء کو تعلیم کی سہولتیں مہیا کی جاتی ہیں۔اس میں تعلیم کے حصول کے علاوہ رسرچ اور مقامی اور انٹرنیشنل معاشرہ کی خدمات کا کام بھی ہوتا ہے۔اس میں شعبہ جات میں قرآن مجید و اسلامیات ،حدیث شریف کالج،شریعت اسلامی کالج، دعوت واصول دین کالج،عربیہ کالج ،سائنس کالج، کمپیوٹر سائنس،اانجینیئر نگ نیز غیر عرب عوام کے لئے عربی زبان سیکھنے کا شعبہ، ہائی سکولز،میڈیکل کالج،فارمیسی کالج اور مینجمنٹ وغیرہ تعلیمی ادارے ۔اس یونیورسٹی سے گریجویشن،ماسٹر اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی جاتی ہے۔یہاں سے دو بڑے علمی میگزین بھی شائع کئے جاتے ہیں جن میں جامعہ اسلامیہ میگزین اور علوم عقیدہ کا میگزین شامل ہیں۔

طیبہ کالج:۔2004ء سے چند دیگر کالجوں کو ضم کر کے طیبہ یونیورسٹی کی تشکیل ہوئی،جس میں طیبہ کالج ،آرٹ و انسانی علوم کالج، بزنس ایڈمنسٹریشن کالج،لاء کالج، سائنس و میڈیکل کالج، ڈینٹل کالج نرسنگ کالج اور بے شمار شعبہ جات کے کالجز کھولے گئے ہیں۔جس میں 2013ء تک تعلیمی سال میں لڑکے اور لڑکیوں کی تعداد 60055 کے لگ بھگ رہی۔

پیشہ ورانہ تعلیمی ادارے:۔اس ادارے کے تحت بہت سے کالجز اور ٹیکنیکل ادارے کھولے گئے۔جس میں طلباء کے لئے ٹیکنیکی ،مینجمنٹ ،کمپیوٹر ٹیکنالوجی ،الیکٹرک الیکٹرانک ٹیکنالوجی ادارے ہیں۔اس طرح سیاحت کالج وغیرہ جس میں تعلیم پانے والے طلباء کی تعداد 5147 کے قریب ہے۔

مدینہ منورہ میں میڈیکل لائن میں ترقیات:۔اس ادارے کے تحت امراض سے بچاؤ کی تدابیر اور باقاعدہ اعلاج معالجہ کی سہولیات میسر ہیں۔جس میں صحت کی فضا قائم رکھنے اور اس سے متعدی بیماریوں سے بچاؤ کے علاوہ سڑکوں کی صفائی ،میدانوں کی صفائی، زہریلے جراثیم ختم کرنے کیلئے دواؤں کا استعمال۔نیز کھانے پینے کی اشیاء کی نگرانی اور ان کی مناسب چیکنگ ،بالخصوص حج اور رمضان کے موقعوں پر جبکہ بڑی تعداد میں زائرین یہاں آتے ہیں۔وزارتِ صحت کے تحت ہر محلہ میں طبی مراکز کھولے گئے ہیں۔ جہاں پر مفت اعلاج کیا جاتا ہے۔جن کی تعداد 43 ہے اس کے علاوہ مدینہ منورہ میں 8 بڑے گورنمنٹ کے ہسپتال ہیں جہاں پر مفت اعلاج کی سہولتیں مہیا ہیں۔اس کے علاوہ پرائیویٹ ہسپتال بھی ہیں۔

مدینہ منورہ میں زراعت و کاشتکاری:۔مدینہ منورہ شروع سے ہی ایک شاداب علاقہ ہے۔پانی کی فراوانی ہے ۔قدیم زمانے سے ہی یہاں کے باشندوں کا پیشہ کاشت کاری اور زراعت ہے۔کھجوروں کی کاشت ، انگوروں کے باغات اور سبزیوں کی پیداوار میں یہ شہر مشہور ہے۔عہدِ نبوی میں زراعت کے پیشہ نے خوب ترقی کی۔مہاجرین میں سے بہت سے افراد نے زراعت کے پیشے کو اختیار کیا۔شروع میں تو پھل کاٹنے اور مزدوری یہودیوں کیا کرتے تھے مگر بعد میں یہودیوں کے مدینہ سے نکل جانے کے بعد پھر مہاجرین نے آزادی سے کاشت کرنی شروع کی۔بنوامیہ کے عہد میں مدینہ منورہ کے ہر چہار سمت نئے نئے باغات اور کاشت کے کھیت بن گئے۔اس کے بعد عہد سعودی میں مدینہ منورہ میں وافر مقدار میں تازہ سبزیاں ،پھل اور کھجوروں کی کاشت کی کثرت ہوگئی۔ کھجوروں کی قسموں میں عجوہ،عنبر، برنی،شلبی ،روتانہ، نعمانی،صفاوی،خضری اور کئی قسموں کی کھجوریں اُگنی شروع ہوگئیں۔2010ء کے اعداد شمار کے مطابق کاشت کی زمینوں کا رقبہ 26918 ایکڑ ہے۔جس

میں تقریباً 18502 ایکڑ میں کھجوروں کے درخت ہیں۔جس سے تقریباً 139924 ٹن کھجور کی پیداوار ہوئی ہے۔اس کے علاوہ مدینہ منورہ میں مرغیوں کی پیداوار کے لئے بہت سارے پولٹری فامز بھی کھولے گئے ہیں۔ (حوالہ مدینہ منورہ ماضی وحال کے آئینہ میں)

مدینہ منورہ میں تفریح گاہیں!مدینہ منورہ کی میونسپل کمیٹی نے مختلف مقامات پر بہت سے پارک اور تفریح گاہیں بھی بنائی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:۔

نمبرا۔مرکزی پارک۔یہ قباء کے علاقہ میں دوسرے رنگ روڈ سے متصل ہے جس کا رقبہ تقریباً ۴ مربع میل ہے۔

نمبر ۲۔نخیل تفریح گاہ۔ مدینہ منورہ کے شمال میں تبوک روڈ میں ہے جس کا رقبہ ایک ہزار مربع میٹر ہے۔

نمبر ۳۔بنوسقیفہ باغیچہ۔مسجد نبوی کے مغرب میں جو کہ مشہور تاریخی مقام سقیفہ بنوساعدہ کی جگہ پر واقع ہے۔

اس کے علاوہ بھی مدینہ منورہ کے مختلف مقامات پر پارک اور تفریح گاہیں ہیں۔اس کے علاوہ بیضاء کے نام سے مدینہ کے شمال میں ایک صحرائی تفریح گاہ بھی ہے۔

مدینہ منورہ میں تجارت:۔مدینہ منورہ میں زراعت کے بعد دوسرا پیشہ تجارت تھی۔تجارتی قافلے ملکِ شام اور ملکِ یمن کا رُخ کیا کرتے تھے۔عموماً ایسے وقت میں جبکہ زراعت میں زیادہ شمولیت نہیں ہوا کرتی تھی۔مدینہ منورہ کے چاروں اطراف میں پرانے زمانہ ہی سے تجارت کے بازار یا مارکیٹیں ہوا کرتی تھیں۔چنانچہ علاقہ جرف میں ایک بازار تھا،ایک حباشہ بازار تھا،ایک سوق صفا تھا اور ایک بازار کا نام مزاحم تھا۔مگر مسلمان مہاجرین ہجرت کر کے یہاں آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے مسجد نبوی کے مغرب میں بازار کے لئے جگہ کی تعین فرمائی،آگے چل کر یہی بازار سوق مناخہ کے نام سے مشہور ہوا اور مدینہ منورہ کا مشہور مرکزی بازار بن گیا اور صدیوں قائم رہا۔عہدِ نبوی اور دورِ خلافت میں تجارت میں خوب پیش رفت ہوئی بعض قافلے صحابہ کرامؓ کے دور میں ہوا کرتے تھے۔تجارتی قافلے اتنے بڑے ہوا کرتے تھے کہ ان کا سامان تجارت ہزاروں اونٹوں پر لادا ہوتا تھا۔یہ قافلے مدینہ منورہ میں کپڑے،تیل،گیہوں،عطر،جواہرات،ہتھیار اور آٹا وغیرہ لاتے اور کھجور،جو اور گھریلو برتن لیکر دوسرے ممالک میں جا کر فروخت کرتے تھے۔

بنوامیہ کے دور میں یہ سرگرمیاں اور تیز ہوگئیں مدینہ منورہ سے ہندوستان،فارس،مصر تک سامان منتقل ہوا۔مگر عباسی دور حکومت میں تجارت میں مندی آگئی۔جس کی بڑی وجہ امن وامان کی خرابی تھی۔

مدینہ منورہ کے اہم بازار:نمبرا۔سنٹرل کھجور مارکیٹ۔جہاں پر صرف کھجور کی فروخت ہوتی ہے اور بہت بڑی مارکیٹ ہے۔اور اعلیٰ اور ہر قسم کی کھجور فروخت ہوتی ہے۔یہ مسجد نبوی کے جنوب میں واقع ہے۔

نمبر ۲۔قباء مارکیٹ۔یہ قباء روڈ کے دونوں اطراف میں واقع ہے۔

نمبر ۳۔مدینہ انٹرنیشنل مارکیٹ۔یہ سلطان روڈ پر واقع ہے۔

نمبر ۴۔بلال مارکیٹ۔یہ قربان ڈاؤن روڈ پر واقع ہے۔ ان سب بازاروں میں مقامی اشیاء،کھجور،کپڑے اور کھلونے وغیرہ فروخت ہوتے ہیں۔

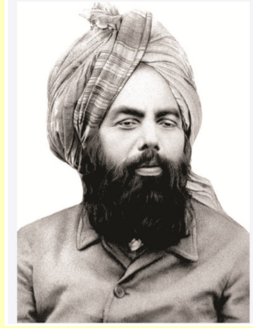
نمبر ۵۔شرقِ اوسط مارکیٹ۔یہ سلطان روڈ پر واقع ہے۔

نمبر ۶۔البدر مارکیٹ۔یہ ائیر پورٹ روڈ پر واقع ہے۔

نمبر ۷۔ساحہ مارکیٹ۔یہ مارکیٹ خالد بن ولید روڈ پر واقع ہے۔

نمبر ۸۔ٹوپ سنٹر۔یہ مسجد جمعہ کے قریب واقع ہے۔ان کے علاوہ رنگ روڈ پر بڑے بڑے تجارتی کمپلیکس بھی ہیں جن میں ہر قسم کی مصنوعات ایجنسیاں ہیں جہاں پر ہر قسم کی اشیاء دستیاب ہیں جن میں بچوں کے کھیلنے کی جگہیں اور ریسٹورانٹس وغیرہ بھی ہیں۔ان سب کے علاوہ مسجد نبوی کے اطراف میں بہت ساری دکانیں ہیں جہاں سے زائرین اشیاء خرید سکتے ہیں۔سعودی دورِ حکومت میں مدینہ منورہ میں بہت سی فیکٹریاں بھی کھُل گئیں۔جن میں پلاسٹک کی مصنوعات،کارپٹس،بجلی کا سامان اور غذائی مصنوعات کی بیشمار فیکٹریاں کھلیں جن میں کھجور کی پیکنگ وغیرہ بھی شامل ہے۔نیز بے شمار ایسے کارخانے بھی بنائے گئے ہیں جن میں حج کے ایام میں زائرین کے کھانے کے لئے لاکھوں پیکٹس تیار کئے جاتے ہیں۔

(حوالہ جات مدینہ منورہ ماضی وحال کے آئینہ میں،علمی مواد مرکز بحوث ودراسات مدینہ منورہ)



حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا طلسماتی منظوم کلام اور اُس کی تاثیر

ڈاکٹر سر افتخار احمد ایاز، لندن



درکلام تو چیز یست کہ شعراء درآں دخلے نیست

(تیرے کلام میں ایسی چیز ہے جس میں شعراء کو دخل نہیں)

امام الزمان سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود علیہ السلام چونکہ اسلام کی قلمی جنگ میں ایک فتح نصیب جرنیل کی حیثیت سے دنیا میں آئے تھے۔ اس لئے قدرت خداوندی نے ابتداء سے ہی قلم کی لازوال قوتوں سے مسلح کر کے بھیجا تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک مقام پر فرماتے ہیں

''اُس حکیم وقدیر نے اس عاجز کو اصلاح خلائق کے لئے بھیج کر ایسا ہی کیا اور دنیا کو حق اور راستی کی طرف کھینچنے کے لئے کئی شاخوں پر امر تائید حق اور اشاعت اسلام کو منقسم کر دیا۔ چنانچہ منجملہ ان شاخوں کے ایک شاخ تالیف و تصنیف کا سلسلہ ہے جس کا اہتمام اِس عاجز کے سپرد کیا گیا۔ اور وہ معارف و دقائق سکھلائے گئے جو انسان کی طاقت سے نہیں بلکہ صرف خدا تعالیٰ کی طاقت سے معلوم ہو سکتے ہیں اور انسانی تکلّف سے نہیں بلکہ روح القدس کی تعلیم سے مشکلات حل کر دیئے گئے۔''

(فتح اسلام روحانی خزائن جلد نمبر 3 صفحہ 11، 12)

ایک اور جگہ اپنی تحریرات کی اہمیت بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''میں کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ یہ رسائل جو لکھے گئے ہیں۔ تائید الٰہی سے لکھے گئے ہیں۔ میں ان کا نام وحی اور الہام تو نہیں رکھتا مگر یہ ضرور کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی خاص اور خارق عادت تائید نے یہ رسالے میرے ہاتھ سے نکلوائے ہیں۔''

(سر الخلافۃ، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 415، 416)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نہ صرف نثر نگاری کے وسیع وعریض میدان کے شہسوار تھے بلکہ اقلیم سخن کو بھی آپ کی تاجداری پر ناز تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شاعری کی خصوصیات

ہر شعر خواہ وہ کسی بھی صنف نظم سے تعلق رکھتا ہو۔ اس کا کوئی نہ کوئی پس منظر ضرور ہوتا ہے۔ اس پس منظر میں شعر کہنے والے کے حالات وواقعات اور اس ماحول کا اثر بھی ہوتا ہے، جس میں وہ پروان چڑھتا اور عقل وشعور کی عمر کو پہنچتا ہے۔ اکثر اوقات شعر کہنے والا شعر کہنے کا ارادہ بھی نہیں رکھتا، مگر شعر کی آمد شروع ہو جاتی ہے۔ یہ ان حالات کا تاثر ہوتا ہے، جو اس پر گزر جاتے ہیں یا جن کے بارے میں اسے خیال ہوتا ہے کہ مستقبل میں پیش آ سکتے ہیں۔ اگرچہ اس وقت وہ ذہنی طور پر ان خیالات وحالات سے دور ہوتا ہے۔ مگر وہ اس کے لاشعور میں موجود رہتے ہیں۔ اس لئے ناگہاں وہ شعر کے سانچے میں ڈھلنا شروع ہو جاتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود اگرچہ شعر گوئی کو عام شاعروں سے ہٹ کر سمجھتے تھے۔ اس لئے کہ آپ کا مقصد شعر گوئی سے نہ ذاتی تفنن طبع تھا اور نہ کسی مجلس ومحفل میں شعر سنا کر داد وتحسین پانا تھا۔ آپ نے اپنے ایک شعر میں اس کی طرف واضح طور پر اشارہ فرمادیا۔

کچھ شعر وشاعری سے اپنا نہیں تعلق

اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

آپ کی اس خاکساری کو بارگاہ خداوندی میں قبول کیا گیا اور آپ کو الہام الٰہی کے ذریعہ یوں داد دی گئی۔

''درکلام تو چیز یست کہ شعراء درآں دخلے نیست''

(تذکرہ صفحہ 595 ایڈیشن چہارم)

تیرے کلام میں ایک چیز ہے جس میں شاعروں کو دخل نہیں۔

آپ کے شعر کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ نہایت اختصار سے اس کے پس منظر کا کچھ تذکرہ کر دیا جائے۔ تا کہ قارئین کو معلوم ہو سکے کہ عام شعراء کی ڈگر سے ہٹ کر آپ نے کس ضرورت کے تحت اشعار کہے۔

پاکیزہ شاعری

آپ کی سیرت کا ابتدائی باب یہ بتا تا ہے کہ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ نے بچپن سے ہی ایسا ماحول پیدا کر دیا تھا کہ آپ کو عوامی مجلسوں میں جانے سے طبعاً کراہت تھی۔ چونکہ عوامی مجالس میں ہر نوع اور ہر خیال کے حامل انسانوں سے میل جول رہتا ہے اور انسان ان کی صحبت کا کچھ نہ کچھ اثر قبول کر لیتا ہے۔ چنانچہ آپ کو الٰہی تصرف کے زیر اثر بچپن ہی سے عبادت و ریاضت کا شوق دامنگیر ہوا۔ آپ کا زیادہ وقت خانہ خدا میں گزرتا تھا۔ آپ کی یہ لگن اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ آپ کھانے کے اوقات میں بھی اکثر خانہ خدا میں ہوتے اور آپ کے والد بزرگوار کھانے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ اس ''مسیتڑ'' کے لئے کچھ بھجوا دو۔

اس پس منظر کو سامنے رکھ کر جب ہم آپ کے اشعار کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو آغاز سے انجام تک ایک ہی تصویر ابھرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ جسے دیکھ کر ہم آپ کی شعری کاوش کے مقصد کو بآسانی پا سکتے ہیں۔ آپ کے شعری مجموعے، جو اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں مرتب ہو چکے ہیں۔ ان کے عنوانات ہی بتا رہے ہیں کہ آپ نے شعر گوئی کے کوچے میں کیوں اور کس لئے قدم رکھا؟ چونکہ اس وقت ہمارے زیر نظر صرف آپ کا اردو کلام ہے۔ اس لئے ہم فی الحال اردو تک ہی محدود رہیں گے۔ یاد رہے کہ بعض اوقات اساتذہ کرام کا اثر بھی شعر گوئی پر ابھارتا ہے۔ مگر آپ نے اپنے تعلیمی تذکرے میں اس کی طرف قطعاً کوئی اشارہ تک نہیں کیا۔ اس لئے آپ اس تاثر سے بھی خالی ہیں اور خالص اپنے ماحول سے ہی اپنی شاعری کا آغاز کرنے والے ہیں۔

دیگر شعراء کے اثر سے پاک شاعری

بعض اوقات شاعر اپنے دور کے بعض شعراء سے متأثر ہوتا ہے۔ مگر آپ اس تاثر سے بھی کوسوں دور دکھائی دیتے ہیں۔ اگر چہ آپ کے دور کے بعض محترم احباب بھی کوئے شعر و ادب میں نام حاصل تھا اور انہوں نے اپنے اپنے رنگ میں خوب ناموری حاصل کی تھی۔ مگر نہ آپ ان سے متأثر ہوئے اور نہ انہوں نے کسی بھی انداز میں شاعرانہ تعلّی سے کام لیتے ہوئے آپ کی طرف تنقید و تعریض کا اشارہ کیا۔ انہوں نے قریباً قریباً ولادت تا وفات آپ ہی کا زمانہ پایا۔ ذیل میں ہم چند مشاہیر کے اسمائے گرامی مع سن ولادت و وفات درج کرتے ہیں۔ تا کہ قارئین کو حضور کی شعر گوئی کا پس منظر سمجھنے میں اور آسانی ہو جائے۔

منشی امیر احمد امیر مینائی: ولادت 1828ء، وفات 1903ء

نواب مرزا خان داغ: ولادت 1831ء، وفات 1908ء

مولانا (ڈپٹی) نذیر احمد دہلوی: ولادت 1831ء، وفات 1912ء

مولانا محمد حسین آزاد: ولادت 1832ء، وفات 1910ء

مولانا الطاف حسین حالی: ولادت 1837ء، وفات 1914ء

آپ کا سن ولادت 1835ء اور آپ کا وصال 1908ء میں ہوا۔ اب ذرا موازنہ کیجئے کہ مذکورہ بالا محترمین شعر و ادب کے کس کس کوچے میں کام کرتے رہے اور حضور کا جذبہ شعر گوئی کس قسم کی خدمت کے لئے وقف رہا؟ اس سارے پس منظر کا جائزہ لینے کے بعد اب ہم آپ کے اردو کلام سے متعلق مذکورہ پس منظر کی روشنی ہی میں اپنے ناچیز و ناقص خیالات تحریر کرتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شاعری کا پس منظر

آپ کا اردو کلام کتابی صورت میں مدوّن ہو کر ''درثمین'' کے نام سے چھپ چکا ہے۔ جماعت احمدیہ کے چھوٹے بڑے، بچے بوڑھے اور مرد و زن سبھی پوری دلچسپی سے اپنے امام زمان کا کلام پڑھتے اور نجی مجالس یا جماعتی جلسوں میں سناتے رہتے ہیں۔ اس لئے آپ کا اردو کلام خصوصاً بار بار نت نئے انداز میں چھپتا رہا ہے۔ اس وقت خاکسار کے زیر نظر آپ کا اردو کلام ہے۔ اس پر کچھ اظہار خیال کیا جاتا ہے۔

''درثمین'' اردو کا جو ایڈیشن خاکسار کے سامنے ہے۔ اس کی پہلی نظم کا عنوان ہے۔ ''نصرت الٰہی'' یہ 1880ء میں ''براہین احمدیہ'' میں شائع ہوئی۔ براہین احمدیہ کے لکھنے کی غرض یہ تھی کہ حقیقت کتاب اللہ القرآن اور نبوت محمدیہ کی صداقت نمایاں کر کے منکرین دین پر حجت پوری کر دی جائے۔ چنانچہ

مذکورہ کتاب کے دوران جہاں نثری تحریر کے ساتھ آپ نے منظوم کلام کو موزوں سمجھا نثر کی طرح بے ساختہ شعر گوئی سے کام لیا اور اسے داخل تحریر کر دیا۔ مثلاً پہلی ہی نظم، جس کا عنوان ''نصرت الٰہی'' ہے۔ اس کے اندراج سے پہلے جو چند جملے آپ نے تحریر فرمائے ہیں۔ وہ اس نظم سے کلی مطابقت رکھتے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا مناسب ہوگا کہ آپ کا منظوم کلام اپنے سیاق وسباق کے لحاظ سے ارتجالاً چلا آتا تھا۔ مذکورہ نظم کا سیاق یوں ہے۔

''یہ وہ برگزیدہ قوم ہے کہ جن کے اقبال کی انہیں کے زمانہ میں آزمائش ہو چکی ہے۔ وہ اقبال نہ بت پرستوں کے روکنے سے رکا اور نہ کسی اور مخلوق پرست کی مزاحمت سے بند رہا۔ نہ تلواروں کی دھار اس شان وشوکت کو کاٹ سکی نہ تیروں کی تیزی اس میں کچھ رخنہ ڈال سکی۔ وہ جلال ایسا چمکا جو اس کا حسد کتنوں کا لہو پی گیا۔ وہ تیر ایسا برسا جو اس کا چھوٹا کئی کلیجوں کو کھا گیا۔ وہ آسمانی پتھر جس پر پڑا۔ اسے پیس ڈالتا رہا اور جو شخص اس پر پڑا۔ وہ آپ ہی پیسا گیا۔''
(براہین احمدیہ۔ روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 106)

خدا کے پاک لوگوں کو خدا سے نصرت آتی ہے
جب آتی ہے تو پھر عالم کو اک عالم دکھاتی ہے
وہ بنتی ہے ہوا اور ہر خسِ رہ کو اڑاتی ہے
وہ ہو جاتی ہے آگ اور ہر مخالف کو جلاتی ہے
کبھی وہ خاک ہو کر دشمنوں کے سر پہ پڑتی ہے
کبھی ہو کر وہ پانی ان پہ اک طوفان لاتی ہے
غرض رکتے نہیں ہر گز خدا کے کام بندوں سے
بھلا خالق کے آگے خلق کی کچھ پیش جاتی ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شاعری کے موضوعات

آپ کے کلام کا پس منظر تحریر کرنے کے بعد خاکسار نے آپ کی ایک ابتدائی نظم کا سیاق وسباق تحریر کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا منظوم کلام کس شان سے آمد کا جامہ پہن کر برمحل اترا کرتا تھا۔ مذکورہ چاروں اشعار معانی ومطالب کا دریا ہیں تو زبان میں وبیان میں سہل ممتنع کے درجے پر ہیں۔ اس لئے ان چار شعروں میں جو مضمون پیش کیا گیا وہ اس سے بہتر انداز میں پیش ہو ہی نہیں سکتا۔ اس ایک مثال کے بعد اول خاکسار آپ کے اردو کلام کے عنوانات درج کرتا ہے۔ تا کہ اول سے آخر تک آپ کے کلام کے مضامین و مطالب کو سمجھنا آسان ہو جائے اور وہ پس منظر جو اوپر تحریر کیا گیا اس کی روشنی میں آپ کے کلام کا جائزہ لینا کسی حد تک ممکن ہو سکے۔ تو لیجئے! ایک نظر موضوعات مجموعہ اردو پر ڈالئے:

نصرت الٰہی، دعوت فکر، فضائل قرآن مجید، عیسائیوں سے خطاب، اوصاف قرآن مجید، حمد رب العالمین، سرائے خام، چولہ بابا نانک، محمود کی آمین، خدا تعالیٰ کا شکر اور دعا بزبان حضرت اماں جان، ام الکتاب، معرفت حق، بشیر احمد، شریف احمد اور مبارکہ کی آمین، جوش صداقت، نسیم دعوت، پیشگوئی زلزلہ عظیمہ، انذار، قادیان کے آریہ، اتمام حجت، انذار وتبشیر، محاسن قرآن کریم، مناجات اور دعوت حق، درس توحید، پیشگوئی جنگ عظیم، بدظنی سے بچو، ہجوم مشکلات میں کامیابی حاصل کرنے کا طریق۔

خاکسار نے چیدہ چیدہ موضوعات کا اندراج کیا ہے۔ جب کہ ان کے علاوہ مختصر نظمیں، الہامی اشعار اور مصرعے بھی ہیں۔ ان تمام موضوعات وعنوانات میں جن مضامین کا احاطہ کیا گیا، ان کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

درس توحید، خدا تعالیٰ کی محبت، دین کی صداقت، قرآن کریم کی محبت اور آنحضرت ﷺ سے والہانہ عشق ومحبت کے نمونے ملتے ہیں۔ ان کے علاوہ بے نظیر دلائل وبراہین کے ساتھ پیغام حق پہنچایا گیا ہے۔ علاوہ ازیں، اخلاقی نصائح، دینی معارف ونکات، اور بے مثل دعائیں بھی ملتی ہیں۔ الغرض آپ کے کلام اردو کا مجموعہ ہر لحاظ سے جامع ہے۔ اردو ادب میں اس کی نظیر تلاش کرنا سعی لاحاصل ہے۔ ہر نظم برجستہ وبرمحل ہے۔ جیسا کہ اوپر ایک مختصر نظم کا سیاق و سباق درج کر کے اس کے مضمون اور مقصد کو واضح کیا گیا ہے۔ اگر احباب پسند کریں تو آپ کی کتب میں سے تمام منظومات کے سیاق وسباق کا مطالعہ کر کے نہ صرف لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ بلکہ علمی اضافہ بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

پس آپ کا اردو کلام اول سے آخر تک حکمت ومعرفت کے نکات پاکیزہ اور حسین مرقع ہے۔ بلکہ تمام کی تمام نظمیں روحانی تشنہ کامی کی سیرابی کے جام لبالب پیش کرتی ہیں۔ ایک شعر تو کجا ایک لفظ بھی آپ کے کلام میں ایسا نہیں

ملتا، جو آپ کے کلام کے مزاج کے خلاف آیا ہو۔اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ آپ کا کلام معانی و مطالب کے لحاظ سے مئے عرفان کا ایک شفاف شیشہ ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے اشعار کیوں کہے۔

حضرت اقدسؑ کا کلام شاعری کا بہترین نمونہ ہے۔جسے قرآن کریم نے جائز قرار دیا ہے۔آپؑ اس شاعری کو صرف روحانیت اور اخلاقیات جیسے بلند مقاصد کے لئے استعمال فرمایا اور اپنے شعروں میں خدا اور خدا کے نبی کریم ﷺ اور خدا کے کلام کا اس کثرت سے اور اس والہانہ انداز سے ذکر کیا کہ اس کی مثال کسی پہلے یا پچھلے شاعر کے کلام میں قطعاً نہیں مل سکتی خدا اور رسول ﷺ کے ذکر میں عشق و محبت کے رموز و نکات بھی خوب خوب بیان فرمائے

حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے کلام سے ہمیں خدا تعالیٰ کی صفات کاملہ کی جھلک اور خدا تعالیٰ کے احسانات کا شکر اور حضور سرور کائنات کے اوصاف کی تعریف اور خدمت دین، شان اسلام اور ہمدردی مخلوق صاف نظر آتی ہے۔حضور اقدسؑ کا شاعری کرنے کا مقصد صرف یہی تھا عوام الناس خدا تعالیٰ کو پہچانے اور حضور ﷺ کے ذریعہ لگائے گئے اسلام کے پودے کو اپنائیں۔

غرض حضرت مسیح موعودؑ نے جو اپنا منظوم کلام بیان فرمایا ہے اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اس کلام کے ذریعہ جو پیغام آپؑ دنیا کو دینا چاہتے ہیں وہ پیغام اس ذریعہ سے لوگوں تک پہنچ جائے۔آپؑ نے یہ منظوم کلام کسی مال و دولت کی خواہش یا اپنی واہ واہی کے لئے نہیں بلکہ رضائے الٰہی کی خاطر اور خدمت دین اور اشاعت اسلام کی خاطر بیان فرمایا۔تاکہ لوگ حق کو اس کے ذریعہ سے بھی پہچان لیں اور اس حق کو قبول کر کے خدا کے مقبولین کی جماعت میں شامل ہو جائیں۔(وما توفیق الا باللہ)

حضرت مسیح موعودؑ کے اشعار

حضرت مسیح موعودؑ کا یہ دعویٰ تھا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے آنحضرت ﷺ کی اتباع میں آپ کی پیروی میں ساری دنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔اس لئے مجھے وہ روحانی طاقتیں عطا کی ہیں اور وہ مقام بخشا ہے جو اس کام کے لئے ضروری تھا۔اور میں ایک ایسے نبی کا تابع ہوں جو انسانیت کے تمام کمالات کا جامع ہے اور اس کی شریعت اکمل و اتم ہے اور تمام دنیا کی اصلاح کے لئے ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے آنحضرت ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اذن پا کر حضور ﷺ کے ذریعہ قائم کردہ شریعت کی تجدید کا کام کیا اور اس تعلیم کو دوبارہ زندہ کیا جو لوگ بھلا چکے تھے۔اور ایمان کو واپس دنیا میں لائے جو کہ ثریا ستارے پر جا چکا تھا۔اس کام کی خاطر آپؑ نے بے شمار ذریعے اختیار کئے۔جن میں سے آپؑ کی تحریرات، مناظرات، مباحثات، لٹریچر، اخبار و رسائل، اشتہارات، پر معروف تقاریر و خطابات اور آپؑ کا منظوم کلام شامل ہیں۔

حضرت اقدسؑ نے لوگوں کو خدا کی طرف بلانے اور اس کے زندہ خدا ہونے اور حضور ﷺ اور آپؑ کی قائم کردہ شریعت کی افضلیت کے لئے بے شمار کتب تصنیف فرمائیں۔جن کے ذریعہ سے آپؑ نے خدا کے پیغام کو لوگوں تک پہنچایا۔حضرت مسیح موعودؑ نے زمانہ کے تقاضہ کو مدّنظر رکھتے ہوئے تبلیغ و اشاعت کے لئے شاعری کو بھی استعمال کیا آپؑ کا منظوم کلام جو کہ ”درّ ثمین“ کے نام سے مرتب ہے۔نہایت ہی اعلیٰ قسم کا اور اپنے اندر حقائق و معارف کے خزانے سموئے ہوئے ہے۔آپؑ کا منظوم کلام عربی، اردو، فارسی تینوں زبانوں میں ملتا ہے۔اور تینوں زبانوں مین جس اعلیٰ پایہ کا آپ علیہ السلام کا کلام ہے اور جو اعلیٰ تعلیم اس کے ذریعہ دی گئی ہے وہ لا جواب ہے۔حضورؑ نے اپنے کلام کے ذریعہ لوگوں تک خدائی پیغام پہنچایا۔اور لوگوں کی اصلاح اور تربیت کا کام کیا۔آپؑ کے اشعار اپنے اندر ایسا اخلاقی امتیاز رکھتے ہیں جو دوسرے شعراء کے کلام میں نہیں۔

آپؑ کے کلام میں کسی معمولی سے معمولی اخلاق اور اخلاق حسنہ کا شائبہ نہیں پایا جاتا۔یہ شرف صرف حضرت اقدسؑ کو حاصل ہے کہ آپؑ نے شعر کی بلند ترین چوٹیوں کو چھوا لیکن کبھی متانت اور سنجیدگی کے دامن کو نہ چھوڑا۔ہمیشہ صاف ستھرے الفاظ استعمال کئے۔آپؑ کا کلام کا مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ کے قلب مطہر میں پاکیزہ جذبات کا ایک بحر موّاج موجود ہے۔جو بے اختیار آپؑ کی نوک قلم سے بہہ کر تمام دنیا کو سیراب کر رہا ہے۔اور تا قیامت سیراب کرتا رہے گا۔آپؑ کے کلام میں تصنع اور بناوٹ کا کوئی شائبہ تک

نہیں۔لفظ لفظ اخلاق اور راستی پر مبنی ہے۔آپؑ کا کلام حمد الٰہی،نعت رسول مقبول ﷺ،فضائل قرآن کریم،صداقت دین،ترغیب حسنات،اور وعظ و نصیحت کا ایک ایسا بے بہا خزانہ ہے جس کی نظیر دنیا میں اور کہیں نہیں مل سکتی۔

اسلام کے فتح نصیب جرنیل حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ کی تصانیف اپنے اندر لازوال ابدی سچّائی کی برکات سموئے ہوئے آفتاب کی مانند چمک رہی ہیں۔اس میں آپؑ کا تین علمی زبانوں عربی، فارسی، اردو میں کلام ملتا ہے۔جو ہر قسم کی فانی لذّات سے پاک اور سراسر حق وحکمت کی طرف رہنمائی کرنے والا لاثانی کلام ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منظوم کلام کے چند نمونے

حمد باری تعالیٰ

حمد وثنا اسی کو جو ذات جاودانی
ہمسر نہیں ہے اس کا کوئی نہ کوئی ثانی

خدا کے علاوہ ہر چیز فنا کا شکار ہونے والی ہے۔اسی لئے آپ نے نہایت کھلے انداز اور آسان پیرائے میں فرمایا کہ کیسے بھی حالات ہوں دنیا والے کچھ بھی سلوک کریں۔انسان کو ہر حالت میں خدائے واحد پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔اس لئے کہ جب کوئی انسان تمام سہارے چھوڑ کر خدا کا ہو جاتا ہے تو وہ ہر حالت میں اس کی پشت وپناہ بن جاتا ہے۔اہل دنیا اپنے عناد کے باوجود اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔آپ نے اس مضمون کو اپنے دو شعروں میں نہایت عمدگی و سادگی سے یوں پیش فرمایا۔ـ

لوگوں کے بغضوں سے اور کینوں سے کیا ہوتا ہے
جس کا کوئی بھی نہیں اس کا خدا ہوتا ہے
بے خدا کوئی بھی ساتھی نہیں تکلیف کے وقت
اپنا سایہ بھی اندھیرے میں جدا ہوتا ہے

یہ 1894ء کا کلام ہے۔اس دور کی زبان میں ''اپنا سایہ بھی اندھیرے میں جدا ہوتا ہے'' ایک ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے۔اگرچہ چاروں مصرعے شستہ و برجستہ اور رواں ہیں۔مگر چوتھے مصرعے نے ان دونوں شعروں میں کمال درجے کی بلاغت سمو دی ہے۔توحید کا مضمون بیان کرنا اور سادگی کا انتہائی درجہ اپنانا آپ ہی کا حصہ ہے۔دوسرا کوئی کیا اپنائے گا؟

درس توحید کے بعد اپنا حال بیان فرماتے ہیں کہ آپ کس حد تک خدائے واحد کے عشق سے سرشار ہیں۔اس طرح کہ آپ اپنے وجود کو اس کے وجود میں ضم کر چکے ہیں۔

جو ہمارا تھا وہ اب دلبر کا سارا ہو گیا
آج ہم دلبر کے اور دلبر ہمارا ہو گیا
شکر للہ مل گیا ہم کو وہ لعل بے بدل
کیا ہوا گر قوم کا دل سنگ خارا ہو گیا

یہ دونوں اشعار اپنے ارفع مضمون اور زبان کے معیار سے کسی تشریح کے محتاج نہیں ہیں۔مضمون ہے کہ گویا معرفت کا جام لبالب ہے۔جسے پیتے ہی ایک عارف اپنے وجود سے بے نیاز ہو کر اپنے محبوب حقیقی کے وجود میں ضم ہو کر اپنے وجود کی نفی کا اعلان کرتا ہے اور الفاظ ہیں کہ واقعی ''لعل بے بدل'' ہیں۔مضمون جتنا بلند ہے الفاظ اتنے ہی آسان ہیں۔

اب ذرا چند شعر ''حمد رب العالمین'' کے نمونے کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں۔انداز غزل کا ہے۔مگر غزل اس کا مقابلہ کیا کر سکتی ہے؟ آپ فرماتے ہیں۔ـ

چاند کو کل دیکھ کر میں سخت بیکل ہو گیا
کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اس میں جمالِ یار کا
اس بہارِ حسن کا دل میں ہمارے جوش ہے
مت کرو کچھ ذکر ہم سے ترک یا تاتار کا
خوب رویوں میں ملاحت ہے ترے اس حسن کی
ہر گل وگلشن میں ہے رنگ اس ترے گلزار کا
چشمِ مستِ ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے
ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خم دار کا
شور کیسا ہے ترے کوچہ میں لے جلدی خبر

خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا

یہ نظم مرصع پندرہ اشعار پر مشتمل ہے۔ مطلع سے مقطع تک ہر شعر ایسا ہے کہ جان غزل اس پر نثار ہوئی جاتی ہے۔ یہ 1882ء کا نمونہ ہے۔ ذرا اس دور کی چند غزلیں لے کر اس حمد کو ان میں شامل کر کے کسی غیر جانبدار اور نا آشنا نقاد کے سامنے رکھ دیجئے اور کہیے کہ ذرا ان غزلوں پر ایک تنقیدی نظر ڈال کر کچھ ارشاد فرمائیے۔ تو پھر دیکھیں کہ وہ اس نظم کو کس انداز میں کیسے کیسے پڑھتا اور اس پر ہزار جان سے نثار ہوتا ہے۔ اس میں نہ صرف عارف باللہ کا عاشقانہ انداز ہے۔ بلکہ بعض نادر تشبیہیں بھی ہیں۔ جو اردو شاعری میں تلاش کرنے سے بھی مل نہیں سکتیں۔ مثال کے طور پر ''خوب رو'' کی ملاحت کو ''حسن مطلق'' کا حصہ قرار دینا، ''ہر گیسوئے خمدار'' کو سائل کا ہاتھ قرار دے کر اسے ''حسن مطلق'' کی طرف پھیلے ہوئے دکھانا اور ہر ''حسین کی چشم مست'' میں ''حسن مطلق'' کا جلوہ دکھانا وغیرہ۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منظوم کلام کے طلسماتی اثرات کے چند واقعات

(1) جماعت احمدیہ کے جید عالم، صاحب کشف بزرگ، سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جلیل القدر صحابی حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیعت کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں کہ

''میری بیعت کی تقریب

موضع گولیکی میں مثنوی مولانا روم پڑھتے ہوئے جب میں چوتھے دفتر تک پہنچا تو ایک دن ظہر کی نماز کے بعد میں اور مولوی امام الدین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں بیٹھے ہوئے کسی مسئلہ کے متعلق گفتگو کر رہے تھے کہ حسنِ اتفاق سے پولیس کا ایک سپاہی نماز کے لئے اس مسجد میں آنکلا۔ مولوی صاحب نے جب اس کے صافہ میں بندھی ہوئی ایک کتاب دیکھی تو آپ نے پڑھنے کے لئے اسے لینا چاہا مگر اس سپاہی نے آپ کو روک دیا۔ مولوی صاحبؓ نے وجہ دریافت کی تو اس نے کہا کہ یہ کتاب جس بزرگ ہستی کی ہے وہ میرا پیشوا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تم لوگ اسے پڑھ کر میرے پیشوا کو بُرا بھلا کہنے لگ جاؤ جسے میری غیرت برداشت نہیں کر سکے گی۔ مولوی صاحبؓ نے کہا کہ آپ بے فکر رہیئے ہم آپ کے پیشوا کے متعلق کوئی بُرا لفظ زبان پر نہیں لائیں گے۔ تب اس سپاہی نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو آپ بڑی خوشی سے اس کتاب کو دیکھ سکتے ہیں بلکہ تین چار روز کے لئے اپنے پاس رکھ سکتے ہیں کیونکہ اس وقت میں تعمیلات کے لئے بعض دوسرے دیہات کے دورہ پر جا رہا ہوں واپسی پر یہ کتاب آپ سے لے لوں گا۔ چنانچہ مولوی صاحبؓ نے وہ کتاب سنبھال لی اور جاتے ہوئے گھر ساتھ لے گئے۔ دوسرے دن جب میرا کسی کام سے مولوی صاحبؓ کے یہاں جانا ہوا تو میں نے وہی کتاب جو سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصنیف لطیف آئینہ کمالات اسلام تھی حضور اقدسؑ کی چند نظموں کے اوراق کے ساتھ مولوی صاحب کی بیٹھک میں دیکھی۔ جب میں نے نظموں کے اوراق پڑھنے شروع کئے تو ایک نظم اس مطلع سے شروع پائی

عجب نُوریست در جانِ محمدؐ
عجب لعلیست در کانِ محمدؐ

میں اس نظم نعتیہ کو اول سے آخر تک پڑھتا گیا مگر سوز و گداز کا یہ عالم تھا کہ میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو رہے تھے۔ جب میں آخری شعر پر پہنچا کہ ؎

کرامت گرچہ بے نام و نشاں است
بیا بنگر ز غلمانِ محمدؐ

تو میرے دل میں تڑپ پیدا ہوئی کہ کاش ہمیں بھی ایسے صاحبِ کرامات بزرگوں کی صحبت سے مستفیض ہونے کا موقع مل جاتا۔ اس کے بعد جب میں نے ورق اُلٹا تو حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ منظومۂ گرامی تحریر پایا

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے
کوئی دیں دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے

چنانچہ اسے پڑھتے ہوئے جب میں اس شعر پر پہنچا کہ

کافر و ملحد و دجّال ہمیں کہتے ہیں
نام کیا کیا غمِ ملّت میں رکھایا ہم نے

تو اس وقت میرے دل میں ان لوگوں کے متعلق جو حضور اقدس علیہ السلام

کا نام ملحد و دجّال وغیرہ رکھتے تھے بے حد تاسف پیدا ہوا۔اب مجھے انتظار تھا کہ مولوی امام الدین صاحبؓ اندرون خانہ سے بیٹھک میں آئیں تو میں آپؓ سے اس پاکیزہ سرشت بزرگ کا حال دریافت کروں۔ چنانچہ جب مولوی صاحبؓ بیٹھک میں آئے تو میں نے آتے ہی دریافت کیا کہ یہ منظومات عالیہ کس بزرگ کے ہیں اور آپ کس زمانہ میں ہوئے ہیں۔مولوی صاحبؓ نے مجھے بتایا کہ یہ شخص مولوی غلام احمد ہے جو مسیح اور مہدی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور قادیان ضلع گورداسپور میں اب بھی موجود ہے۔اس پر سب سے پہلا فقرہ جو میری زبان سے حضور اقدس علیہ السلام کے متعلق نکلا وہ یہ تھا کہ

دنیا بھر میں اس شخص کے برابر کوئی رسول اللہ ﷺ کا عاشق نہیں ہوا ہوگا۔

اس کے بعد پھر میں نے حضور اقدسؑ کے مطائبات و منظومات پڑھنے شروع کر دیئے تو ایک صفحہ پر حضور انور کے یہ اشعار میرے سامنے آئے ؎

چوں مرا نورے پئے قومِ مسیحی دادہ اند
مصلحت را ابن مریم نام من بنہادہ اند
می درخشم چون قمر تابم چو قُرصِ آفتاب
کور چشم آنانکہ در انکار ہا افتادہ اند
صادقم و از طرف مولا با نشانہا آمدم
صدر درِ علم و ہدی بر روئے من بکشادہ اند
آسماں بار د نشاں الوقت میگوئد زمیں
ایں دو شاہد از پئے تصدیق من استادہ اند

ان ارشادات عالیہ کے پڑھتے ہی مجھے حضور اقدسؑ کے دعویٰ عیسویت اور مہدویت کی حقیقت معلوم ہوگئی اور میں نے ۱۸۹۷ء میں غالباً ماہ ستمبر یا ماہ اکتوبر میں بیعت کا خط لکھ دیا۔چنانچہ حضور اقدس علیہ السلام کی طرف سے حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ کا نوشتہ خط جو میری قبولیت بیعت کے متعلق تھا مجھے پہنچ گیا۔ میں نے جب یہ خط مولوی امام الدین صاحبؓ کو دکھایا تو انہوں نے کہا کہ آپ نے بیعت کرنے میں جلدی کی ہے مناسب ہوتا اگر آپ تسلی کے لئے پوری پوری تحقیق کر لیتے۔ میں نے کہا میری تسلی تو خدا کے فضل سے ہوگئی ہے۔اس کے بعد مولوی صاحبؓ نے وہ مرسلہ رسائل جو حضور اقدسؑ نے قادیان سے میرے نام ارسال فرمائے تھے پڑھنا شروع کر دیئے۔ان رسالوں کے مطالعہ سے مولوی صاحبؓ کو تو اس قدر فائدہ ہوا یا نہیں مگر مجھے ان کے مطالعہ سے یوں معلوم ہوا کہ جیسے میں ایک تاریک دنیا سے نکل کر روشنی کے عالم میں آ گیا ہوں۔

آخر مولوی صاحبؓ کو بھی خدا تعالیٰ نے حضور اقدس کی کتابوں کے مطالعہ سے ہدایت بخشی اور آپ 1899ء میں میرے ساتھ حضور اقدس علیہ السلام کی دستی بیعت کے لئے قادیان روانہ ہوگئے۔(حیات قدسی صفحہ 16 تا 19)

حضرت میاں وزیر خاں صاحب رضی اللہ عنہ ساکن بلب گڑھ دہلی بعدہٗ قادیان (بیعت 1892ء) تحریر کرتے ہیں کہ:

’’میں ناگہل علاقہ منی پور میں بصیغہ ملازمت سب اوورسیئر متعین تھا۔۔۔ اس زمانے میں ایک شخص سردار نامی جو۔۔۔احمدی تھا وہ میرے پاس آیا اور کتابِ ’’نشانِ آسمانی‘‘ مجھے دے گیا۔اُس کو میں نے پڑھا۔اس میں لکھا تھا:

انبیاء در اولیاء جلوہ دہند
ہر زماں آیند در رنگے دِگر

اس شعر نے مجھ پر وہ اثر کیا کہ حضرت صاحب کی صداقت مجھ پر کھل گئی۔

(رجسٹر روایات صحابہ نمبر 14 صفحہ 356)

ہمارے خاندان میں احمدیت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منظوم کلام کی برکت کا نتیجہ ہے۔

ہمارے خاندان کا شجرہ نسب شیر شاہ سوری سے جا ملتا ہے۔وہ اپنے زمانہ میں جب پنجاب آیا تو اس کے کچھ لوگ دریائے جہلم کے کنارے آباد ہوگئے۔ اُن میں سے ایک ہمارا خاندان بھی تھا۔ ہمارا خاندان بھیرہ کے قریب ایک قصبہ میانی میں آباد ہوا۔میانی اُس زمانہ میں نمک کی ایک بڑی منڈی تھا۔وہاں دریائے جہلم کے دوسری طرف کھیوڑا سے نمک آتا تھا۔اور اُس کا کاروبار ہوتا تھا۔میرے دادا جان حاجی جلال الدین صاحب مرحوم و مغفور اپنے علاقہ کی معروف شخصیت تھے۔مقامی کمیٹی کے صدر بھی تھے۔اور تجارت کے سلسلہ میں اُن کا کافی وقت ایران، بخارا اور سمرقند میں گزرتا تھا۔اس وجہ سے فارسی ادب سے بہت لگاؤ تھا۔

میرے والد صاحب مکرم مختار احمد ایاز صاحب 1905ء میں پیدا ہوئے۔میانی میں مقامی مڈل سکول میں تعلیم شروع کی۔میانی سے دو اڑھائی میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں گھکھیاٹ تھا۔وہاں احمدیہ مسجد بھی تھی اور بابو فخر الدین صاحب کا خاندان رہائش پذیر تھا۔آپ کے بیٹے مکرم محمد اسحاق صاحب، مکرم محمد یعقوب طاہر صاحب زود نویس اور پروفیسر ابراہیم ناصر صاحب ابا کے ساتھ میانی سکول میں پڑھتے تھے۔اور اس طرح آپس میں دوستانہ تعلقات تھے۔میرے والد اکثر سکول کے بعد ان کے ساتھ ان کے گھر گھکھیاٹ چلے جایا کرتے تھے۔یہ مخلص خاندان تھا۔گھر کا ماحول پاکیزہ تھا۔بچے درثمین کی نظمیں پڑھتے رہتے اور نمازوں کے لئے مسجد جاتے،میرے ابا کو بھی درثمین کی نظمیں پڑھنے کا شوق ہو گیا۔اور وہ گھر واپس آکر سب کو یہ نظمیں سناتے۔اس ماحول سے میرے ابا بہت متاثر ہوئے۔اور غالباً 1918ء کے جلسہ سالانہ میں شمولیت کے لئے جب یہ احمدی خاندان قادیان جانے کے لئے تیار ہوا تو انہوں نے میرے ابا کو بھی ساتھ جانے کی دعوت دی ہمارے دادا جی راضی ہو گئے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ابا جان کے لئے ہدایت کے سامان کر دئے۔اُس وقت ابا جان کی عمر قریباً 13 سال تھی۔

جلسہ سالانہ میں شامل ہونے اور اور قادیان کے بابرکت ماحول میں کچھ دن گزارنے کا یہ اثر ہوا کہ میرے ابا نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور جب واپس میانی آئے تو میرے دادا اُن سے بہت ناراض ہوئے اور کچھ دنوں کے لئے گھر سے نکال دیا۔

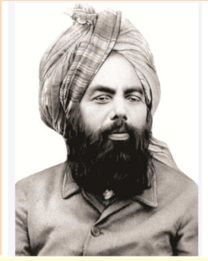
میرے دادا جان کی بیٹھک میں روزانہ لوگ آتے تھے اور ان میں مقامی مولوی اور مفتی بھی تھے۔جو احمدیت کے مخالف تھے۔میرے ابا پر مخالفت کا کوئی اثر نہیں تھا۔اور وہ باقاعدہ گھکھیاٹ مسجد جاتے اور وہاں جماعت کی تقاریب میں شامل ہوتے۔وہاں مسجد میں ایک چھوٹی سے لائبریری بھی تھی۔ایک دن میرے ابا نے دیکھا کہ اُس میں درثمین فارسی بھی ہے۔انہوں نے اس خیال سے کہ میرے دادا کو فارسی زبان کے ساتھ دلی لگاؤ ہے وہ درثمین لے لی اور لاکر میرے دادا جان کو دے دی۔وہ فارسی میں منظوم کلام کی کتاب کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔اُن کی آواز بھی اچھی تھی۔کچھ دنوں بعد وہ اپنی بیٹھک میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا منظوم کلام فارسی خوش الحانی سے پڑھتے اور اس کلام کا جوان کے جذبات پر اثر ہوتا تھا وہ بھی چہرے سے عیاں تھا۔اس کلام کی وجہ سے اور اس کی برکت سے اُن کے دل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عقیدت کا جذبہ پیدا ہونے لگا۔اور ان کو یقین ہو گیا کہ ایسا کلام لکھنے والا حضرت رسول کریم ﷺ کا عاشق صادق اور اللہ تعالیٰ کا محبوب ہی ہو سکتا ہے۔اس طرح اللہ تعالیٰ نے اُن کو احمدیت قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔الحمدللہ۔

اس پر وہاں کے مفتی اور مولوی شدید مخالفت پر اُتر آئے اور چند مرتبہ دادا پر حملہ بھی کیا۔اور وہ زخمی ہوئے لیکن اپنے ایمان پر مضبوطی سے قائم رہے۔احمدیت قبول کرنے کی وجہ سے اُن کی کمیٹی کی صدارت بھی جاتی رہی اور کاروبار کو بھی بہت نقصان پہنچا لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کو ثابت قدم رکھا اور آخر دم تک انہوں نے اخلاص و محبت کا نمونہ دکھایا اور خلافت ثانیہ کے دوران 1939ء میں جب میرے ابا جان مشرقی افریقہ میں تھے وفات پائی۔

مختصر یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا منظوم کلام ظاہری و باطنی خوبیوں سے معمور ہے۔نہ زبان میں طاقت کہ وہ بیان کر سکے نہ قلم میں قوت کہ وہ تحریر کر سکے۔بار ہا تجربہ سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ آپ کے منظوم کلام کے پڑھنے کے بعد عبادات میں ایک خاص لذت اور مزہ آتا ہے۔اور سچ ہے اللہ تعالیٰ نے یونہی تو آپ کو ''سلطان القلم'' کا لقب عطا نہیں فرمایا۔فی الواقع آپ نظم و نثر میں اس مقام پر کھڑے ہیں کہ ''سلطان القلم'' کا لقب آپ ہی کو زیبا ہے۔

اس کلام کی طلسمی قوت اور برکت سے بہت لوگوں نے ہدایت پائی اور جماعت احمدیہ میں شامل ہوئے۔اس کلام کے پڑھنے اور سننے سے جذبات میں جو سوز و گداز پید ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور دعاؤں کے لئے ایک خاص جوش پیدا کرتا ہے۔اور انسان کی روحانی اور اخلاقی ترقی کا باعث بنتا ہے۔فکر مندی اور پریشانی کے عالم میں حضور علیہ السلام کا کلام پڑھنے والے میں توکل الی اللہ پیدا کرتا ہے۔اور تسکین قلب عطا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم حضرت مسیح موعود عیہ السلام کے کلام سے اپنے دلوں کو اور اپنے گھروں کو منور کرتے رہیں کیونکہ اس میں راحت و آرام ہے۔



حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے احسانات ......عورتوں پر......

(لیڈی امتہ الباسط ایاز ۔لندن)

آج وہ موضوع جس پر لکھنے کیلئے میں نے اپنا قلم اٹھایا ہے وہ ہے ’’حضرت مسیح موعودؑ کے احسانات عورتوں پر‘‘۔ آپ میں سے کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو حضرت مسیح موعودؑ کے احسانات کے نیچے دبا ہوا نہ ہوگا۔ ایسا ہی میرے خیال میں آپ میں سے کوئی شخص ایسا بھی نہ ہوگا جو اپنے رنگ میں حضرت مسیح موعودؑ کو بہتر سے بہتر طریق پر بیان نہ کرسکتا ہو۔ اس لئے میں تو یہی کہوں گی مجھ سے حضرت مسیح موعودؑ کے احسانات بیان نہیں ہوسکیں گے۔ مجھ میں ان کے بیان کرنے کی طاقت ہی نہیں۔ اور میں اُن کے بیان کرنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتی۔ پھر حضرت مسیح موعودؑ کے کسی خاص قوم، کسی خاص مقام، کسی خاص علاقہ کسی خاص ملک پر ہی احسان نہیں بلکہ مشرق و مغرب پر، شمال و جنوب پر، گورے کالے پر، شاہ گدا پر، غرض کوئی فرد دنیا کا ایسا نہیں ہے جو آپکے احسانوں کے نیچے دبا ہوا نہ ہو۔ پھر ان بے شمار و لاتعداد احسانات کا بیان کرنا کیونکر ممکن ہے۔ اس لئے میں تو یہی کہوں گی:

کس طرح تیرا کروں اے ذوالمنن شکروسپاس

وہ زباں لاؤں کہاں سے جس سے ہو یہ کاروبار

پھر کس احسان کو پہلے لکھوں اور کس کو پیچھے۔ کونسے احسان کو مقدم کروں اور کونسے احسان کو مؤخر۔

چند دن قبل ہی ہماری اس قسم کی ایک محفل میں ہمارے پیارے آقا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا بکثرت ذکر ہوا۔ اور مجھے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات عورتوں پر کے موضوع پر کچھ لکھنے کو کہا گیا۔ حتی المقدور کوشش سے میں نے اُس پیاری ہستی کے احسانوں کا ذکر کچھ اس طرح کیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ احسان بھی کسی طرح کم نہیں کہ ہم عورتوں کے وجود کو زندہ درگور کرنے سے منع کیا اور پھر ہمارے حقوق کی حفاظت کی۔ اور بحیثیت ایک ماں، ایک بیٹی، ایک بہو اور ایک بہن کے سب کے حقوق الگ الگ بیان فرمائے۔ پھر ایک وقت آیا کہ زمانہ گزر گیا اپنی باتوں کو دوہراتے یاد کرتے ہوئے، سو خدا تعالیٰ نے ہم پر یہ احسان کیا کہ حضرت مسیح موعودؑ کو مبعوث فرمایا جو قادیان کی گمنام بستی سے ہمارے لئے احمدیت کا پیغام لے کر کھڑے ہوئے۔ اور پھر وہی بات کہ صنف نازک کی بقاء اور حفاظت اور تعلیم و تربیت کا فکر دامنگیر ہوا۔ حضورؑ نے اپنی ساری زندگی عورتوں کی اصلاح میں مختلف مواقع پر مختلف ارشادات فرمائے۔ حضرت مسیح موعودؑ اپنی تصنیف کشتی نوح میں فرماتے ہیں:

’’اے تمام لوگو جو اپنے تئیں میری جماعت میں شمار کرتے ہو، آسمان پر تم اسی دن میری جماعت میں شمار کئے جاؤ گے جب تقویٰ کی راہوں پر قدم مارو گے سو اپنی پنج وقتہ نمازوں کو ایسے خوف اور حضور قلب سے ادا کیا کرو کہ گویا تم خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہو اور اپنے روزوں کو خدا کیلئے صدق کے ساتھ پورے کرو۔ ہر ایک جو زکوٰۃ کے لائق ہے وہ زکوٰۃ دے اور جس پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی چیز مانع نہیں وہ حج کرے۔ نیکی سنوار کر ادا کرو اور بدی کو بیزار ہو کر ترک کرو۔ یادرکھو کہ کوئی عمل خدا تک نہیں پہنچ سکتا جو تقویٰ سے خالی ہے۔

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے

اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

جس عمل میں یہ جڑ ضائع نہیں ہوگی وہ بھی ضائع نہیں ہوگا۔ ضرور ہے کہ کئی مرتبہ رنج و مصیبت سے تمہارا امتحان بھی ہو جیسا کہ پہلے مومنوں کے امتحان ہوئے۔ سو خبردار رہو ایسا نہ ہو کہ ٹھوکر کھاؤ۔ زمین تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی اگر تمہارا آسمان سے پختہ تعلق ہے۔ جب کبھی تم اپنا نقصان کرو گے تو اپنے ہاتھوں سے نہ کہ دشمن کے ہاتھوں سے۔ اگر تمہاری زمینی عزت ساری جاتی رہے تو خدا تمہیں ایک لازوال عزت آسمان پر دے گا، سو تم اس کو مت چھوڑو اور ضرور ہے کہ تم دکھ دئے جاؤ اور اپنی کئی امیدوں سے بے نصیب کئے جاؤ۔ سو ان صورتوں سے دلگیر مت ہو کیونکہ تمہارا خدا تمہیں آزماتا ہے کہ تم اس کی راہ میں ثابت قدم ہو یا نہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ آسمان پر فرشتے بھی تمہاری تعریف

کریں تو تم ماریں کھاؤ اور خوش رہو اور گالیاں سنو اور شکر کرو اور نا کامیاں دیکھو اور پیوند مت توڑو۔ تم خدا کی آخری جماعت ہو سو وہ نیک عمل دکھلاؤ جو اپنے کمال میں انتہائی درجہ پر ہوں۔ ہر ایک جو تم میں سے سست ہو جائے گا وہ ایک گندی چیز کی طرح جماعت میں سے باہر پھینک دیا جائے گا۔ اور حسرت سے مرے گا اور خدا کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ دیکھو میں خوشی سے خبر دیتا ہوں کہ تمہارا خدا درحقیقت موجود ہے اگرچہ سب اسی کی مخلوق ہیں لیکن وہ اس شخص کو چن لیتا ہے، جو اُس کو چُنتا ہے۔ وہ اس کے پاس آجاتا ہے جو اس کے پاس جاتا ہے، جو اس کو عزت دیتا ہے وہ بھی اس کو عزت دیتا ہے۔ تم اپنے دلوں کو سیدھے کر کے اور زبانوں اور آنکھوں اور کانوں کو پاک کر کے اس کی طرف آجاؤ کہ وہ تمہیں قبول کرے گا۔''

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 15)

بزرگانِ دین کو عام طور پر عورتوں کو ہی اپنی اصلاح کی طرف توجہ دلانے کی ضرورت پیش آئی ہے۔ دراصل ہم عورتوں کے صنفِ نازک ہونے کی حیثیت سے جہاں ذمہ داریاں کچھ زیادہ ہیں وہاں روزمرہ زندگی کے تجربہ سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے کہ ہم عورتوں سے ہی دن رات کئی قسم کے واقعات اور غلطیاں سرزد ہو کر گھر کا ماحول ناخوشگوار ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح کئی بد رسموں کے پیچھے معاشرہ میں برائیاں پیدا ہونے کا ڈر تھا۔ جبھی تو حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:

''ہمارے گھروں میں شریعت کی پابندی میں بہت سستی کی جاتی ہے۔ بعض عورتیں زکوٰۃ دینے کے لائق ہیں اور بہت سارا زیور اُن کے پاس ہے مگر وہ زکوٰۃ نہیں دیتیں۔ بعض عورتیں نماز، روزہ کے ادا کرنے میں بہت سستی سے کام لیتی ہیں، بعض عورتیں شرک کی رسمیں بجالاتی ہیں۔ بعض ایسی نیازیں دیتی ہیں جن میں یہ شرط رکھ دیتی ہیں کہ عورتیں کھاویں کوئی مرد نہ کھاوے۔ بعض جمعرات کی چوکی بھرتی ہیں۔ مگر یاد رکھنا چاہئے کہ یہ سب شیطانی طریق ہیں۔ ہم صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ان لوگوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے ڈرو ورنہ مرنے کے بعد ذلت اور رسوائی سے سخت عذاب میں پڑو گے اور اس غضبِ الٰہی میں مبتلا ہو جاؤ گے جس کی انتہا نہیں۔

ہماری قوم میں ایک یہ بھی بد رسم ہے کہ شادیوں میں صدہا روپیہ کا فضول خرچ ہوتا ہے۔ سو یاد رکھنا چاہئے کہ شیخی اور بڑائی کے طور پر برادری میں بھاجی تقسیم کرنا اور اس کا دینا اور کھانا یہ دونوں باتیں عند الشرع حرام ہیں۔ اور آتش بازی چلانا، رنڈی، ڈھوم، ڈھاریوں کو دینا یہ سب حرام مطلق ہیں۔ ناحق روپیہ ضائع ہوجاتا ہے۔ اور گناہ سر پر چڑھ جاتا ہے۔ سو اس کے علاوہ شرح شریف میں تو صرف اتنا حکم ہے نکاح کرنے والا بعد نکاح کے ولیمہ کرے اور چند دوستوں کو کھانا پکا کر کھلا دے۔'' (مجموعہ اشتہارات جلد اوّل صفحہ 70)

ایک اور اہم بات ہم عورتوں کی اصلاح کیلئے یہ بیان کی۔ فرمایا:۔

''ہماری قوم میں یہ بھی ایک بد رسم ہے کہ دوسری قوم کو لڑکی دینا پسند نہیں کرتے بلکہ حتی الوسع لینا بھی پسند نہیں کرتے۔ یہ سراسر تکبر اور نخوت کا طریقہ ہے۔ جو احکام شریعت کے بالکل خلاف ہے۔ سب خدا تعالیٰ کے بندے ہیں۔ رشتہ ناطہ میں یہ دیکھنا چاہئے کہ جس سے نکاح کیا جاتا ہے وہ نیک بخت اور نیک وضع آدمی ہے۔ اور کسی ایسی آفت میں مبتلا تو نہیں جو موجبِ فتنہ ہو اور یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ

یعنی تم میں سے خدا تعالیٰ کے نزدیک زیادہ بزرگ وہی ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔''

(ملفوظات جلد 9 صفحہ 46۔ ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

کتنی عمدہ تعلیم دی ہمیں رشتہ ناطہ کرنے کی۔ یہ ہم پر بڑا احسان ہے کہ کاش ہم اس پر عمل پیرا ہوں۔ پھر آگے لکھا ہے کہ عورتوں میں ایک یہ بھی بد عادت ہوتی ہے کہ جب کسی عورت کا خاوند اپنی کسی مصلحت کیلئے دوسرا نکاح کرنا چاہتا ہے تو وہ عورت اور اس کے اقارب سخت ناراض ہوتے ہیں۔ اللہ جل شانہٗ نے اپنی حکمت کاملہ سے جس میں صدہا مصالح ہیں مردوں کو اجازت دے رکھی ہے کہ وہ اپنی کسی ضرورت یا مصلحت کے وقت چار تک بیویاں کر لیں۔ پھر جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق کوئی نکاح کرتا ہے تو اس کو کیوں برا کہا جاوے۔

پھر فرمایا کہ عورتوں میں ایک خراب عادت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ بات بات میں مردوں کی نافرمانی کرتی ہیں اور ان کی اجازت کے بغیر ان کا مال خرچ

کر دیتی ہیں۔اور ناراض ہونے کی حالت میں بہت کچھ برا بھلا ان کے حق میں کہہ دیتی ہیں۔ایسی عورتیں اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک لعنتی ہیں۔اُن کا نماز، روزہ اور کوئی عمل منظور نہیں۔اللہ تعالیٰ صاف فرماتا ہے کہ کوئی عورت نیک نہیں ہو سکتی جب تک پوری پوری خاوند کی فرماں برداری نہ کرے اور دلی محبت سے اس کی تعظیم نہ بجالائے اور پس پشت اس کیلئے خیر خواہ نہ ہو۔اور پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں پر لازم ہے کہ اپنے مردوں کی تابعدار رہیں ورنہ ان کا کوئی عمل منظور نہیں اور نیز فرمایا کہ اگر غیر خدا کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں حکم دیتا کہ عورتیں اپنے خاوندوں کو سجدہ کیا کریں۔اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے حق میں کوئی بدزبانی کرتی ہے یا اہانت کی نظر سے اس کو دیکھتی ہے اور حکم ربانی سن کر بھی باز نہیں آتی تو خدا اور رسول اس سے ناراض ہیں۔عورتوں کو چاہیئے کہ اپنے خاوندوں کا مال نہ چرائیں اور نامحرم سے اپنے تئیں بچائیں، اور یاد رکھنا چاہیئے کہ بجز خاوند اور ایسے لوگوں کے جن کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں اور جتنے مرد ہیں اُن سے پردہ کرنا ضروری ہے۔جو عورتیں نامحرم مردوں سے پردہ نہیں کرتیں شیطان ان کے ساتھ ہے۔

عورتوں کیلئے یہ مضمون بھی واضح کرنا ضروری تھا کہ اگر کسی عورت کا خاوند مر جائے گو وہ عورت جوان ہی ہو تو دوسرا خاوند کرنا ایسا برا جانتی ہے جیسا کہ کوئی بڑا بھاری گناہ ہوتا ہے اور تمام عمر بیوہ اور رانڈ رہ کر یہ خیال کرتی ہے میں نے بڑے ثواب کا کام کیا ہے اور پاکدامن بیوی ہو گئی ہوں۔حالانکہ اس کے لئے بیوہ رہنا سخت گناہ کی بات ہے۔عورتوں کیلئے بیوہ ہونے کی حالت میں خاوند کر لینا بہت ثواب کی بات ہے۔ایسی عورت حقیقت میں بڑی نیک بخت اور ولی ہے جو بیوہ ہونے کی حالت میں بُرے خیالات سے ڈر کر کسی سے نکاح کرے اور نابکار عورتوں کے لعن طعن سے نہ ڈرے۔ایسی عورتیں جو خدا اور اس کے رسول کے حکم سے روکتی ہیں خود لعنتی ہیں جن کے ذریعہ سے شیطان اپنا کام چلاتا ہے۔جس عورت کو رسول اللہ ﷺ سے پیار ہے اسے چاہیئے کہ بیوہ ہونے کے بعد کوئی ایماندار اور نیک بخت خاوند تلاش کرے۔اور یاد رکھے کہ خاوند کی خدمت میں مشغول رہنا بیوہ ہونے کی حالت کے وظائف سے صد درجہ بہتر ہے۔

چونکہ عورت کمزور ذات ہے اس کو زیادہ نصائح کی جاتی ہیں۔خوشی کے موقع کیلئے بھی فرما دیا اور اب کچھ باتیں رنج و غم کے موقع کے لئے بھی بتا دیں۔فرمایا:

''ماتم کی حالت میں جزع فزع اور نوحہ یعنی سیاپا کرنا اور چیخیں مار کر رونا، بے صبری کے کلمات زبان پر لانا یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ جن کو کرنے سے ایمان کے جانے کا اندیشہ ہے اور یہ سب رسمیں ہندوؤں سے لی گئی ہیں۔ جاہل لوگوں نے اپنے دین کو بھلا دیا اور ہندوؤں کی رسمیں اختیار کر لیں۔کسی عزیز اور پیارے کی موت کی حالت میں.....قرآن شریف میں یہ حکم ہے کہ صرف انا للہ وانا الیہ راجعون کہیں یعنی ہم خدا تعالیٰ کا مال ہیں اور مِلک ہیں۔ اسے اختیار ہے جب چاہے اپنا مال لے لے اور اگر رونا ہو تو صرف آنکھوں سے آنسو بہانا جائز ہے۔''

(بدر۔جلد 2 نمبر 30۔مورخہ 26 جولائی 1906ء۔صفحہ 12)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عائلی زندگی کے بارہ میں آپؑ کے برادر نسبتی حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''میں نے اپنے ہوش میں نہ کبھی حضور علیہ السلام کو حضرت ام المؤمنین سے ناراض دیکھا نہ سنا بلکہ ہمیشہ وہ حالت دیکھی جو ایک ideal جوڑے کی ہونی چاہیے۔''

(سیرت حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہؓ مرتبہ حضرت شیخ محمود احمد عرفانی و شیخ یعقوب علی عرفانی صفحہ 231)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت اماں جان کی شادی ایک الہامی شادی تھی جو اذن الٰہی کے تابع ہوئی۔اس بارے میں سیرت حضرت اماں جانؓ میں مذکور ہے:

''یہ شادی 1884 میں ہوئی۔یہی وہ سال ہے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ اسلام نے اپنے دعویٰ مجددیت کا اعلان فرمایا تھا اور پھر سارے زمانہ ماموریت میں حضرت اماں جانؓ......حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی رفیقہ حیات رہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام انتہا درجہ شفقت کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کی بے حد دلداری فرماتے تھے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ زبردست احساس تھا کہ یہ شادی خدا کے منشا کے ماتحت ہوئی ہے اور یہ کہ حضور کی زندگی کے مبارک دور کے ساتھ حضرت اماں جانؓ کو مخصوص نسبت

ہے چنانچہ بعض اوقات حضرت اماں جان بھی محبت اور ناز کے انداز میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کہا کرتی تھیں:

''میرے آنے کے ساتھ ہی آپ کی زندگی میں برکتوں کا دور شروع ہوا ہے۔''

اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسکرا کر فرماتے تھے: ''ہاں یہ ٹھیک ہے۔'' (از سیرت و سوانح حضرت اماں جانؓ مصنفہ پروفیسر سیدہ نسیم سعید صاحبہ صفحہ 107)

حضرت اماں جانؓ بیان فرماتی ہیں کہ:

''میں پہلے پہل جب دہلی سے آئی تو مجھے معلوم ہوا کہ حضرت (مسیح موعودؑ) کو گُڑ والے چاول بہت پسند ہیں۔ میں نے بڑے شوق سے ان کے پکانے کا انتظام کیا۔ تھوڑے سے چاول منگوائے اور اس میں چار گنا گُڑ ڈال دیا۔ وہ بالکل خراب بن گئے۔ جب دیگچی چولہے سے اُتاری اور چاول برتن میں نکالے تو دیکھ کر سخت رنج اور صدمہ ہوا کہ یہ تو خراب ہو گئے۔ ادھر کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔ حیران تھی کہ اب کیا کروں۔ اتنے میں حضرت صاحب آ گئے۔ میرے چہرے کو دیکھا جو رنج اور صدمہ سے رونے والوں کا سا بنا ہوا تھا۔ آپ دیکھ کر ہنسے اور فرمایا:

''کیا چاول اچھے نہ پکنے کا افسوس ہے؟''

پھر فرمایا:

''نہیں یہ تو بہت مزیدار ہیں۔ میری پسند کے مطابق پکے ہیں۔ ایسے ہی زیادہ گڑ والے تو مجھے پسند ہیں۔ یہ تو بہت ہی اچھے ہیں۔''

اور پھر بہت خوش ہو کر کھائے۔ حضرت اماں جانؓ فرماتی تھیں کہ:

''حضرت صاحب نے مجھے خوش کرنے کو اتنی باتیں کیں کہ میرا دل بھی خوش ہو گیا۔'' (سیرت حضرت اماں جانؓ مصنفہ صاحبزادی امۃ الشکور صاحبہ، ص 6,7)

ازدواج سے حسن و احسان کا ذکر کرتے ہوئے بطور نصیحت حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''ہمیں تو کمال بے شرمی معلوم ہوتی ہے کہ مرد ہو کر عورت سے جنگ کریں۔ ہم کو خدا نے مرد بنایا اور یہ درحقیقت ہم پر اتمام نعمت ہے۔ اس کا شکر یہ ہے کہ عورتوں سے لطف اور نرمی کا برتاؤ کریں۔''

(سیرت مسیح موعود علیہ السلام از مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی رضی اللہ عنہ صفحہ 18)

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعودؑ کسی سفر میں تھے۔ سٹیشن پر پہنچے تو ابھی گاڑی آنے میں دیر تھی۔ آپ بیوی صاحبہ کے ساتھ سٹیشن کے پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگے۔ یہ دیکھ کر مولوی عبدالکریم صاحب جن کی طبیعت غیور اور جوشیلی تھی میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ بہت لوگ اور پھر غیر لوگ ادھر ادھر پھرتے ہیں۔ آپ حضرت صاحب سے عرض کریں کہ بیوی صاحبہ کو کہیں الگ بٹھا دیا جاوے۔ مولوی صاحب فرماتے تھے کہ میں نے کہا میں تو نہیں کہتا آپ کہہ کر دیکھ لیں۔ ناچار مولوی عبدالکریم صاحب خود حضرت صاحب کے پاس گئے اور کہا کہ حضور لوگ بہت ہیں بیوی صاحبہ کو الگ ایک جگہ بٹھا دیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا جاؤ جی میں ایسے پردے کا قائل نہیں ہوں۔ (سیرۃ المہدی جلد اول، حصہ اول صفحہ 56)

حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے ایک روایت لکھی ہے:

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اندرون خانہ جس دالان میں عموماً سکونت رکھتے تھے، جس کی ایک کھڑکی کوچہ بندی کی طرف کھلتی ہے اور جس میں سے ہو کر بیت الدعا کو جاتے ہیں۔ اس کمرے کی لمبائی کے برابر اس کے آگے جنوبی جانب ایک فراخ صحن ہوا کرتا تھا۔ گرمی کی راتوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے اہل و عیال سب اس صحن میں سویا کرتے تھے۔ لیکن برسات میں یہ دقت ہوتی کہ اگر رات کو بارش آ جائے تو چارپائیاں یا تو دالان کے اندر لے جانی پڑتی تھیں یا نیچے کے کمروں میں۔ اس واسطے حضرت اُمّ المؤمنین نے یہ تجویز کی کہ اس صحن کے ایک حصہ پر چھت ڈال دی جائے تاکہ برسات کے واسطے چارپائیاں اس کے اندر کی جا سکیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس تبدیلی کے واسطے حکم صادر فرمادیا۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ مرحوم کو جب اس تبدیلی کا حال معلوم ہوا تو وہ اس تجویز کی مخالفت کے لیے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضرت مولوی صاحبؓ نے عرض کی کہ ایسا کرنے سے صحن تنگ ہو جائے گا، ہوا نہ آئے گی، صحن کی خوبصورتی جاتی رہے گی وغیرہ وغیرہ۔ دیگر احباب نے بھی مولوی صاحبؓ کی بات کی تائید کی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی باتوں کا جواب دیا۔ مگر

آخری بات جو حضورؑ نے فرمائی اور جس پر سب خاموش ہوئے وہ یہ تھی:

''کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وعدوں کے فرزند اس بی بی سے عطا کئے ہیں جو شعائر اللہ میں سے ہیں۔اس واسطے اس کی خاطر داری ضروری ہے اور ایسے امور میں اس کا کہنا ماننا لازمی ہے۔''

یہی روایت حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے اپنی سیرت اور حضرت عرفانی کبیر نے اپنی سیرت حصہ سوم کے صفحہ 368 پر لکھی ہے۔مگر اس میں کچھ لفظی تغیر ہے۔جو یوں ہے۔فرمایا:

نفس روایت یا موضوع کی روح میں کوئی فرق نہیں۔بہرحال یہ ایک واقعہ ہے کہ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے نہ اس وفد کی پروا کی نہ ان دلائل کو وزنی قرار دیا بلکہ ان سب چیزوں کے مقابل میں عملی طور پر حضرت اُمّ المؤمنین کی بات اور منشا کو ترجیح دی۔

ایک دفعہ حضرت اُمّ المؤمنین نے اس سیڑھی کے بدلنے کی ضرورت محسوس کی جو حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کے مکان کی دیوار کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔اسے اس بالا خانہ کے ساتھ رکھنا تھا جس میں مولوی محمد علی صاحب رہتے تھے اور نیچے مولوی سیّد محمد احسن صاحب رہتے تھے۔مولوی محمد احسن صاحب نے اس سیڑھی کے وہاں رکھنے کی مخالفت کی کہ میرے حجرہ کو اندھیرا ہو جائے گا۔حضرت اُمّ المؤمنین نے حکم دیا کہ سیڑھی وہیں رکھی جائے۔

حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے مسکرا کر فرمایا:

''مولوی صاحب! آپ کیوں جھگڑتے ہیں۔میر صاحبؓ کو جو حکم دیا گیا ہے ان کو کرنے دیجئے۔روشنی کا انتظام کر دیا جائے گا۔آپ کو تکلیف نہیں ہوگی۔''

اس طرح پر حضرت اُمّ المؤمنین کی خواہش کو پورا کر دیا گیا۔الغرض کبھی بھی کوئی ایسا موقع نہیں آیا جس میں حضرت اقدسؑ کی طرف سے حضرت اُمّ المؤمنین کی دل شکنی ہوئی ہو۔

حضرت ام ناصر صاحبہؓ نے ایک دفعہ ذکر کیا کہ:

''حضرت اماں جانؓ ایک بار بیمار تھیں اور حضرت اقدسؑ تیمارداری فرما رہے تھے،کھڑے دوائی پلا رہے تھے اور حالت اضطراب میں حضرت اماں جانؓ کہہ رہی تھیں ہائے میں مرجاؤں گی آپ کا کیا ہے،بس اب میں مر چلی ہوں تو حضرت صاحبؑ نے آہستہ سے فرمایا تو تمہارے بعد ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے؟''

(سیرت حضرت اماں جانؓ مصنفہ پروفیسر سیدہ نسیم سعید صاحبہ ص 117)

حضرت مسیح موعودعلیہ السلام اپنی کتاب کشتی نوح میں نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جو شخص اپنی اہلیہ اور اس کے اقارب سے حسن سلوک نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔''

سکینہ بیگم اہلیہ ماسٹر احمد حسین فرید آبادی نے ماسٹر صاحب سے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ حضورؑ اپنی مجلس میں یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ مردوں کو چاہیے کہ عورتوں کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آیا کریں۔اور عورتوں کو فرمایا کرتے کہ عورتوں کو اپنے گھر کو جنت بنا کر رکھنا چاہیے اور مردوں کے ساتھ کبھی اونچی آواز سے پیش نہیں آنا چاہیے اور میں جب کبھی حضرت صاحب کے گھر آتی تو میں دیکھا کرتی کہ حضور ہمیشہ ام المؤمنین کو بڑی نرمی کے ساتھ آواز دیتے: ''محمود کی والدہ'' یا کبھی ''محمود کی اماں! یہ بات اس طرح سے ہے'' اور اپنے نوکروں کے ساتھ بھی نہایت نرمی سے پیش آتے۔مجھے یاد نہیں آتا کہ حضور کبھی کسی کے ساتھ سختی سے گفتگو کرتے،ہمیشہ خندہ پیشانی کے ساتھ بولتے۔

(سیرت المہدی جلد دوم حصہ پنجم روایت 1576 صفحہ 319 اگست 2008)

عیدین پر تمام خواتین کی حاضری رسول کریم ﷺ نے ضروری قرار دی اور فرمایا جن عورتوں نے بوجہ عذر شرعی نماز نہیں پڑھنی وہ مسلمانوں کی دعا میں شریک ہو جائیں۔اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم مردوں میں خطبہ کے بعد عورتوں کی طرف بھی تشریف لے جاتے اور انہیں وعظ فرماتے تھے۔

(بخاری کتاب العیدین بحوالہ''اسوۂ انسانِ کامل''صفحہ 410 ایڈیشن 2004)

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے پیارے نبی حضرت مسیح موعودؑ پر اپنی ہزاروں ہزار رحمتیں نازل فرمائے جنہوں نے آ کر ہمیں ایسی عمدہ تعلیم دی کہ ہم سبھی گھروں کو جنت بنالیں اور خدا کے حضور سرخرو ہو کر حاضر ہو سکیں۔خدا تعالیٰ ہمیں حضور کی تعلیم پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے۔آمین۔

خلافت



ڈاکٹر طارق انور باجوہ۔لندن

خدا نے خود بشارت دی، خلافت کی جو قرآں میں
عطا کر کے یہ نعمت، تمکنت بخشی ہے ایماں میں
یہی ہے نور، مومن روشنی پاتے ہیں اس سے، جب
سمجھ لیتے ہیں دشمن، اب یہ بھٹکیں گے بیاباں میں
ابوبکر و عمر ، عثماں، علی، سب کی خلافت میں
محمّد مصطفٰی کے بعد، طاقت تھی مسلماں میں
مگر وعدہ خلافت کا مسلمانوں سے تب تک ہے
عمل صالح رہیں، پختہ رہیں گر اپنے ایماں میں
نبوّت مل گئی پھر سے، خدا کا فضل ہے ہم پر
خلافت اس کے بعد آنے کا وعدہ بھی تھا، فرقاں میں
مسیحا الوصیّت میں خبر جو دے گئے آخر
ہوئی ظاہر وہ قدرت ثانیہ اک مردِ میداں میں
زُمامِ کارواں ہاتھوں میں آئی نورِ دیں کے پھر
خلافت کو سمجھتا تھا وہ لازم جزوِ ایماں میں
وہ با ہمّت، عجب نورِ یقیں سے خود منوّر تھا
طبیبِ اعلٰی تھا دل اس کا مگن رہتا تھا، قرآں میں
پھر آگے لے گیا محمود تیزی سے جماعت کو
صدی آدھی سے زائد، وہ چلا ہر ایک طوفاں میں
بڑی مضبوط بنیادوں پہ قائم کیں جو تنظیمیں
دیا پیغامِ حق، پیچھے ہٹیں نہ عہد و پیماں میں
کیے پھر پیش ناصر نے حکومت کو جواب اپنے
حکومت نے بلایا جب انہیں تھا اپنے ایواں میں
دیا تھا اس نے نعرہ ہر کسی سے پیار کرنے کا
مٹائی مسکرا کر اس نے نفرت، نوعِ انساں میں

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں

”اطاعت کا مادہ نظام کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتا۔ پس جب بھی خلافت ہوگی اطاعت رسول بھی ہوگی کیونکہ اطاعت رسول یہ نہیں کہ نماز پڑھو یا روزے رکھو یا حج کرو۔ یہ تو خدا کے احکام کی اطاعت ہے۔ اطاعت رسول یہ ہے کہ جب وہ کہے کہ اب نمازوں پر زور دینے کا وقت ہے تو سب لوگ نمازوں پر زور دینا شروع کر دیں اور جب وہ کہے کہ اب زکوٰۃ اور چندوں کی ضرورت ہے تو وہ زکوٰۃ اور چندوں پر زور دینا شروع کر دیں اور جب وہ کہے کہ اب جانی قربانی کی ضرورت ہے یا وطن کو قربان کرنے کی ضرورت، تو وہ جانیں اور اپنے وطن قربان کرنے (چھوڑنے) کے لیے کھڑے ہو جائیں“۔

(تفسیر کبیر۔سورۃ نور)

زمام آئی خلافت کی ہے جب طاہر کے ہاتھوں میں
تو دیکھا عزم، پھونکی روح اس نے نوجواناں میں
وہ ہجرت کر کے آیا ملک سے اپنے مگر آ کر
چلا لے کر جماعت کو ترقی کے خیاباں میں
حکومت وہ دلوں پر کر کے رخصت ہو گیا جلدی
مگر زندہ رکھے گا ایم ٹی اے اس کو گلستاں میں
ہمیں مسرور نے بخشی، خوشی جب غم کے مارے تھے
بنا مرہم وہ زخموں کا جو تھے شامِ غریباں میں
ہمارا راہبر ہم سب کا پیارا وہ خلیفہ ہے
مٹا کر غم ہمارے ڈٹ گیا ہے پھر سے میداں میں
دیا پیغام، امن و آشتی کا اس نے دنیا کو
دعاؤں میں ہے ان کو یاد رکھا، جو ہیں زنداں میں
خلافت ہر قدم پر عروۃ الوثقیٰ ہماری ہے
اسی کو تھام کر بیٹھے ہوئے ہیں اس کے داماں میں
خدایا ہم خلافت سے رہیں وابستہ مرنے تک
نہ اس کا ہاتھ چھوڑیں، ہم چلیں راہِ بزرگاں میں

❁❁❁❁



فلسطین کا مسئلہ

رانا عبدالرزاق خاں۔لندن

Realism Returns to Palestine

فلسطین کی جدید تاریخ 1948 سے شروع ہوتی ہے، جب کہ بال فورڈ کلریشن (Balfour Declaration) کے تحت فلسطین کی تقسیم عمل میں آئی۔ یہ واقعہ برٹش ایمپائر کے زمانے میں ہوا۔ اِس تقسیم کے تحت جو ہوا، وہ یہ کہ سرزمینِ فلسطین کا تقریباً ایک تہائی حصہ یہود کو آباد کاری (Sattlement) کے لیے دیا گیا، جو کہ اُس وقت بیرونی علاقوں میں بسے ہوئے تھے۔ اور فلسطین کا تقریباً دوتہائی رقبہ عربوں کے حصے میں آیا، جو کہ پہلے سے وہاں موجود تھے۔ یہود کو یہ حق پہلی عالمی جنگ اور دوسری عالمی جنگ کے دوران محدود کوٹا سسٹم (Limited quota system) کے تحت دیا گیا تھا۔ بعد کو اسرائیل کی جو توسیع عمل میں آئی، وہ بال فورڈ کلریشن کا نتیجہ نہ تھی، بلکہ یقینی طور پر وہ عربوں کی اپنی غلط پالیسی کا نتیجہ تھی۔ مثلاً سوئز کمپنی کا پٹّہ (lease) جو 1968 میں اپنے آپ ختم ہو رہا تھا، اُس کو 1956 میں یک طرفہ طور پر ختم کردینا۔ فطری طور پر اِس کے نہایت خطرناک نتائج برآمد ہوئے۔ اِسی طرح فلسطین عربوں کا اپنی زمینوں کو زیادہ بڑی قیمت پاکر یہودیوں کے ہاتھ بیچ دینا، وغیرہ۔

یہود، یا بنی اسرائیل۔۔ یہود یا بنی اسرائیل کون ہیں۔ یہ دراصل حضرت ابراہیم کے پوتے، حضرت یعقوب سے نسبت رکھنے والے لوگ ہیں۔ حضرت یعقوب کے چوتھے بیٹے کا نام یہودا (juda) تھا۔ اُن سے منسوب ہوکر بعد کو یہ لوگ عام طور پر یہودی کہے جانے لگے۔ حضرت یعقوب کا عُرفی نام اسرائیل تھا۔ عبرانی زبان میں اسرائیل کے معنی ہیں: اللہ کا پہلوان، جیسا کہ اسماعیل کے معنی ہیں: اللہ کا سننا۔ حضرت ابراہیم کا زمانہ تقریباً چار ہزار سال پہلے کا زمانہ ہے۔ حضرت ابراہیم کے دو بیٹے تھے۔ اسماعیل اور اسحاق۔ اسماعیل، آپ کے بڑے بیٹے تھے، جو ہاجرہ کے بطن سے تھے۔ اور اسحاق آپ کے چھوٹے بیٹے تھے، جو آپ کی دوسری بیوی سارہ کے بطن سے تھے۔ حضرت ابراہیم نے خدا کے حکم سے اپنے بیٹے اسماعیل کو عرب میں آباد کیا۔ اور اپنے دوسرے بیٹے اسحاق کو خدا کے حکم سے فلسطین کے علاقے میں آباد کیا۔ حضرت اسحاق کے بیٹے حضرت یعقوب تھے، جن کا دوسرا نام اسرائیل تھا۔ اِنہی کی نسل بنی اسرائیل (Children of Israel) کہلائی۔ اپنے آبائی تعلق کی بنا پر، فلسطین، بنی اسرائیل کا وطن قرار پایا، جیسا کہ اسی طرح کے آبائی تعلق کی بنا پر عرب، بنو اسماعیل کا وطن مانا جاتا ہے۔ یہودی مذہب ایک نسلی مذہب ہے۔ یہودی مذہب میں کنورژن (conversion) کا کوئی تصور نہیں۔ اِس لیے آج جتنے یہودی دنیا میں پائے جاتے ہیں، وہ سب کے سب براہِ راست طور پر حضرت یعقوب (اسرائیل) کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اِس نسبت کی بنا پر تمام یہودیوں کا مشترک وطن فلسطین ہے، جیسا کہ ان کے مورثِ اعلیٰ اسحاق اور یعقوب کا وطن فلسطین تھا۔ بنو اسماعیل کا وطن عرب قرار پانا، اور بنو اسحاق (بنی اسرائیل) کا وطن فلسطین قرار پانا، دونوں کا تقرر حضرت ابراہیم نے کیا، جو کہ راہِ راست خدا کے حکم کے تحت تھا۔ قدیم زمانہ مذہبی معاملات میں عدم رواداری (intolerance) کا زمانہ تھا۔ یہود کو بار بار اِس طرح کے ناخوش گوار تجربات پیش آئے۔ چنانچہ ان کی ایک تعداد فلسطین چھوڑ کر باہر جاتی رہی۔ یہی یہودی تارکینِ وطن ہیں جن کو یہودی ڈائس پورا (Jews in diaspora) کہا جاتا۔ ڈائس پورا کا مطلب ہے۔ وہ یہودی تارکینِ وطن، جو فلسطین کے باہر آباد ہوں:

Diaspora:Jews who lived outside of Palestine)

بالفورڈ کلریشن کے تحت، فلسطین واپسی کا فیصلہ اِنھیں ڈائس پورا میں رہنے

والے یہودیوں کی بابت تھا۔ 1948 میں جب بیرونی علاقوں میں رہنے والے یہودیوں کی ایک تعداد فلسطین واپس آئی، تو اُس وقت عربوں کی طرف سے ان کے خلاف سخت قسم کے منفی ردِّعمل کا اظہار ہوا۔ عربوں کی سب سے بڑی تنظیم (الاخوان المسلمون) دراصل یہود کے خلاف منفی جذبات کے زیر اثر بنی۔ اُس وقت عرب رہ نماؤں کا یہ نعرہ تھا: سنرمیھم فی البحر (ہم ان یہودیوں کو سمندر میں دھکیل دیں گے)۔ تمام عرب اور غیر عرب مسلم رہ نما یہودیوں کے خلاف سرگرم ہوگئے، یہاں تک کہ پوری مسلم دنیا مخالفتِ یہود جذبات سے بھرگئی۔ ہر قسم کے تشدد حتیٰ کہ خودکُش بم باری کو یہودیوں کے خلاف جائز قرار دے دیا گیا۔ مگر یہود کے خلاف تمام سرگرمیاں کاؤنٹر پروڈکٹیو (counter productive) ثابت ہوئیں۔ ان سرگرمیوں کا نقصان براہِ راست طور پر عربوں کے حصے میں آیا، اور بالواسطہ طور پر تمام دنیا کے مسلمانوں کے حصے میں۔ عرب اور غیر عرب مسلمانوں کی یہ مخالفِ یہود پالیسی واضح طور پر اسلامی تعلیمات کے خلاف تھی۔ بال فورڈ کلریشن کے تحت فلسطین کی تقسیم، یہودی تارکینِ وطن (Jews in diaspora) کے لیے اپنے وطن کی طرف واپسی کے ہم معنیٰ تھی۔ یہ بات واضح طور پر قرآن کی تعلیم کے عین مطابق تھی۔ قرآن کی سورہ نمبر 5 میں بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ کے زمانے میں یہود سے کہا گیا تھا: یاقوم ادخلوا الارض المقدسۃ التی کتب اللہ لکم (المائدۃ: 21) یعنی تم ارضِ مقدس میں داخل ہو جاؤ جس کو خدا نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے:

O my people, enter the holy land
which God has assigned to you(5:21)

یہ یہود کون تھے۔ یہ وہ یہود تھے جو اُس وقت سینا کے علاقے میں ڈائس پورا کے حیثیت سے رہ رہے تھے۔ اِس آیت میں ارضِ مقدس سے مراد فلسطین ہے۔ اِس آیت کا خطاب حضرت موسیٰ کے ہم عصر یہودی ڈائس پورا سے تھا، جو فلسطین کے باہر جلا وطن کی زندگی گزار رہے تھے۔ ''جس کو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے'' سے مراد یہ ہے کہ تمہاری یہ واپسی خدائی قانون، بہ الفاظِ دیگر، فطرت کے قانون کے عین مطابق ہوگی۔ کیوں کہ فطرت کے قانون کے مطابق، کسی بھی تارکِ وطن گروہ کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے اصل آبائی وطن کی طرف واپس چلا جائے۔

حضرت موسیٰ کے ساتھ جو بنی اسرائیل تھے، وہ کون تھے۔ وہ سب کے سب تارکینِ وطن کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا، حضرت ابراہیم نے اپنے خاندان کی ایک شاخ کو فلسطین کے علاقے میں آباد کیا تھا۔ اِنہی میں حضرت یوسف پیدا ہوئے۔ جو حضرت یعقوب کے بیٹے تھے۔ حضرت یوسف کے ساتھ ایسے حالات پیش آئے کہ وہ مصر پہنچ گئے۔ اُس زمانے میں وہاں جس بادشاہ کی حکومت تھی، وہ حضرت یوسف پر مہربان ہوگیا اور اُن کو اپنی حکومت میں ایک بڑا عہدہ دے دیا۔ پھر حضرت یوسف کو جب مصر میں استحکام حاصل ہوا، تو انہوں نے اپنے اہل خاندان، بشمول اپنے والد حضرت یعقوب، سے کہا کہ آپ لوگ فلسطین چھوڑ کر مصر آجائیں۔ اِس طرح یہ لوگ مصر جا کر وہاں آباد ہوئے۔ وہاں ان کی نسل کافی بڑھی، یہاں تک کہ وہ مصر کی ایک بااثر قوم بن گئے۔ حضرت یوسف کے بعد مصر میں سیاسی انقلاب آیا، اور قدیم بادشاہ (Hyksos Kings) کے بجائے ایک نیا خاندان، مصر کا حکم ران بن گیا جس نے فرعون (Pharaoh) کو اپنے خاندانی لقب کے طور پر اختیار کیا۔ فرعون کی اِسی حکومت کے زمانے میں بنی اسرائیل پر مظالم شروع ہوئے، یہاں تک کہ حضرت موسیٰ پیدا ہوئے اور وہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر صحرائے سینا میں لے گئے۔ یہ بنی اسرائیل کے سفر کا پہلا مرحلہ تھا۔ اُن کے سفر کا دوسرا مرحلہ یہ تھا کہ وہ دوبارہ اپنے آبائی وطن (فلسطین) میں داخل ہوجائیں اور وہاں جا کر آباد ہوں۔ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ موسیٰ کے زمانے میں جن بیرونی یہودیوں کی واپسی کا منصوبہ براہِ راست خدا کے حکم کے تحت بنایا گیا تھا، وہ قدیم یہودی ڈائس پورا سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے بعد بال فورڈ کلریشن کے تحت، جن بیرونی یہودیوں کی واپسی کا منصوبہ بنا، وہ جدید یہودی ڈائیس پورا سے تعلق رکھتا ہے۔

قبلۂ اوّل کی بازیابی کا مسئلہ

عام طور پر مسلمان، فلسطین کے موجودہ مسئلے کو، قبلۂ اوّل کی بازیابی کا مسئلہ سمجھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد

جب مدینہ میں ایک مسجد (مسجد نبوی) تعمیر کی، اور اس میں نماز با جماعت قائم کی، تو اُس وقت آپ نے یہودی طریقے کی پیروی کرتے ہوئے مسجدِ اقصیٰ کو اپنا قبلہ قرار دیا۔ یہ صورتِ حال تقریباً 16 مہینے تک قائم رہی۔ اس کے بعد قرآن میں تحویلِ قبلہ کا حکم آیا، اور پھر آپ نے اس کی پیروی کرتے ہوئے، کعبہ کو نماز کے دائمی قبلہ کے طور پر اختیار کر لیا۔ اس واقعہ کے حوالے سے مسلمان یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ فلسطین کا مسئلہ، قبلہ اوّل کی بازیابی کا مسئلہ ہے۔ اس اعتبار سے فلسطین کا مسئلہ محض ایک قومی مسئلہ نہیں ہے، بلکہ وہ مسلمانوں کا ایک خالص دینی مسئلہ ہے۔ یہ نظریہ سرتاسر غلط فہمی پر مبنی ہے۔ مسجدِ اقصیٰ کا تعلق، قبلہ اوّل سے نہیں ہے۔ قرآن میں مسجدِ اقصیٰ کا ذکر معروف معنوں میں، کسی مسجد کے نام کے طور پر نہیں آیا ہے۔ مسجدِ اقصیٰ کے معنیٰ: دور کی مسجد (farthest place of worship) کے ہیں۔ اس کو دور کی مسجد اس لیے کہا گیا کہ وہ مکہ سے 765 میل (1232 کلومیٹر) کے فاصلے پر یروشلم میں واقع ہے۔ مسجد اقصیٰ سے مراد یروشلم کی یہودی عبادت گاہ ہے۔ اس یہودی عبادت گاہ (ہیکل) کو حضرت سلیمان نے 957 قبل مسیح میں تعمیر کیا۔ اسے مکمل طور پر ڈھا دیا۔ ایک عرصے کے بعد یہودیوں نے یہ عبادت گاہ دوبارہ بنائی۔ اس دوسری عبادت گاہ کو بھی رومیوں نے 70 عیسوی میں ڈھا کر کھنڈر کر دیا۔ اس عمارت کی صرف ایک دیوار باقی رہ گئی ہے، جس کو دیوارِ گریہ (Wailing Wall)، یا مغربی دیوار کہا جاتا ہے۔ نزولِ قرآن کے وقت یہاں کوئی عمارت نہیں تھی، بلکہ صرف ہیکل کی خالی جگہ (site) تھی۔ خلیفہ ثانی عمر فاروقؓ کے زمانے میں 638 عیسوی میں مسلمان یروشلم میں داخل ہوئے۔ حضرت عمر نے ہیکل کی جگہ (site) پر کوئی عمارت تعمیر نہیں کی۔ بعد کو اموی دور میں خلیفہ عبدالملک بن مروان (وفات: 705ء) نے ہیکل کی جگہ 688 عیسوی میں موجودہ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کی۔

مسجد اقصیٰ کیمپس میں ایک اور عمارت ہے، جس کو قُبَّة الصَّخرة (Dome of Rock) کہا جاتا ہے۔ یہاں قدیم زمانے سے یہودیوں کا مقدس صخرہ (چٹان) واقع تھا۔ اسی صخرہ کے اوپر خلیفہ عبدالملک بن مروان نے 688 عیسوی میں موجودہ قبہ (گنبد) کی تعمیر کی۔ یہی مقدس چٹان، یا قبۃ الصخرہ، یہودیوں کا قبلہ تھا، اور یہی قبۃ الصخرہ، نہ کہ مسجد اقصیٰ، ہجرت کے بعد عارضی طور پر پیغمبر اسلام کا قبلہ بنا تھا۔ صخرہ سنگ خارا کی ایک چوکور چٹان ہے۔ اس چٹان کو یہودی اپنے لیے مقدس سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک، یہی وہ صخرہ ہے جس پر حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے کی قربانی پیش کی تھی۔ اصلاً اسی قبۃ الصخرہ کا نام بیت المقدس ہے، اور توسیعی معنوں میں، قدیم یروشلم کے پورے علاقے کو بیت المقدس کہا جاتا ہے۔ مسجدِ اقصیٰ کو فلسطینی جدوجہد کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مسلمان عام طور پر مسجد اقصیٰ کو ''قبلہ اوّل'' سمجھتے ہیں، حالانکہ قبلہ اوّل کا کوئی تعلق، مسجد اقصیٰ سے نہیں۔ قبلہ اوّل اگر کوئی ہوسکتا ہے تو وہ قبۃ الصخرہ (بیت المقدس) ہے، نہ کہ مسجد اقصیٰ۔ مزید یہ کہ پیغمبر اسلام جب مکہ میں تھے تو آپؐ کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ ہجرت کے بعد آپؐ نے تقریباً 16 مہینے تک، قبۃ الصخرہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی۔ اس کے بعد، خدا کے حکم کے مطابق آپ دوبارہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے لگے۔ اس اعتبار سے دیکھئے تو قبۃ الصخرہ درمیانی قبلہ ہے نہ کہ پہلا قبلہ۔ اس حقیقت کی روشنی میں دیکھئے تو ''قبلہ اول کی بازیابی'' کا لفظ سرتاسر بے اصل ہے۔ اگر اس مفروضہ بازیابی کو مسجد اقصیٰ سے منسوب کیا جائے تو مسجدِ اقصیٰ کبھی بھی پیغمبر اسلام کا قبلہ نہ تھی۔ ہجرت (622ء) کے وقت وہاں صرف یہودی ہیکل کی خالی جگہ (site) تھی، نہ کہ موجودہ قسم کی کوئی مسجد۔ اور جہاں تک قبۃ الصخرہ کی بات ہے، اس کی بازیابی کا کوئی سوال نہیں۔ وہ پہلے بھی یہودی قبلہ تھا، اور اب بھی وہ یہودی قبلہ ہے۔ قبۃ الصخرہ کی بازیابی کا مطالبہ اسی طرح غیر معقول ہے، جیسے مشرک گروہ کعبہ کی واپسی کا مطالبہ کرے، یہ کہہ کر کہ وہ کبھی ان کے بتوں کا مرکز تھا۔ بالفور ڈکلیریشن کے تحت 1948 میں جب یہودی باہر سے آ کر فلسطین میں بسنے لگے تو اُس وقت عربوں کی طرف سے صرف ایک ردِّعمل سامنے آیا، اور وہ مسلح جہاد کا ردِّعمل تھا۔ عرب ممالک نے فلسطینیوں کو بہت بڑے پیمانے پر مالی امداد دینا شروع کیا۔ یہودی ریاست کے خلاف متشددانہ کارروائیوں کے ذریعے یہ کوشش کی جانے لگی کہ اس کا بالکل خاتمہ کر دیا جائے۔ لیکن عربوں کو اپنے اس متشددانہ منصوبے میں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ یہ بلاشبہ عرب رہنماؤں کی غلطی تھی۔ یہ عرب رہنما اگر اسلامی تاریخ سے سبق لیتے، تو اُن کو معلوم ہوتا کہ

ان کے لئے ایک اور زیادہ بہتر انتخاب (better choice) موجود ہے۔ وہ یہ کہ وہ ان آنے والے یہودیوں کا ایک پڑوسی کی حیثیت سے استقبال کریں اور فلسطین کے ڈیولپ مینٹ میں ان کے ساتھ مل کر کام کریں۔ یہ یہودی زیادہ تر مغربی ملکوں سے آئے تھے۔ ان کی اکثریت اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد پر مشتمل تھی۔ وہ جدید علوم میں مہارت رکھتے تھے۔ وہ عربوں کے لیے ترقیاتی عمل میں بہترین پارٹنر بن سکتے تھے۔ مگر جذباتیت کے طوفان میں عرب رہ نما معاملے کے اس مثبت پہلو کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ حالانکہ اسلام کی تاریخ میں مسلم اور یہود کے درمیان اس تعاون (collaboration) کی نہایت اعلیٰ مثال موجود تھی۔ بعد کے زمانے میں جب بڑی بڑی مسلم حکومتیں قائم ہوئیں، تو اس زمانے میں مسلمانوں نے ایک نیا کام شروع کیا۔ قدیم علمی کتابیں جو یونانی اور دوسری زبانوں میں تھیں، ان کا ترجمہ عربی میں کرنا، اس مقصد کے لیے مختلف ملکوں سے غیر عربی کتابیں بڑی تعداد میں منگائی گئیں۔ اسی واقعہ کو خواجہ الطاف حسین حالی (وفات: 1941) نے اپنی مسدّس میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

حریمِ خلافت میں اونٹوں پہ لد کر
چلے آتے تھے مصر و یوناں کے دفتر

اس مقصد کے لیے عباسی دورِ حکومت میں بغداد میں بہت بڑا دار الترجمہ قائم ہوا جس کو بیت الحکمت ((832 کہا جاتا تھا۔ اسی طرح دولتِ فاطمیہ نے قاہرہ میں اسی مقصد کے لیے دار الحکمت ((1005 قائم کیا۔ ان اداروں کے تحت بڑی تعداد میں قدیم کتابوں کے عربی ترجمے کئے گئے۔ اس کے بعد جب عرب، اندلس (اسپین) میں داخل ہوئے اور وہاں اپنی حکومت بنائی تو قرطبہ اور غرناطہ میں بڑے بڑے تعلیمی اور تصنیفی ادارے قائم کیے گئے۔ اس طرح جو عربی ترجمے کئے گئے وہ جلد ہی لاطینی زبان میں ترجمہ ہو کر یورپ میں پھیلے۔ یہ صرف ترجمے کا کام نہ تھا بلکہ عین اُسی کے ساتھ مختلف شعبوں میں تحقیق کا کام بڑے پیمانے پر جاری رہا۔ اس طرح جو علمی ترقیاں ہوئیں اس کے براہ راست نتیجے کے طور پر یورپ میں نشاۃِ ثانیہ (Renaissance) کا واقعہ پیش آیا۔ اس طرح اس زمانے کے مسلمانوں نے قدیم روایتی دور اور جدید سائنسی دور کے درمیان پُل کا کام کیا۔ اس واقعیہ کا اعتراف عام طور پر مغربی مورّخین نے کیا ہے۔ مثال کے طور پر رابرٹ بریفالٹ (وفات: 1948) نے اس معاملے میں عربوں کے رول کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ بہت زیادہ قرینِ قیاس ہے کہ عربوں کے بغیر جدید صنعتی تہذیب سرے سے پیدا ہی نہ ہوتی:

It is highly probable that but for the Arabs, moern industrial civilization would never have arisen at all

.(Robert Briffault,Making of Humanity,P.190)

علم و تحقیق کے میدان میں عربوں نے یہ عظیم کارنامہ کس طرح انجام دیا جب کہ اس سے پہلے اس قسم کے کسی علمی کارنامے کی روایت عربوں کے یہاں موجود نہیں تھی۔ جواب یہ ہے کہ یہ کارنامہ انہوں نے تعاون (collaboration) کی طاقت سے انجام دیا۔ اس زمانے کے عربوں نے عراق اور مصر اور اسپین میں علم و تحقیق کے جو ادارے بنائے، اس میں انہوں نے مسیحی اسکالر اور یہودی اسکالر کی خدمات بڑے پیمانے پر حاصل کیں۔ ان اداروں میں عرب علماء اور غیر عرب اسکالر مل کر کام کرتے تھے۔ اس تعاون کا نتیجہ وہ شاندار علمی تاریخ ہے جو قرونِ وسطیٰ کے زمانے میں بنی، اور جس کی بنیاد پر مغربی یورپ نے مزید اعلیٰ ترقی حاصل کی (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو پروفیسر فلپ کے ہٹی کی کتاب: تاریخِ عرب (History of the Arabs_).

1948 کے بعد یہی امکان دوبارہ فلسطینیوں کے لئے پیدا ہوا تھا لیکن جذبات سے مغلوب، عرب رہ نماؤں نے غلط رہ نمائی کر کے ان کو تعاون کے بجائے ٹکراؤ کے راستے پر ڈال دیا۔ ایک عظیم تاریخ بنتے بنتے رہ گئی۔ اس امکانی تاریخ کا ایک چھوٹا سا نمونہ عربوں کے زیر اقتدار فلسطین، اور یہود کے زیر اقتدار فلسطین کا تقابل کر کے دیکھا جا سکتا ہے۔ یہود کے زیر اقتدار فلسطین کا یہ حال ہے کہ جہاں 1948 میں خشک صحرا دکھائی دیتا تھا وہاں آج زراعت اور باغ بانی (horticulture) کی سرسبز دنیا نظر آتی ہے۔ اس کے برعکس فلسطین کا جو حصہ عربوں کے زیر اقتدار ہے وہاں اب بھی پس ماندگی کی وہی حالت ہے جو 1948 میں وہاں پائی جاتی تھی۔ فلسطین کے لوگ اپنے نادان

عرب رہنماؤں کی رہنمائی میں ایک بے نتیجہ لڑائی لڑ رہے ہیں۔ پہلے ان کا نشانہ یہ تھا کہ وہ فلسطین کو 1948 سے پہلے کی حالت پر لے جائیں۔ اب ان کا نشانہ فلسطین کو 1967 سے پہلے کی حالت کی طرف لے جانا ہے۔ یہ دونوں نشانے بلاشبہ ناممکن ہیں۔ یہ تاریخ کے سفر کو پیچھے کی طرف لوٹانے کے ہم معنی ہے اور تاریخ بتاتی ہے کہ ایسا کبھی کسی کے لیے ممکن نہیں ہوا۔ فلسطینیوں کے لیے پہلا انتخاب یہ تھا کہ وہ 1948 کے اسٹیٹس کو (statusquo) پر راضی ہو جائیں۔ اب ان کے لئے دوسرا ممکن انتخاب یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو موجودہ اسٹیٹس کو پر راضی کر لیں۔ اگر انہوں نے اس دوسرے انتخاب کو بھی کھو دیا تو اس کے بعد کوئی تیسرا انتخاب ان کے لئے کبھی پیش آنے والا نہیں۔ اب تیسرا انتخاب ان کے لئے صرف تباہی اور بربادی کا انتخاب ہے نہ کہ زندگی اور کامیابی کا انتخاب۔

اسٹیٹس کوازم (statusquoism) کا مطلب ہے حالتِ موجودہ کو تبدیلی کے بغیر مان لینا۔ یہ کوئی کمزوری کی بات نہیں یہ ایک اعلیٰ قسم کی دانشمندانہ پالیسی کا نام ہے۔ فطرت کے نظام کے مطابق اس دنیا میں ہمیشہ اور ہر ایک کے لیے کوئی نہ کوئی نزاعی مسئلہ موجود رہتا ہے۔ اسی کے ساتھ خود نظامِ فطرت کا یہ تقاضا ہے کہ ہر صورتِ حال میں کام کرنے کے مواقع بھی موجود ہوں۔ ایسی حالت میں نتیجہ خیز پالیسی (result-oriented policy) یہ ہے کہ آدمی مسائل (problems) کو نظر انداز کرے اور مواقع (oppertunities) کو استعمال کرے۔ نزاعی مسائل سے اُلجھنا ہمیشہ اس قیمت پر ہوتا ہے کہ مسائل تو ختم نہ ہوں لیکن قیمتی مواقع استعمال ہونے سے رہ جائیں۔ فلسطین میں عرب رہنما لمبی مدت سے کھوئی ہوئی زمین (land) کے لیے لڑ رہے ہیں۔ مگر نتیجے کے اعتبار سے دیکھئے تو ان کی ساری کوششیں اور قربانیاں سرتاسر رائیگاں ہو گئیں۔ وہ اپنے نشانے کے مطابق زمین تو حاصل نہ کر سکے البتہ یہ نقصان ان کے حصے میں آیا کہ وہ قیمتی مواقع کو استعمال (avail) کرنے سے محروم رہے۔

موجودہ زمانہ گلوبلائزیشن کا زمانہ ہے۔ قدیم زرعی دور میں ساری اہمیت زمین کی ہوا کرتی تھی۔ مگر جدید کمیونکیشن کے زمانے میں زمین ایک ثانوی اہمیت کی چیز بن گئی ہے۔ اب ساری اہمیت مواقع کی ہے، جو گلوبلائزیشن کے نتیجے میں ہر شخص کو یکساں طور پر حاصل ہے۔ اب ایک شخص بظاہر ایک محدود جگہ پر رہتے ہوئے بھی ساری دنیا کے مواقع کو اپنے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ ایسی حالت میں زمین کے حصول کے لیے لڑنا ایک قسم کی خلافِ زمانہ روش (anachronism) ہے، جو کبھی کسی کے لیے مثبت نتیجہ پیدا کرنے کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ فلسطین کی موجودہ صورتِ حال ایک بحران (crises) کی صورتِ حال ہے۔ یہ صورتِ حال نہ عربوں کے لیے مفید ہے اور نہ اسرائیل کے لیے مفید۔ دونوں کے بہترین مفاد میں یہ بات ہے کہ دونوں معتدل ذہن کے ساتھ مسئلے پر غور کریں اور صورتِ حال کو نارمل بنانے کے لیے کوئی نیا فیصلہ لیں۔ تاہم اس معاملے میں دونوں فریق کو حقیقت پسندی سے کام لینا ہوگا۔ کوئی ایسی شرط جو دونوں فریقوں کے لیے یکساں طور پر قابلِ قبول نہ ہو وہ صرف ایک خیالی شرط ہوگی نہ کہ حقیقت پسندانہ شرط۔ میری فہم کے مطابق اس معاملے کا قابلِ عمل حل صرف ایک ہے وہ یہ کہ عرب حضرات اپنی طرف سے ہر قسم کے تشدد کو کامل طور پر چھوڑ دیں۔ یہ ایک لازمی شرط ہے۔ اس شرط کو پورا کیے بغیر مسئلے کے حل کی بات کرنا ایک خیالی دنیا میں سفر کرنا ہے اور ایسا سفر کبھی واقعہ نہیں بنتا۔ جہاں تک اسرائیل کا تعلق ہے اس کو بھی ایک لازمی شرط کو پورا کرنا ہوگا وہ یہ کہ اسرائیل فلسطین میں مقیم عربوں کو وہی حقوق دے جو اسرائیلی دستور کے رُو سے، اس کے حدود میں رہنے والے باشندوں کو حاصل ہیں۔ یعنی عرب لوگ اسرائیل کے خلاف اپنے تشدد کو کامل طور پر چھوڑ دیں، اور اسرائیل اپنے دستور اور حقوقِ انسانی (human rights) کے عالمی اصول کے مطابق فلسطینی عربوں کو مساوی بنیاد پر ان کے تمام ضروری حقوق دے دے۔ یہ دو باتیں اگر اصولی طور پر مان لی جائیں تو ان کی بنیاد پر پُرامن باہمی گفت وشنید (negotiation) کے ذریعے ایک علمی نظام بنایا جا سکتا ہے۔

عام طور پر زمین برائے امن (land for peace) کی بات کی جاتی ہے۔ یعنی زمین دو اور امن لو۔ مگر اپنے علم اور تجربے کی بنیاد پر میں اس تجویز کو قطعی طور پر ناقابلِ عمل سمجھتا ہوں۔ اس معاملے میں جو چیز قابلِ عمل ہے وہ صرف حقوق برائے امن (right for peace) ہے۔ یہی اس معاملے میں واحد قابلِ عمل فارمولا ہے۔ اس فارمولے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ

اس کو ماننے کی صورت میں عربوں کو فوری طور پر ایک نقطہ آغاز (starting point) مل جائے گا۔ اس وقت فلسطینی تحریک ایک بند گلی (blind alley) میں پھنسی ہوئی ہے۔ مذکورہ تجویز کو اختیار کرنے کی صورت میں یہ ڈیڈلاک (deadlock) فوری طور پر ختم ہوجائے گا، اور عربوں کو یہ کھلا موقع مل جائے گا کہ وہ ترقی کی شاہ راہ پر اپنا سفر شروع کردیں۔ فلسطین کے معاملے میں تمام دنیا کے مسلمان عرب اور غیر عرب دونوں ایک ہی بات کہتے رہتے ہیں وہ یہ کہ اسرائیل قبضہ کی ہوئی زمین کو واپس کرے تو فلسطینی اپنی متشددانہ کارروائیوں کو بند کردیں گے۔ اس تجویز کو السلام مع العدل (peace with justice) کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ معلوم ہے بے شمار کوششوں کے باوجود یہ تجویز عمل میں نہ آسکی۔ اس ناکامی کا سبب صرف ایک ہے، اور وہ یہ کہ یہ فارمولا ایک غیر حقیقت پسندانہ فارمولا ہے۔ اور کوئی غیر حقیقت پسندانہ فارمولا حقائق کی اس دنیا میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ یہ دنیا فطرت کے اٹل قوانین پر چل رہی ہے۔ اس دنیا میں وہی فارمولا کامیاب ہوسکتا ہے جس کو فطرت کے قوانین کے حمایت حاصل ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ قانونِ فطرت کے مطابق عدل (justice) امن (peace) کا حصہ نہیں عدل کو امن کے ساتھ بریکٹ کرنا گریمر کے اعتبار سے درست ہوسکتا ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے وہ ہرگز درست نہیں۔ کیونکہ عدل جب بھی کسی کو ملتا ہے وہ خود اپنی محنت سے ملتا ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ امن کے قیام سے کسی کو عدل حاصل ہوجائے۔ اصل یہ ہے کہ امن کے قیام سے جو چیز حاصل ہوتی ہے وہ صرف مواقع کا رہیں۔ امن کسی شخص یا گروہ کے لیے مواقع کا دروازہ کھولتا ہے۔ عدل کے حصول کا کام اس کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ کھلے ہوئے مواقع کو استعمال کرکے اپنے لیے مطلوب عدل حاصل کیا جائے۔ خدا کے فضل سے میں نے تین بار فلسطین کا سفر کیا ہے۔ پہلی بار اگست 1995 میں دوسری بار اکتوبر 1997 میں اور تیسری بار اکتوبر 2008 میں۔ اس طرح میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ مجھے فلسطین کو براہِ راست دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے فلسطینی مسلمانوں سے میری ملاقات ہوئی ہے دہلی کے اندر بھی اور دہلی کے باہر بھی۔ فلسطین کے بارے میں میں نے بہت سی کتابیں بھی پڑھی ہیں۔ اپنے تجربات کی بنا پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ فلسطینی قوم ایک زندہ قوم ہے۔ فلسطینی لوگ عام طور پر اعلیٰ صلاحیت کے مالک ہوتے ہیں۔ وہ "علم اور جسم" دونوں میں ممتاز حیثیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ایسا ہونا بالکل فطری ہے۔ کیونکہ وہ ایک ایسے جغرافیائی علاقے میں پرورش پاتے ہیں جس کے بارے میں قرآن میں یہ الفاظ آئے ہیں: الذی بارکنا حولہ (الاسراء: 1) یعنی جس کے ماحول کو ہم نے بابرکت بنایا ہے:

The environs of which, We have blessed

فلسطینی لوگ اپنے ممتاز فطری اوصاف کی بنا پر بہت بڑے بڑے کام کرسکتے ہیں وہ ہر میدان میں اعلیٰ ترقی کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ لیکن دورِ جدید کا یہ ایک انوکھا المیہ ہے کہ فلسطین کی یہ بالقوہ صلاحیت (potential) ان کے حق میں بالفعل (actual) واقعہ نہ بن سکی۔ اس المیہ کا واحد سبب یہ ہے کہ فلسطین کے لیڈروں نے فلسطینیوں کو نفرت اور تشدد کے راستے پر ڈال دیا۔ انہوں نے غلط طور پر زمین کو سب کچھ سمجھ لیا۔ وہ زمین کو حاصل کرنے کے لیے اپنی جانیں دے رہے ہیں۔ ان کو معلوم نہیں کہ ایک فلسطینی کی زندگی اس زمینی خطّہ سے ہزاروں گنا زیادہ قیمتی ہے جس کو حاصل کرنے کے لیے وہ ناکام کوشش کررہے ہیں۔ اگر یہ فلسطینی جدید امکانات سے باخبر ہوتے تو یقیناً وہ جان لیتے کہ ان امکانات کو استعمال کرکے وہ نہ صرف فلسطین کی سطح پر بلکہ عالمی سطح پر بڑی بڑی ترقیاں حاصل کرسکتے ہیں۔

آخری بات یہ کہ پُرامن عمل اور متشددانہ عمل کا معاملہ کوئی سادہ معاملہ نہیں۔ یہ براہِ راست طور پر قانونِ فطرت کا معاملہ ہے۔ فطرت کے قانون کے مطابق پُرامن عمل انسان کی تخلیقیت (creativity) کو بڑھاتا ہے۔ جو گروہ ایسا کرے کہ وہ پُرامن ذرائع تک محدود رہتے ہوئے اپنی جدوجہد کو جاری کرے ایسا گروہ فطرت کے قانون کے مطابق دن بدن تخلیقی گروہ (creative group) بنتا چلا جائے گا۔ اس کے برعکس جو گروہ نفرت اور تشدد کا طریقہ اختیار کرے وہ فطرت کے قانون کے مطابق دن بدن غیر تخلیقی گروہ (uncreative) بنتا چلا جائے گا۔ یہ فطرت کا اٹل قانون ہے۔ اس میں کسی کا کوئی استثناء نہیں۔ پُرامن طریقِ کار ہمیشہ کسی گروہ کو تخلیقی گروہ بناتا ہے

۔اس کے برعکس نفرت اور تشدد کا طریقہ ہمیشہ غیر تخلیقیت کی طرف لے جاتا ہے ۔کوئی بھی دوسرا عمل اس نقصان کی تلافی نہیں بن سکتا۔قانونِ فطرت کے مطابق اس دنیا میں تمام کامیابیاں تخلیقی گروہ کے لیے مقدّر ہیں اور تمام ناکامیاں غیر تخلیقی گروہ کے لیے۔

قضیہ فلسطین کا حل

ابو سعید الخدری الانصاری (وفات: 74ھ/ 693ء) رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی ہیں۔ان سے 1170 حدیثیں مَروی ہیں۔انہوں نے پیغمبر اسلام سے سنا ہوا ایک قول ان الفاظ میں نقل کیا ہے :یخرج رجل من امتی یقول بسنتی ،ینزل اللہ عزّ و جلّ له القطر من السماء و تُخرِج الارض برکتها ،وتُملا الارض منه قسطاَ وعدلاَ کما مُلئت جوراَ وظلماَ ،یعمل علی هذه الامة سبع سنین ،وینزل بیتَ المقدس (رواہ الطّبر انی فی معجمه الاوسط ، جلد 2 ،صفحه 15) یعنی میری امت میں سے ایک آدمی نکلے گا۔وہ میری سنت کے مطابق کلام کرے گا۔اللہ تعالیٰ اس کے لیے آسمان سے بارش نازل کرے گا۔اور زمین اپنی برکت نکال دے گی۔اور اس کے ذریعے سے زمین عدل اور قسط سے بھر دی جائے گی ،جس طرح وہ ظلم اور جور سے بھر دی گئی تھی۔وہ اس اُمت میں سات سال تک کام کرے گا۔اور وہ بیت المقدس میں اُترے گا۔اس حدیث رسول میں پیشگی طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ تاریخ کے آخری زمانے میں ایک اہم واقعہ ہوگا۔یہ واقعہ بیت المقدس (فلسطین) کے حوالے سے پیش آئے گا۔یہ واقعہ اس بات کی علامت ہوگا کہ قیامت بہت قریب آچکی ہے۔''زمین اپنی برکتیں نکال دے گی'' کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانے میں مواقع (oppertunities) کی بہت زیادہ کثرت ہوجائے گی۔ان مواقع کو استعمال کر کے یہ ممکن ہوجائے گا کہ دنیا میں امن کی عمومی فضا قائم کی جاسکے۔اس حدیثِ رسول کی روشنی میں بیت المقدس ،یا فلسطین کے مسئلے پر غور کیجیے۔فلسطین کا مسئلہ اپنی موجودہ صورت میں ،بیسویں صدی کے وسط میں پیدا ہوا۔ابتدائی طور پر یہ مسئلہ عربوں کا ایک قومی ،یا جغرافی مسئلہ تھا۔لیکن تمام مسلمانوں کا مسئلہ بنانے کے لئے اس کو اسلامی مسئلے کی حیثیت سے نمایاں کیا گیا۔حقیقت یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں مسلمانوں کے اندر جو تحریکیں اُٹھیں ،وہ تقریباً سب کی سب براہِ راست یا بالواسطہ طور پر فلسطین کے مسئلے کا ردعمل تھیں۔الاخوان ،حماس القاعدہ ،تحریک طالبان ،وغیرہ اس کی مثالیں ہیں۔اس قسم کی مسلم تحریکیں جو موجودہ زمانے میں مختلف علاقوں میں اُٹھیں ،ان کے مجموعے کو صحوۃ اسلامیۃ (Islamic Ressurgence) کہا جاتا ہے۔مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام تحریکیں صحوۃ فلسطینیۃ (Palestinian Ressurgence) ہیں۔فلسطین کا مسئلہ ان تحریکوں میں براہِ راست طور پر شامل ہے ،یا بالواسطہ طور پر

فلسطین کا مسئلہ اپنی فعّال صورت میں 1948 میں شروع ہوا۔اس کے بعد تمام دنیا کے مسلم رہنما منفی ردِعمل میں مبتلا ہو گئے۔مسلمانوں کے درمیان نفرت اور تشدد کی تحریکیں چل پڑیں۔اس نفرت اور تشدد کا پہلا نشانہ اسرائیل تھا اور اس کے بعد برطانیہ اس کا نشانہ بن گیا ،کیونکہ برطانیہ (British Empire) نے بال فورڈ کلریشن کے تحت اسرائیل کو قائم کیا تھا۔اس کے بعد نفرت اور تشدد کا یہ مسلم سیلاب امریکا (U.S.A) کے خلاف متحرک ہوگیا ۔کیونکہ امریکا فلسطین کے ایشو پر اسرائیل کی سرپرستی کرنے لگا تھا۔اس کے بعد مسلمانوں کے منفی جذبات کا رُخ انڈیا جیسے ملکوں تک پھیل گیا جو اسرائیل سے مصالحت کا تعلق قائم کیے ہوئے تھے یہاں تک کہ منفی جذبات سے بھرے ہوئے یہ مسلمان خود مسلم حکومتوں کے خلاف ہوگئے کیونکہ مسلم حکومتیں اسرائیل کے خلاف وہ انتہائی اقدامات نہیں کر رہی تھیں جو مسلمان ان سے چاہتے تھے۔مذکورہ حدیثِ رسول میں یہ پیشین گوئی کی گئی تھی کہ ''ارض''،ظلم و جور سے بھر دی جائے گی اور پھر اس کو قسط اور عدل سے بھرا جائے گا۔یہ ایک تعبیری اسلوب ہے۔اس سے مراد یہی مذکورہ صورتِ حال ہے۔موجودہ زمانے میں عملاً یہی پیش آیا ہے کہ ارضِ فلسطین کے حوالے سے ساری دنیا کے مسلمان نفرت اور تشدد میں مبتلا ہو گئے۔اسی نفرت اور تشدد کو ''ظلم اور جور'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔اس کے بعد حدیث کے مطابق جو ہونا ہے وہ یہ کہ ''ارض'' کو قسط اور عدل سے بھر دیا جائے۔یہ امن کی تعبیر ہے۔اس حدیث میں قسط اور عدل سے مراد امن پر مبنی معتدل فضا ہے جو مسلمانوں کے لیے دعوت کے مواقع کو کھولنے والی ہے۔اسلام کا سب سے بڑا کنسرن (concern) دعوت ہے

اور یہ ایک حقیقت ہے کہ نفرت اور تشدد کا ماحول دعوت کے دروازوں کو بند کر دیتا ہے۔اور امن اور معتدل تعلقات کا ماحول دعوت کے دروازوں کو کھولنے والا ہے۔حدیث میں جس واقعہ کی پیشین گوئی کی گئی ہے اس کا تعلق نہ جنگ سے ہے اور نہ حکومت سے یعنی اس مطلوب کے حصول کے لیے نہ تو جنگ کی جائے گی اور نہ وہ حکومت کی طاقت سے قائم ہوگا۔یہ پورا معاملہ ایک نظریاتی معاملہ ہوگا۔یعنی ایک منفی آئڈیالوجی دنیا میں نفرت اور تشدد کے حالات پیدا کرے گی۔اس کے مقابلے میں ایک مثبت آئڈیالوجی اُبھرے گی جو دنیا میں امن اور اعتدال کا ماحول قائم کرے گی۔موجودہ زمانے میں فلسطین کا مسئلہ ساری مسلم دنیا کا مسئلہ بن گیا ہے۔موجودہ زمانے میں مسلمانوں کے اندر نفرت اور تشدد کا عمومی ماحول پیدا ہوا۔اس کا اصل سبب بلاشبہ فلسطین کا مسئلہ تھا۔ایسی حالت میں سب سے پہلا ضروری کام یہ ہے کہ فلسطین کے مسئلے کا ایک ایسا حل تلاش کیا جائے جو نفرت اور تشدد کے موجودہ ماحول کو ختم کرسکتا ہو۔یہ حل عربوں یا مسلمانوں کی اُمنگوں (aspirations) کے مطابق نہیں ہوسکتا۔یہ حل لازمی طور پر مبنی برحقیقت فارمولے ہی کے ذریعہ ہوسکتا ہے۔اس معاملے میں عادلانہ حل صرف وہ ہے جو امن قائم کرنے والا ہو نہ کہ لوگوں کے جذبات کو تسکین دینے والا۔اسی بنیادی اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے فلسطین کے مسئلے کا مذکورہ بالا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔اس تجزیے کی روشنی میں اس مسئلے کا جو قابل عمل منصفانہ حل ممکن ہے اس کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔اس سلسلے میں پہلی بات یہ ہے کہ عرب اور غیر عرب مسلمانوں کی طرف سے اس معاملے میں اب تک جو باتیں کہی جاتی رہی ہیں اس میں ہمیشہ یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ فلسطین کا ایشو، ظالم اور مظلوم کا ایشو ہے یعنی اسرائیل یک طرفہ طور پر ظالم ہے اور عرب یک طرفہ طور پر مظلوم۔مسئلے کا بے لاگ جائزہ بتاتا ہے کہ یہ تقسیم ایک غیر حقیقی تقسیم ہے۔واقعہ یہ ہے کہ اس معاملے میں عرب اور اسرائیل دونوں کی حیثیت یکساں ہے۔دونوں میں سے کسی کا کیس بھی عدل اور معقولیت پر مبنی کیس نہیں ہے۔دونوں فریق ایک دوسرے پر جو الزام دیتے ہیں وہ خود اس میں برابری کے درجے میں شریک ہیں۔خالص اصول کی روشنی میں دونوں میں سے کسی کا کیس بھی موجودہ حالت میں حق پر مبنی قرار نہیں دیا جاسکتا۔یہاں اس سلسلے میں مختصر طور پر چند متعلق پہلوؤں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں یہود کے درمیان ایک تحریک اُٹھی جس کو صہیونی تحریک (Zionism) کہا جاتا ہے۔صہیون (Zion) دراصل یروشلم میں واقع ایک پہاڑی کا نام ہے۔اس پہاڑی کو یہودی لوگ مقدس مانتے ہیں اور اس کو وہ یہودی قومیت کا مرکزی نشان سمجھتے ہیں۔ڈاکٹر ہرزل (Theoder Herzl) کی قیادت میں 1890 میں صہیونی تحریک شروع ہوئی۔اس کا پہلا انٹرنیشنل اجلاس 1897 میں سوئزرلینڈ کے شہر باسل (Basel) میں ہوا۔صہیونی تحریک کا مقصد یہ تھا کہ یہودی ڈائس پورا کو فلسطین واپس لانا اور یہاں ان کی نیشنل اسٹیٹ قائم کرنا۔اس تحریک کے نتیجے میں بال فور کمیشن قائم ہوا اور اس کی سفارش کے مطابق 1948 میں اسرائیل کا قیام عمل میں آیا۔عرب رہ نماؤں نے متفقہ طور پر یہودی ڈائس پورا کی فلسطین واپسی کی مخالفت کی۔یہ مخالفت اس حد تک پہنچی کہ انہوں نے اسرائیل کے خلاف متشددانہ جہاد شروع کر دیا۔یہ مخالفانہ تحریک بڑھتی رہی۔ساری دنیا کا مسلم پریس اور ساری دنیا کا مسلم مائنڈ عمومی طور پر اس سے متاثر ہوگیا۔کوئی بھی قابلِ ذکر مسلمان نہ تھا جو یہ کہے کہ یہودی ڈائس پورا کو فلسطین آنے کا حق ہے۔جس طرح تمام تارکین وطن کو اپنے وطن واپس آنے کا حق ہوتا ہے۔دوسری طرف یہودیوں نے بھی ایسا ہی کیا۔فلسطین میں جو عرب آباد تھے ان کی بڑی تعداد اسرائیل کے قیام کے بعد فلسطین چھوڑ کر باہر چلی گئی۔یہ لوگ عرب ڈائس پورا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ان عربوں کو بھی اسی طرح اپنے وطن واپس آنے کا حق ہے جس طرح یہودیوں کو اپنے وطن واپس آنے کا حق تھا۔لیکن یہودی عربوں کے اس حق کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔اس طرح اس معاملے میں دونوں گروہ مشترک طور پر ایک ہی غلطی کا شکار ہیں۔عرب رہ نما یہودی ڈائس پورا کو واپسی کا حق دینے کے لیے تیار نہیں۔اسی طرح یہودی رہ نما عرب ڈائس پورا کو واپسی کا حق دینے کے لیے تیار نہیں۔اب جو فریق یہ چاہتا ہو کہ اس کو اس کا یہ جائز حق ملے اس کو سب سے پہلے یہ کرنا ہوگا کہ وہ اپنے سابقہ موقف کی غلطی کا کھلا اعتراف کرے اور پھر دل سے فریقِ ثانی کو اس معاملے میں اس کا حق دینے پر راضی ہوجائے۔یہ ایک

حقیقت ہے کہ اس طرح کے متنازعہ معاملے میں دوسرے کا حق تسلیم کرنے ہی سے اپنا حق ملتا ہے۔ اگر آپ دوسرے کا حق تسلیم نہ کریں تو آپ کو اپنا حق بھی ملنے والا نہیں۔

۲۔ 1948 میں بال فورڈکلریشن کے مطابق اسرائیل کا قیام عمل میں آیا تو اُس وقت یہود کو فلسطین کا نصف سے کم حصہ ملا تھا۔ بال فور تقسیم کے مطابق عربوں کے پاس فلسطین کا نصف سے زیادہ حصہ تھا جس میں یروشلم شامل نہیں تھا۔ اسرائیل کا موجودہ توسیعی رقبہ 1967 کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد بنا ہے۔ اس لحاظ سے بین اقوامی اصول کے مطابق اسرائیل کی جائز حدود وہی ہیں جو 1948 میں اس کو حاصل تھیں۔ موجودہ توسیعی رقبہ اسرائیل کا جائز حصہ نہیں۔ 1948 میں قائم ہونے والا اسرائیل بین اقوامی طور پر ایک مسلّمہ ریاست کی حیثیت رکھتا تھا۔ موجودہ توسیعی رقبہ اسرائیل کے لیے غیر قانونی قبضہ (illegal occupation) کی حیثیت رکھتا ہے۔ عرب قیادت یہ مطالبہ کر رہی ہے کہ اسرائیل اپنی 1967 کی حد پر واپس چلا جائے۔ عربوں کا یہ مطالبہ خالص اصولی اعتبار سے درست ہے۔ مگر عملی طور پر وہ ممکن نہیں۔ کیونکہ عرب رہ نما خود بھی اس سے پہلے 1956 میں وہی فعل کر چکے ہیں جس کا ارتکاب اسرائیل کی طرف سے 1967 میں ہوا۔ اس لیے ’البادی اظلم‘ کے اصول کے مطابق اس بحرانی صورتِ حال کو پیدا کرنے کی زیادہ بڑی ذمے داری عرب قیادت پر آتی ہے۔ ایسی حالت میں عرب اور اسرائیل دونوں کے درمیان کوئی حقیقی فرق نہیں۔ جب دونوں فریق یکساں طور پر ایک ہی غلطی کا شکار ہوں تو کوئی ایک فریق دوسرے فریق کو ذمے دار ٹھہرانے کا حق کھو دیتا ہے
۔

جیسا کہ عرض کیا گیا اسی نوعیت کی ایک سنگین غلطی وہ تھی جو اس سے پہلے خود عرب قیادت سوئز کے معاملے میں کر چکی ہے۔ سوئز نہر (Suez Canal) ایک مصنوعی نہر ہے جو میڈی ٹیرینین (Mediterranean) کو ریڈ سی (Red Sea) سے ملاتی ہے۔ یہ نہر یورپین کمپنیوں نے ((1859-69 بنائی تھی۔ پھر حکومتِ مصر نے اس کو برٹش اور فرنچ کمپنی (Suez Canal Co.) کو 99 سال کے لیے پٹّہ پر دے دیا۔ معاہدے کے مطابق یہ پٹّہ 1968 میں ختم ہو رہا تھا۔ لیکن عرب رہ نما اس زمانے میں رومانی جوش کا شکار تھے۔ اس ماحول میں یہ ہوا کہ مصر کے سابق صدر جمال عبدالناصر (وفات: 1970) نے 1956 میں یک طرفہ طور پر اس معاہدے کو ختم کر دیا اور یورپین کمپنی کو بے دخل کر کے نہر سوئز کو حکومتِ مصر کے براہِ راست قبضے میں لے لیا۔ اس کے بعد فطری طور پر ایسا ہوا کہ برطانیہ اور فرانس دونوں سخت برہم ہو گئے۔ انہوں نے مصر کے خلاف انتقامی کارروائی کا منصوبہ بنایا۔ برطانیہ اور فرانس نے اس معاملے میں خاموشی کے ساتھ اسرائیل کی مدد کی اور اسرائیل کے ذریعے مصر پر 1967 میں باقاعدہ حملہ کرا دیا۔ 1967 کی اس جنگ میں مصر کو زبردست شکست ہوئی۔ اس کے بعد اسرائیل نے اپنا رقبہ تقریباً پانچ گنا حد تک بڑھا لیا۔ نہر سوئز کے معاملے میں حکومتِ مصر کی یہ کارروائی بین اقوامی قانون کے سرتا سر خلاف تھی۔ عرب قیادت اگر صرف بارہ سال انتظار کرتی تو 1968 میں نہر سوئز اس کو اپنے آپ مل جاتی جس طرح ہانگ کانگ پٹہ کے تحت حکومتِ برطانیہ کے قبضے میں تھا۔ لیکن چین نے اس معاملے میں پیشگی طور پر قبضے کی کارروائی نہیں کی بلکہ معاہدے کی مدت کے ختم ہونے کا انتظار کیا چنانچہ 1997 میں جب معاہدہ ختم ہوا تو فطری طور پر ہانگ کانگ چین کو واپس مل گیا۔

1956 میں صدر جمال عبدالناصر کا نہر سوئز پر قبضہ کرنا کوئی شخصی فعل نہ تھا بلکہ تمام عرب قیادت اس میں شریک تھی۔ اس واقعہ نے عرب قیادت اور اسرائیل دونوں کو ایک سطح پر کھڑا کر دیا ہے۔ عرب قیادت مطالبہ کر رہی ہے کہ اسرائیل نے 1967 میں فلسطین کی مزید زمین پر ناجائز قبضہ کر لیا ہے۔ حالانکہ خود عرب قیادت نے 1956 میں اسی طرح نہر سوئز پر ناجائز قبضہ کر لیا تھا۔ خالص انصاف کی رُو سے دیکھا جائے تو معاہدے کی خلاف ورزی یا ناجائز قبضے کے معاملے میں عرب قیادت اور اسرائیل دونوں ایک ہی فعل کے مرتکب ہوئے ہیں۔ جب دو فریق یکساں طور پر ایک ہی غلطی کا شکار ہوں تو کسی ایک فریق کو یہ حق نہیں رہتا کہ وہ دوسرے فریق کو مجرم ٹھہرائے جب کہ وہ خود بھی اسی جرم میں مبتلا ہو۔ اگر کوئی ایک فریق یہ چاہتا ہو کہ وہ دوسرے فریق کی غلطی کی اصلاح کرے تو مطالبہ کرنے والے فریق کو سب سے پہلے خود اپنی غلطی کا کھلے

طور پر اعتراف کرنا چاہیے۔ اپنی غلطی کا کھلا اعتراف کئے بغیر دوسرے کی غلطی کا اعلان کرنا ایک مضحکہ خیز کارروائی ہے وہ نہ کوئی درست کام ہے اور نہ اس کا کوئی مثبت نتیجہ برآمد ہونے والا ہے۔

۳۔عرب رہ نما بلکہ تمام مسلم رہ نما مسلسل طور پر یہ کہتے رہے ہیں کہ اسرائیل ایک ظالم ریاست ہے۔وہ فلسطینی عربوں کے اوپر بم برساتا ہے۔اسرائیلی فوج ان کو اپنی گولیوں کا نشانہ بناتی ہے مگر عین اسی وقت خود عرب اور غیر عرب مسلمان تشدد کا یہی فعل کر رہے ہیں۔وہ نہ صرف اسرائیل کو اپنے تشدد کا نشانہ بناتے ہیں بلکہ وہ جس کو اسرائیل کا حلیف دیکھتے ہیں اس کو بھی اپنے تشدد کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں۔حتیٰ کہ جہاں ان کے لیے بم اور گولی کا موقع نہیں ہوتا وہاں وہ خود کش بم باری کے ذریعے ان کو جان اور مال کی ہلاکت میں مبتلا کر رہے ہیں۔مسلم رہ نما عرب اور غیر عرب دونوں اسرائیل کے تشدد کا تو خوب تذکرہ کرتے ہیں لیکن وہ کبھی عربوں اور مسلمانوں کے تشدد کی مذمت نہیں کرتے۔اس صورتِ حال نے مسلم قیادت اور اسرائیل دونوں کو ایک سطح پر کھڑا کر دیا ہے۔دونوں یکساں طور پر دہشت اور تشدد پھیلانے کے ذمے دار ہیں۔ایسی حالت میں دونوں نے اپنے آپ کو دوسرے فریق کے خلاف بولنے سے اخلاقی طور پر محروم کر لیا ہے۔اب اگر دونوں میں سے کوئی فریق دوسرے کو پُر امن بنانا چاہتا ہے تو سب سے پہلے اس کو خود پر امن بننا پڑے گا۔اور اس معاملے میں پر امن بننے کی پہلی شرط یہ ہے کہ خود اپنے لوگوں کے دہشت اور تشدد کی کھلی مذمت کی جائے۔اپنے لوگوں کی غلطی پر خاموش رہنا اور دوسرے لوگوں کیطرف سے اسی قسم کی غلطی پر بولنا ایک مجرمانہ فعل ہے۔اس کا کوئی مثبت نتیجہ خدا کی اس دنیا میں نکلنے والا نہیں۔

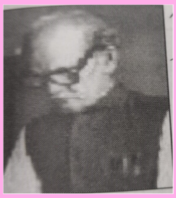
خلاصہ

اوپر کے تجزیے سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ فلسطین کے معاملے میں عرب اور اسرائیل کی حیثیت یہ نہیں ہے کہ ان میں سے ایک فریق یک طرفہ طور پر ظالم ہے اور دوسرا فریق یک طرفہ طور پر مظلوم۔اس معاملے میں صحیح تقسیم یہ ہے کہ اصولی طور پر دونوں فریق یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔ایک فریق جس فعل کا الزام دوسرے فریق کو دے رہا ہے وہ خود بھی ٹھیک اسی فعل میں مبتلا ہے۔

ایسی حالت میں فلسطین میں امن کا قیام اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ دونوں فریق حقیقت پسندی کا طریقہ اختیار کریں اور اس معاملے میں حقیقت پسندی یہ ہے کہ ایک فریق دوسرے فریق سے جو کچھ لینا چاہتا ہے وہ خود بھی دوسرے فریق کو وہی چیز دینے کے لیے تیار ہو۔یہ بلا شبہ لینے اور دینے (give and take) کا معاملہ ہے۔اس معاملے میں یہی واحد مبنی بر حقیقت پالیسی ہے۔کوئی دوسرا فارمولا اس معاملے میں ہرگز قابلِ عمل نہیں۔

(از رسالہ اکتوبر ۲۰۰۹ زیر پرستی مولانا وحید الدین خاں انڈیا)

❁❁❁❁



گریباں لہو لہو
مبارک مونگھیری

دامن لہو لہو ہے گریباں لہو لہو
ہیں کشتگانِ فصلِ بہاراں لہو لہو
شاید گزر چکی ہے اسیروں کی جان پر
زنجیر ہے خموش تو زنداں لہو لہو
گو ہو چکا وجود پتنگوں کا بے نشاں
ہے دامنِ چراغِ شبستاں لہو لہو
کس کاروانِ آبلہ پا کا گزر ہوا
ہے دشت خون خون بیاباں لہو لہو
خنجر فشاں ہے کس کی خدائی چہار سمت
ہر گام پر ہے عظمتِ انساں لہو لہو
آنچل ہے سرخ خوں سے عروسِ بہار کا
گل چیں کے جَور سے ہے گلستاں لہو لہو
جولاں فقط رگوں میں مبارکؔ لہو نہیں
ہے قلب تا بہ دیدۂ گریاں لہو لہو

❁❁❁❁

گستاخ رسول کون ہیں؟ دیوبندی یا بریلوی

(ابن قدسی)

اہل سنت والجماعت کے دو بڑے مکتبہ فکر دیوبندی اور بریلوی ہیں۔ان دونوں مکتبہ فکر کے علماء کے درمیان 1979ء میں ایک مناظرہ ہوا جو" مناظرہ جھنگ" کے نام سے معروف ہے۔اس مناظرے کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ جھنگ صدر کے ایک محلہ پپلیانوالہ کی مسجد میں ایک مولوی حق نواز دیوبندی نے بریلوی مسلک کے خلاف بولنا شروع کیا۔مناظرے کی روئیداد میں لکھا ہے کہ

"مولوی صاحب (حق نواز) نے حضرت اہل سنت کو کافر،مشرک، گمراہ، بدباطن، مشرکین مکہ،جہنمی، بے ایمان اور لعنتی جیسے القاب سے پکارنا شروع کر دیا"

(مناظرہ جھنگ صفحہ 6 اہل السنہ پبلی کیشنز دینہ ضلع جہلم)

انتظامیہ نے معاملات کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن معاملہ مناظرے تک پہنچا۔مناظرہ اس موضوع پر ہونا طے پایا کہ

"دیوبندی مناظر یہ ثابت کرے گا کہ علماء بریلی کی عبارات جو ان کی کتب معتبرہ میں موجود ہیں گستاخی اور توہین انبیاء پر مبنی ہیں جبکہ بریلوی مناظر یہ ثابت کرے گا کہ علمائے دیوبند کی عبارات جو ان کی کتب معتبرہ میں موجود ہیں گستاخی اور توہین انبیاء پر مبنی ہیں۔"

یہ مناظرہ باقاعدہ شرائط وغیرہ طے کرنے کے بعد ہوا۔دونوں گروہوں نے متفقہ طور پر تین منصفین مقرر کیے اور کمیٹیاں بنائی گئیں۔دیوبندیوں کی طرف سے صدر مناظرہ منظور احمد چنیوٹی (شدید معاند احمدیت) اور مناظر مولوی حق نواز تھے۔بریلویوں کی طرف سے صدر مناظرہ عبدالرشید رضوی جھنگوی اور مناظر محمد اشرف سیالوی تھے۔

یہ مناظرہ 27 راگست 1979ء بمقام نول والا بنگلہ جھنگ میں ہوا۔اس کی نگرانی ضلعی انتظامیہ جھنگ نے کی۔اس مناظرے کے منصفین کا فیصلہ ان کے دستخطوں کے ساتھ شائع شدہ مناظرہ میں شامل ہے۔فیصلہ یہ تھا:

"آج مورخہ 79-8-27 کو بمقام بنگلہ نول والہ تحصیل جھنگ مولانا حق نواز صاحب علم دیوبندی اور مولانا محمد اشرف سیالوی صاحب علم بریلوی کے مابین مناظرہ منعقد ہوا۔جس کا موضوع یہ تھا۔

"دیوبندی مناظر یہ ثابت کرے گا کہ علمائے بریلی کی عبارات جو ان کی کتب معتبرہ میں موجود ہیں۔گستاخانہ اور توہین انبیاء پر مبنی ہیں۔جبکہ بریلوی مناظر یہ ثابت کرے گا کہ علمائے دیوبند کی عبارات جو ان کی کتب معتبرہ میں موجود ہیں گستاخی اور توہین انبیاء پر مبنی ہیں۔" مناظرہ مذکورہ میں دیوبندی مکتب فکر کی جانب سے مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی اور بریلوی مکتب فکر کی جانب سے مولانا عبدالرشید صاحب رضوی نے صدر مناظرہ کے فرائض انجام دیئے۔ہم "منصفین" بالاتفاق فیصلہ کرتے ہیں اور اس مناظرہ میں مولانا محمد اشرف صاحب سیالوی، بریلوی مناظر کو ان کے نسبتاً وزنی استدلال کی بنا پر کامیاب قرار دیتے ہیں۔" (مناظرہ جھنگ صفحہ 285 اہل لسنہ پبلی کیشنز دینہ ضلع جہلم)

اس کے ساتھ منصفین پروفیسر تقی الدین انجم،محمد منظور خاں ایڈووکیٹ، غلام باری ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول ریل بازار کے دستخط موجود ہیں۔

قابل غور امر

اس مناظرے میں دونوں اطراف سے وہ تحریرات پیش کی گئیں جن میں ان کے خیال کے مطابق انبیاء کی گستاخی پائی جاتی تھی پھر اس پر بحثیں ہوئیں۔بحث کے دوران ان الفاظ کو بار بار دہرایا گیا جن میں ایک فریق کے خیال میں گستاخی موجود تھی۔اب یہ عجیب ماحول تھا۔ایک کے خیال میں گستاخی موجود تھی دوسرا اس کا جواب دیتا اور جواب میں پہلے کی کتابوں سے حوالے دیتا کہ تمہاری کتب میں بھی گستاخی پائی جاتی ہے۔منصفین کے فیصلہ میں بھی لکھا ہے کہ نسبتاً وزنی استدلال کی بنا پر بریلوی مناظر کامیاب ہوا۔اس کا مطلب استدلال دونوں اطراف سے تھے لیکن دیوبندیوں کی کتب میں گستاخی کی موجودگی کا استدلال وزنی تھا۔

قابل توجہ امر یہ ہے کہ دیوبندی اور بریلوی دونوں مکتبہ فکر کے علماء حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات کو سیاق وسباق سے ہٹا کر پیش کرتے ہیں اور اپنی طرف سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان تحریرات میں انبیاء کی گستاخی پائی جاتی ہے حالانکہ ان دونوں مکتبہ فکر کی کتب میں ایسی تحریرات موجود ہیں جن سے دوسرے کے نزدیک انبیاء کی گستاخی پائی جاتی ہے۔

مخالفین احمدیت گستاخ انبیاء کا الزام لگا کر احمدیوں پر ظلم وستم کرتے ہیں انہیں سوچنا چاہیے کہ دو بڑے مکتبہ فکر بھی اس الزام کے نیچے ہیں۔اگر صرف الزام لگانے سے گستاخی ثابت ہوتی ہے تو پھر یہ دونوں بھی اسی طرح گستاخ انبیاء ہیں۔ایک نسبتاً زیادہ گستاخ اور دوسرا نسبتاً کم۔"مناظرہ جھنگ" کا فیصلہ موجود ہے۔

احمدیوں پر جو الزام لگایا جاتا ہے اس کا مدلل جواب دیا جاتا ہے اور جواب ایسا مسکت اور مضبوط استدلال لیے ہوتا ہے کہ جس کا جواب مخالفین احمدیت کے پاس نہیں۔اسی وجہ سے احمدیہ لٹریچر پر پابندی لگائی جاتی ہے۔اس کے بالمقابل جن دو مکتبہ فکر کی کتابوں میں دونوں مکتبہ فکر کے علماء کے مطابق گستاخ انبیاء والی عبارات موجود ہیں ان کی اشاعت پر کوئی پابندی نہیں اور وہ شائع ہوتی ہیں۔مناظرہ جھنگ کی مکمل روئیداد بھی انٹرنیٹ پر مہیا ہے اس میں بھی وہ عبارات پڑھی جاسکتی ہیں۔



پاکستانی مذہبی اقلیتوں سے بھی آگے (سلیم ملک)

پاکستانی مذہبی اقلیتوں کے حوالے سے چند دن قبل شائع ہونے والے آرٹیکل ہمیں اپنی اقلیتوں کی قوت برداشت پر فخر ہے پر ایک قاری نے کچھ یوں تبصرہ کیا۔

"سلیم ملک بھول گئے کہ پاکستان میں اقلیتوں سے بھی زیادہ مظلوم ایک ایسا گروہ ہے جو کسی گنتی میں ہی نہیں آتا۔ پاکستان کا یہ وفادار گروہ جماعت احمدیہ کے نام سے تمام دنیا میں اپنی امن پسندی اور رفاہی کاموں کی وجہ سے جانا پہچانا جاتا ہے جسے پاکستان کے آئین کی ایک ترمیم کے ذریعہ مسلمان سے غیر مسلم بنا دیا گیا اور قانونی طور پر مجبور کیا جا رہا ہے کہ نہ کلمہ طیبہ پڑھو (یعنی مت کہو اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور مت اقرار کرو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں) اور نہ نماز ادا کرو۔ نہ قرآن کی تلاوت کرو۔ نہ اپنی عبادت گاہ کو مسجد لکھو اور نہ کسی دوسرے پاکستانی سرکاری مسلمان کو اسلام وعلیکم کہو۔ اور اگر کہو گے تو تین سال قید کی سزا اور جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔"

"سلیم ملک صاحب جانتے بوجھتے ہوئے بھی اس قانونی غیر مسلم گروہ کی مظلومیت کو نظر انداز کر کے اپنی صحافتی دیانتداری کو مشکوک بنانے پر راضی ہیں یہ ان کی مجبوری تو ہو سکتی ہے مگر یورپی یونین اور دوسرے بین الاقوامی ادارے کیوں مجبور ہوں گے"

اس تبصرے کا مخلصانہ شکریہ۔ آپ نے جس مسئلے کا ذکر کیا ہے اس پر میرے ایک سے زیادہ کالم شائع ہو چکے ہیں۔ اور اب بھی آپ کے تبصرے کے جواب میں ایک نیا مضمون حاضر ہے۔ گو کہ اس میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ یہ ساری باتیں بہت لوگ بار بار لکھ چکے ہیں لیکن یہ ہمیں اس وقت تک لکھتے اور چھاپتے رہنا چاہیے جب تک یہ مسئلہ حل نہیں ہو جاتا۔ میں مذہبی آزادی کا قائل ہوں اور اپنے وطن پاکستان میں شخصی آزادی جس میں مذہبی آزادی بھی شامل ہے اس کا راج دیکھنا چاہتا ہوں۔

مذہبی آزادی صرف سیکولر ممالک میں ہی ممکن ہے۔ پاکستان میں بھی مذہبی آزادی تبھی ممکن ہو گی جب وہ ایک سیکولر ملک بن جائے گا۔ سیکولر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حکومت اور ریاست کا کسی مذہب سے تعلق نہ ہو۔ ہر شہری کی مذہبی آزادی مکمل اور برابر ہو۔ حکومت کا کام صرف اور صرف لوگوں کے مذہبی آزادی کے حق کی حفاظت ہو۔ ہم ہمیشہ پاکستان کو سیکولر ملک بنانے پر زور دیتے ہیں۔ آپ کس مذہب یا عقیدے سے تعلق رکھتے ہیں یہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے اور کسی کو بھی اس سلسلے میں آپ سے سوال پوچھنے کی اجازت نہیں ہونا چاہیے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ آپ کی حکومت اگر آپ سے عقیدے کے متعلق سوال پوچھتی ہے تو یہ مذہبی تفریق کی جانب پہلا قدم ہے۔ آپ کے کسی بھی شناختی دستاویز، قومی شناختی کارڈ یا پاسپورٹ پر مذہب کا خانہ ہی نہیں ہونا چاہیے۔

حکومت صرف مردم شماری یا کسی دوسرے ایسے سروے میں آپ کے عقیدے کے متعلق سوال پوچھ سکتی ہے جو ریسرچ کی غرض سے کیا جا رہا ہو۔ سروے کرنے والے ادارے اور حکومت کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ آپ کی ذاتی معلومات کو خفیہ رکھے اور صرف اس ریسرچ کے لیے استعمال کرے جس کے لیے وہ معلومات حاصل کی گئی ہیں۔ اور ایسے ذاتی سوالات کے جوابات بھی رضا کارانہ ہونے چاہیے۔ اگر آپ جواب نہیں دینا چاہتے تو نہ دیں۔ کوئی زبردستی نہیں ہونا چاہیے۔ پارلیمنٹ یا ریاست کے کسی بھی ادارے کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی شخص یا گروہ کو کافر یا مسلمان قرار دے۔ ہر شخص کا مذہب یا عقیدہ وہ ہے جو وہ خود سمجھتا ہے کہ اس کا ہے۔ کوئی بھی گروہ اپنی عبادت گاہ کو کیا کہتا ہے یہ اس کی اپنی خوشی ہے۔

تمام پاکستانی بحیثیت شہری برابر ہیں۔ پاکستان کا آئین بھی یہی کہتا ہے۔ آئین کی ایسی تمام شقیں جو اس شق سے متصادم ہیں کہ تمام شہری برابر ہیں وہ نکال دینے کی ضرورت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جماعت احمدیہ کے ساتھ پاکستان میں بہت زیادہ پراسیکیوشن ہوتی ہے۔ میں اس پراسیکیوشن کے خاتمے کی بھرپور حمایت کرتا ہوں۔ یہ معاملہ بہت سے انسانوں کے لیے نہایت تکلیف دہ اور پاکستان کے لیے شدید بدنامی کا باعث ہے۔ ان معاملات کی درستی کی بہت ضرورت ہے۔ (مورخہ 7 مئی 2021۔ بشکریہ "ہم سب")



ختم نبوت کے معاملے پر وزیر اعظم کا مؤقف قابل تحسین: زبیر احمد ظہیر

چوہدری کولمبس خان

نوائے وقت مئی 2021 میں یہ خبر درج ہے۔اس کے تحت مندرجات پر تبصرہ پیش خدمت ہے

لاہور (خصوصی نامہ نگار) اسلامی جمہوری اتحاد پاکستان کے سربراہ اور مرکزی جماعت اہلحدیث پاکستان کے امیر علامہ زبیر احمد ظہیر نے کہا ہے کہ:

۔1۔"ختم نبوت ﷺ کے معاملے پر وزیر اعظم عمران خان کا مؤقف قابل تحسین ہے مگر یورپی یونین سمیت پوری دنیا کو دوٹوک پیغام دینے کیلئے پارلیمنٹ کا مشترکہ اجلاس آل پارٹیز کانفرنس اور اسلامی سربراہی کانفرنس کا انعقاد بھی لازم ہو چکا ہے"۔

تبصرہ:۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یورپی یونین کو ختم نبوت کے عقیدہ سے کچھ لینا دینا نہیں۔ ان کی بلا سے آپ کسی کو خدا مان لیں یا کسی صالح کو ملحد قرار دیتے رہیں ۔ان کی تشویش توہین رسالت کے نام پر پُرتشدّد کاروائیوں پر ہے۔

۔2۔"پاکستان سمیت دنیا بھر کے مسلمان تحفظ ختم نبوت ﷺ کے معاملے پر چٹان جیسی مضبوطی سے کھڑے ہیں اور کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے"۔

تبصرہ:۔ جب تک چٹان پر کھڑے قربانی کے لئے تیار لوگ اپنے نیک اعمال سے اسوہ نبوی ﷺ پر عمل کر کے دنیا میں رحمت لقب کی عزت خود کرنے سے قاصر ہیں۔ان کے دعویٰ ہائے محبت جھوٹ اور منافقت سے بڑھ کر کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔

۔3۔"پاکستانی اقلیتی کمیونٹی کو بھی چاہیئے کہ وہ یورپی یونین سمیت پوری دنیا کو واضح پیغام دیں کہ پاکستان اقلیتوں کے لیے دنیا کا سب سے محفوظ ترین ملک ہے جہاں مذہبی آزادی سمیت ہر قسم کا تحفظ حاصل ہے"۔

تبصرہ:۔ زبیر احمد ظہیر کی عقل پر شک تو نہیں کیا جا سکتا البتہ انکے ارشاد کی تعمیل اقلیتی کمیونٹی کا کوئی پاگل شخص ہی کر سکے گا۔ اس کو ہی فاشزم کہتے ہیں کہ آپ ماریں بھی اور یہ بھی حکم دیں کہ آگے سے مسکراتے رہو ورنہ اور زیادہ مار پڑے گی۔آپکی بدولت تو مسلمان دانشمند (خورشید ندیم کا مضمون "ہم سب" میں) بھی ہجرت میں ہی عافیت سمجھتے ہیں۔

۔4۔"انہوں نے کہا (حضرت زبیر صاحب) کہ پاکستانی حکومت نے جس جرأت کیساتھ یورپی یونین کو پیغام دیا ہے وہ قابل تحسین ہے اور کوئی شک نہیں کہ پاکستان امت مسلمہ کے ترجمان کے طور پر میدان میں آیا ہے"۔

تبصرہ:۔ یورپی یونین دُور اندیشی سے کام کرنے والی قوموں کا مجموعہ ہے۔آپ کو اس گیارہویں کا پتہ بارہویں کو چلے گا۔پاکستان کو اُمت ِمسلمہ کا ترجمان گرداننا اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے سوا کچھ نہیں۔ تہذیبی نرگسیت کا بیڑہ غرق ہو یہ پاکستانیوں کی فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔

۔5۔"مگر ابھی بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے جسکے لیے پاکستان کی تمام سیاسی ومذہبی پارلیمانی اور غیر پارلیمانی جماعتوں کی جانب سے بھی دنیا کو تحفظ ختم نبوت ﷺ کے حوالے سے دوٹوک پیغام جانا چاہیے"۔

تبصرہ:۔ بھلے مانسو! کسی کو تمہارے عقیدہ سے کچھ غرض نہیں۔ اپنے مرض فاشزم کو ختم نبوت کے لباس میں پیش کر کے حضرت خاتَم النبیّین محمد ﷺ کی عظمت پر داغ لگانا چھوڑ دیں۔اس سے آپ آنحضور ﷺ کی شفاعت سے اپنے آپ کو محروم کر چکے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔



کرم الٰہی ظفر۔ جدید سپین کا طارق بن زیاد

ڈاکٹر فضل الرحمان بشیر افریقہ



سپین سے مسلمان بے دخل کئے گئے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم سپین کو بھول گئے ہیں۔ ہم ہرگز سپین کو نہیں بھولے۔ جہاں ہماری تلواریں کُند ہوئیں وہاں سے اب ہم اپنی روحانی جنگ کا آغاز کریں گے اور محبت سے دلوں کو فتح کر کے ایک بار پھر سپین پر غلبہ حاصل کریں گے جو ہمیشہ قائم رہے گا'' یہ وہ ولولہ انگیز اعلان تھا جو مسیح محمدی کے اولوالعزم خلیفہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ نے 1936 میں اپنے روحانی جرنیلوں کو سپین بھجواتے وقت کیا۔ یہ بہت مشکل دور تھا۔ 1934 میں ایک دہشت گرد تنظیم مجلس احرار نے پورے ہندوستان میں احمدیوں کے خلاف خطرناک شورش برپا کر رکھی تھی۔ قادیان پر حملے کے لئے قافلے تیار کئے جا رہے تھے۔ یہ اعلان کیا جا رہا تھا کہ نہ صرف ھندوستان سے بلکہ خاص قادیان سے بھی احمدیوں کا نام و نشان مٹا دیا جائیگا۔ دوسری طرف جماعت احمدیہ دنیا بھر میں اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے لئے قادیان سے مبلغین کے قافلے بھجوانے کی منصوبہ بندی میں مصروف تھی۔

محمود کر کے چھوڑیں گے ہم حق کو آشکار
روئے زمیں کو خواہ ہلانا پڑے ہمیں

اندازہ کریں ایک طرف قافلے قادیان کی تباہی کے لئے نکلے ہوئے تھے تو دوسری طرف قادیان سے قافلے دنیا کو فتح کرنے کے لئے نکل رہے تھے۔ کیا عجیب نظارہ تھا۔ اسلام کی عالمگیر فتح کے لئے تحریک جدید کی بنیاد رکھی جا چکی تھی۔ حضرت مصلح موعودؓ کی ولولہ انگیز قیادت کے سامنے احرار کی سازشیں ملیا میٹ ہو گئیں اور احمدیوں کو عبرت کا نشان بنانے کے دعوے کرنے والے عطاء اللہ شاہ بخاری اور اس کے چیلے چانٹے ذلت و رُسوائی کے ساتھ ناکام و نامراد ہو کر خود عبرت کا نشان بن گئے۔

لُوٹنے نکلے تھے جو امن و سکونِ بے کساں
داُہی کے لُٹ گئے حُسن و شبابِ زندگی

سپین کے لئے بھجوائے جانے والے پہلے مبلغ مکرم ملک محمد شریف گجراتی تھے جو 10 مارچ 1936 کو میڈرڈ پہنچے مگر اسی سال شروع ہونے والی زبردست خانہ جنگی کے باعث انہیں سپین چھوڑنا پڑا۔ اپنے اس مختصر قیام کے دوران وہ سپینش احمدیوں کی چھوٹی سی جماعت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ملٹری ڈکٹیٹر جنرل فرانکو نے ہٹلر اور مسولینی کی مدد سے سول وار میں کامیابی حاصل کی۔ 1939 سے لیکر 1975 تک سپین پر حکومت کی۔ یہ آمریت کا بدترین دور تھا۔ NON CATHOLIC ORGANIZATIONS پر مکمل پابندی تھی۔ اسلام کا نام لینا بھی جرم تصور کیا جاتا تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ پر حضرت مصلح موعودؓ نے سپین میں اسلام کا پرچم سربلند کرنے کے لئے اپنے سپہ سالار کرم الٰہی ظفر کا انتخاب کیا۔

کرم الٰہی ظفر 31 دسمبر 1919 کو فیض اللہ چک میں پیدا ہوئے جو قادیان سے پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ میٹرک تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان سے کیا۔ ایف اے تک تعلیم حاصل کی۔ اگرچہ مولوی فاضل نہیں تھے مگر حضرت مصلح موعودؓ کی خداداد صلاحیت نے کرم الٰہی ظفر میں چھپا ہوا مستقبل کا طارق بن زیاد پہچان لیا تھا۔ انہیں بعض اور مبلغین کے ساتھ حضور نے انٹرویو کے لئے بلایا۔ جس دن انٹرویو تھا اس دن دفتر سے انہیں اطلاع ملی کہ ان کا نام لسٹ میں موجود نہیں۔ یہ دفتری غلطی تھی۔ کرم الٰہی صاحب ظفر بے حد رنجیدہ ہوئے کہ شائد ان کی کم علمی کی وجہ سے یا ان کی کسی اور کمزوری کی وجہ سے انہیں لسٹ میں سے نکال دیا گیا ہے۔ شدید اضطراب اور کرب کی حالت میں مسجد اقصیٰ پہنچے۔ خادم مسجد میاں سراج دین صاحب سے مینارۃ المسیح کی چابی لی اور ساری رات نوافل پڑھتے ہوئے

گریہ وزاری اور دعاؤں میں گزاری۔ اگلی صبح انہیں اطلاع ملی کہ حضرت مصلح موعودؓ نے انہیں ان کی عدم موجودگی میں سپین کا مبلغ مقرر کیا ہے۔ سبحان اللہ۔ یہ ان کی مینارۃ المسیح پر کی گئی ساری رات کی گریہ وزاری اور دعا کی قبولیت تھی۔ انہیں ایک عظیم مہم جوئی کے لئے منتخب کر لیا گیا تھا کہ جس کے نتیجے میں ان کا نام ہمیشہ ہمیش کے لئے تاریخ احمدیت اور تاریخ سپین میں امر ہو جانے والا تھا۔ کرم الٰہی صاحب ظفر 24 جون 1946 کو میڈرڈ پہنچے۔ پہلے چھ ماہ سپینش سیکھی اور تبلیغِ اسلام کا کام شروع کر دیا۔ مگر ایک سال بعد 1947 میں ھندوستان کی پارٹیشن کی وجہ سے جماعت احمدیہ کو اپنا مرکز قادیان چھوڑنا پڑا۔ نئے مرکز کی تعمیر نے بے حد مالی بوجھ ڈال دیا تھا۔ حضرت مصلح موعودؓ نے انہیں ہدایت کی کہ سپین مشن عارضی طور پر بند کر کے لندن چلے جائیں۔ کرم الٰہی ظفر صاحب نے حضور سے درخواست کی کہ انہیں سپین میں رہنے دیا جائے وہ اپنی فیملی اور مشن کے اخراجات کے لئے مرکز سے کوئی مطالبہ نہیں کریں گے۔ حضور کی طرف سے اجازت ملنے پر آپ نے عطر بنانا سیکھا اور ہر ہفتہ شہر میں لگنے والے اتوار بازار(Sunday Market) میں جا کر فروخت کرنا شروع کر دیا۔

تبلیغِ اسلام کا منفرد اور اچھوتا انداز

آپ کے پاس ایک چھوٹا سا بریف کیس ہوتا جس میں پرفیوم کی شیشیاں ہوتیں اور ایک چھوٹا میز جس پر آپ ان شیشیوں کو سجا کر انہیں فروخت کے لئے پیش کیا کرتے تھے۔ اصل مقصد تو اسلام واحمدیت کا پیغام پہنچانا تھا۔ چنانچہ جب بھی کوئی گاہک آتا آپ اسے پرفیوم دیتے اور کہتے'' اس پرفیوم کی خوشبو زیادہ سے زیادہ دو یا تین دن تک تمہارے ساتھ رہے گی اور پھر ختم ہو جائے گی۔ مگر میرے پاس ایک ایسی خوشبو بھی ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگی اور اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی تمہارے ساتھ رہے گی'' گاہک چونک پڑتے اور اس خوشبو کا مطالبہ کرتے تو آپ انہیں اسلام اور احمدیت کی خوشبو سے آگاہ کرتے۔ جب آہستہ آہستہ بہت سے سپینش اس حقیقی خوشبو کے اسیر ہونے لگے تو حکومت حرکت میں آئی اور کرم الٰہی ظفر صاحب کو گرفتار کر لیا گیا۔ جب آپ رہا ہوتے تو دوبارہ تبلیغ شروع کر دیتے اور پھر گرفتار ہو جاتے۔ بلکہ ایک مرتبہ نماز سنٹر پر چھاپا مار کر پولیس نے آپ سمیت تمام سپینش احمدیوں کو گرفتار کر لیا۔ یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا۔ ایک دفعہ آپ کو جیل سے رہا کرتے وقت پولیس افسر نے کہا کہ میں آئندہ آپ کو گرفتار نہیں کروں گا کیونکہ آپ جب بھی جیل میں آتے ہیں تو آپ کی تبلیغ اور حسنِ کردار سے متاثر ہو کر بہت سے قیدی اسلام قبول کر لیتے ہیں۔ مولانا کرم الٰہی ظفر صاحب نے 1969 میں جنرل فرانکو کو خط لکھ کر اسلام واحمدیت کا تعارف کروایا اور اسلامی اصول کی فلاسفی سمیت متعدد اسلامی کتب کا تحفہ بھجوایا جسے جنرل فرانکو نے قبول کرتے ہوئے خوشی کا اظہار کیا۔ 1971 میں جماعت کو سپین میں رجسٹر کر لیا گیا۔ جنرل فرانکو نے 36 سال تک سپین پر اپنی ڈکٹیٹر شپ کے پنجے گاڑھے رکھے۔ 1975 میں فرانکو کی موت نے سپین میں جمہوریت کی راہ آسان کی اور مذہبی آزادی کا آغاز ہوا۔

سقوطِ غرناطہ کے پانچ سو سال بعد سپین میں پہلی مسجد کی تعمیر؛ مجاہد اسلام مولانا کرم الٰہی صاحب ظفر کی چونتیس سالہ تبلیغی جدوجہد اور شبانہ روز گریہ وزاری اور دعائیں بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوئیں اور آخر کار حکومت کی طرف سے جماعت احمدیہ کو سپین میں مسجد بنانے کی اجازت دے دی گئی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر قرطبہ کے قریب پیدروآباد میں ایک بہت موزوں جگہ پر مسجد کے لئے پلاٹ حاصل کر لیا گیا۔ یہاں یہ بات کہنا بہت ضروری ہے کہ مبلغین کی اصل طاقت خلیفۃ المسیح کی راہنمائی، قیادت اور دعائیں ہی ہوتی ہیں جو انہیں کامیابی سے ہمکنار کرتی ہیں۔ اس کے بغیر تمام کوششیں بے سود اور بے کار ہوتی ہیں۔ سپین میں اسلام کے احیائے نو کا تمام کریڈٹ خلافت احمدیت کو جاتا ہے۔ خلفاء کی بالغ نظری، بیدار مغزی اور دعائیں ہی ہیں جو سلسلہ احمدیہ کے خداموں کو کامیابی سے ہمکنار کرتی ہیں۔

مسجد بشارت سپین کا سنگ بنیاد؛ LOVE FOR ALL HATRED FOR NONE مورخہ 9 اکتوبر 1980 کو وہ تاریخ ساز لمحہ آیا جب سقوطِ غرناطہ کے پانچ سو سال بعد پہلی مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے پہلی بنیادی اینٹ رکھی اور فضا اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں سے گونج اُٹھی۔ مسیح محمدی

کے غلاموں کے اشکوں سے سجدہ گاہیں تر ہو گئیں۔ سپین میں اسلام کے احیائے نو اور سربلندی کے لئے پرسوز دعائیں کی گئیں۔ یہی وہ تقریب تھی جب حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے پریس کے نمائندوں کے سوالوں کے جواب میں فرمایا کہ ہم سپین میں امن اور محبت کا پیغام لے کر آئے ہیں اور ہمارا ماٹو ہے۔ LOVE FOR ALL HATRED FOR NONE اس ماٹو نے اکنافِ عالم میں شہرت پائی اور اب یہ جماعت کے علاوہ دوسرے حلقوں میں بھی مقبولیت کے بامِ عروج پر ہے کہ ''محبت سب کے لئے نفرت کسی سے نہیں''

مسجد بشارت کا افتتاح ''حضور آج عید ہے''

جون 1982 میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی وفات کے بعد حضرت مرزا طاہر احمد چوتھے خلیفہ منتخب ہوئے۔ آپ نے اپنا پہلا غیر ملکی دورہ سپین کا فرمایا اور 10 ستمبر 1982 کو مسجد بشارت کا افتتاح فرمایا۔ حضور کے خطبہ جمعہ کے دوران مولانا کرم الٰہی ظفر آبدیدہ ہو گئے اور اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے۔ کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا حضور آج عید ہے۔ حضور نے فرمایا ہاں آج عید ہے۔ مولانا کرم الٰہی ظفر صاحب نے سپین کے علاوہ پرتگال میں بھی 9 سال تک تبلیغ و تربیت کا فریضہ سرانجام دیا۔ ساٹھ سال خدمت کے میدان میں گزارنے کے بعد 12 اگست 1996 کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ تبلیغ کا جنون آخری سانس تک قائم رہا۔ جب آپ ICU میں زیر علاج تھے اور آپ کی سانس اُکھڑنے لگی تو ڈاکٹر کو بلایا گیا اس وقت آپ کو آکسیجن لگی ہوئی تھی۔ اس حالت میں بھی آپ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اس ڈاکٹر کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب اسلامی اصول کی فلاسفی دے دینا۔ اس کے چند لمحوں بعد آپ کی رُوح جسد خاکی سے پرواز کر گئی۔ سبحان اللہ مسیح محمدی کو خدا نے کیسے کیسے فدائی اور جانثار عطا کئے کہ جنہوں اسلام کی سربلندی کے لئے اپنا تن من دھن عزت و آبرو ہر چیز قربان کر دی۔ بے وقوف اور نادان ہیں وہ لوگ جو اس جماعت کو مٹانے کی سوچ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس مجاھد احمدیت کے درجات بلند فرمائے اور احمدیت کو ایسے مخلص فدائی خدمت گزار عطا کرتا چلا جائے آمین۔



غزل

(ڈاکٹر پروفیسر عبدالکریم خالدؔ)

شام کے ڈھلنے کا منظر کون دیکھے گا یہاں
کون آئے کا یہاں پر کون دیکھے گا یہاں

زخم تازہ ہیں ابھی سینہء صد چاک کے
کون جھانکے دل کے اندر کون دیکھے گا یہاں

خاک میں سوئے پڑے ہیں پھول سے چہرے یہاں
یاد کر کے اُن کو دم بھر کون دیکھے گا یہاں

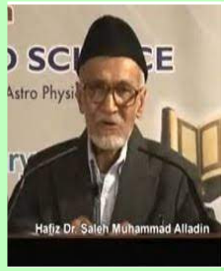
اس گماں سے ضبط کر کے دو گھونٹ میں
آنسوؤں کا یہ سمندر کون دیکھے گا یہاں

خون امیں ڈوبی قبا تو دیکھ لی آپ نے
نام کس کا ہے لہو پر کون دیکھے گا یہاں

اُڑ رہی ہیں دھجیاں اس ملک میں انصاف کی
کون منصف ہے یہاں پر کون دیکھے گا یہاں

جو لکھا اپنے مقدر میں اُسے ہونا تو ہے
کیا ہے لیکن یہ مقدر کون دیکھے گا یہاں

ایک دن تیرا مغنی بے صدا ہو جائے گا
ایک لمحہ رُخ پلٹ کر کون دیکھے گا یہاں



حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کا علمی منصوبہ

اور اسٹرانومی کے احمدی سائنس دان پروفیسر ڈاکٹر حافظ صالح محمد الہ دین صاحب کا نیشنل ایوارڈ



(انجینئر محمود مجیب اصغر)

اللہ تعالیٰ جب اپنے ماموروں اور مرسلوں کو بھیجتا ہے تو اُن کی صداقت کے لئے کئی نشانات ظاہر کرتا ہے۔ اُن نشانات میں پیشگوئیوں اور غیب کی خبریں بھی ایک نمایاں مقام رکھتی ہیں۔

امام الزمان سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

مارچ 1906ء خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار خبر دی ہے کہ وہ مجھے بہت عظمت دے گا اور میری محبت دلوں میں بٹھائے گا اور میرے سلسلہ کو تمام زمین پر پھیلائے گا اور سب فرقوں پر میرے فرقہ کو غالب کرے گا۔

اور میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ وہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں سے سب کا منہ بند کر دیں گے.. ،.........(تذکرہ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس عظیم الشان پیشگوئی کے پس منظر میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے تعلیمی ترقی کا منصوبہ جاری کیا اور فرمایا

خدا تعالیٰ نے مجھ سے تعلیمی ترقی کا ایک منصوبہ جاری کرایا ہے یہ منصوبہ غلبہ اسلام کی آسمانی مہم کے لحاظ سے بہت اہم ہے

(دورہ مغرب 1400ھ)

تین بنیادی اصول

ایک موقع پر آپ نے علمی ترقی کے متعلق تین بنیادی اصول بیان فرمائے

اوّل یہ کہ ہمیں خداداد استعداد کو کام میں لا کر حصول علم کی کوشش کرنی چاہیئے

دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر ہم علم حاصل نہیں کر سکتے اور اس کی مدد کے بغیر ہم پر تحقیق کی راہیں نہیں کھل سکتیں

اور تیسرے یہ کہ ہمیں حصول علم کی جد و جہد کے دوران دعا کے ذریعہ سے اس کا دروازہ کھٹکھٹانا چاہیئے تا وہ رجوع برحمت ہو اور ہم پر حصول علم کی راہیں وا کرے (دورہ مغرب 1400ھ صفحہ 293)

پروفیسر ڈاکٹر صالح محمد الہ دین صاحب نے بھی اپنا مستقبل انہی اصولوں پر عمل کر کے روشن کیا۔

آپ نے انڈیا کا سائنس کا ایوارڈ ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی طرح خلیفۃ المسیح الثالث کی دعا سے حاصل کیا اور اس طرح علم و معرفت میں کمال حاصل کرنے والی پیشگوئی کے مظہر ثانی ٹھہرے جب کہ ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کو آپ نے مظہر اوّل قرار دیا تھا

MEGHNAD SAHA AWARD FOR THEORETICAL SCIENCES

ڈاکٹر محمد صالح الہ دین صاحب خود تحریر فرماتے ہیں: 1978ء میں محترم پروفیسر عبد السلام صاحب کو نوبیل انعام ملا تھا اور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے جلسہ سالانہ ربوہ 1979ء میں اپنی دلی تمنا کا اظہار فرمایا تھا کہ احباب جماعت علم میں کمال حاصل کریں اور حضور نے جماعت کو بھی اس کے لئے دعا کی تحریک فرمائی تھی خاکسار کو اس جلسہ میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ الحمد للہ چنانچہ اس کے معاً بعد اللہ تعالیٰ نے خاکسار کے لئے غیر معمولی طور پر علم میں ترقی کرنے کے سامان پیدا فرمائے آکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر ڈک ٹر ھار صاحب Prof Dr Dick ter Haar کی دعوت پر خاکسار کو 1980ء میں تین مہینے ڈیپارٹمنٹ آف تھیوریٹیکل فزکس یونیورسٹی آف آکسفورڈ میں بطور سینئر وزٹنگ فیلو Senior Visiting Fellow کام کرنے کا موقع ملا اور ایک مہینہ یونیورسٹی آف کیمبرج میں خاکسار کے لیکچر آکسفورڈ کیمبرج مانچسٹر اور نیوکیسل آن ٹائن میں

ہوئے الحمدللہ

حضور اقدس جب لندن تشریف لائے تو حضور سے ملاقات کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ایک دفعہ حضور نے خاکسار سے دریافت فرمایا کہ گیلیکسیز کے بارے میں جو تحقیقات ہوئی ہیں وہ بتائیں خاکسار نے اس کا ذکر کیا جو حضور نے بڑی دلچسپی سے سنا خاکسار نے عرض کی کہ میں آکسفورڈ میں ایک مضمون

Gravitational Interactions between Galaxies

پر لکھ رہا ہوں حضور سے دعا کی درخواست کی حضور نے فرمایا۔''اللہ تعالیٰ فضل فرمائے گا''

چنانچہ ایسا ہی ہوا یہ مضمون انٹرنیشنل رسالہ فزکس رپورٹس میں دسمبر 1982ء میں شائع ہوا اور بفضلہ تعالیٰ مقبول رہا اور اللہ تعالیٰ نے مزید ریسرچ کی بھی توفیق بخشی اور 1981ء میں خاکسار کو ہندوستان کا ایک نیشنل ایوارڈ

AWARD for Theoretical SciencesMEGHNAD SAHA

دہلی میں دیا گیا الحمدللہ (غیر مطبوعہ تحریر)

اسٹرانومی دنیا کی قدیم ترین سائنس شمار ہوتی ہے اور مسلمانوں کے عروج کے زمانے میں یونیورسٹی میں اسٹرانومی پرنسپل سبجیکٹ کے طور پر پڑھایا جاتا تھا۔

ہمارے دور میں آپ کے علاوہ شاذ کے طور پر کوئی اور مسلمان اس شعبہ میں عالمی سطح پر نمایاں ہوا ہوگا وکی پیڈیا کے مطابق آپ دنیا کے 100 نامور اسٹرانومسٹس میں شمار ہوتے ہیں۔

خلیفہ وقت کا خراج تحسین

آپ کی وفات پر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ نے فرمایا

اس وقت میں سلسلے کے ایک عالم اور بزرگ کا بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں جو حافظ قرآن بھی تھے جن کو قرآن سے خاص تعلق تھا۔دنیاوی تعلیم بھی پی ایچ ڈی تھی اور اسٹرانومی میں انہوں نے بڑا نام پیدا کیا لیکن سائنس کو ہمیشہ قرآن کے تابع رکھا گزشتہ دنوں ان کی وفات ہوئی۔اناللہ وانا الیہ راجعون

ان کا نام حافظ صالح محمد الہ دین تھا گزشتہ تقریباً چار سال سے یہ قادیان کی انجمن کے صدر تھے....عثمانیہ یونیورسٹی سے انہوں نے فزکس میں ایم ایس سی کی تھی۔Observatory Univ Chicago سے انہوں نے پی ایچ ڈی کی۔بڑی خصوصیات کے حامل تھے..ان کے تقریباً پچاس مضامین اور ریسرچ پیپر بین الاقوامی رسالوں میں شائع ہوئے ہیں اور جن پر کئی ایوارڈز بھی ان کو ملے ہیں چنانچہ ہندوستان کا مشہور ایوارڈ

Magnad Saha Award for Theoretical Science 1981

آپ کو دیا گیا........اس کے علاوہ بھی بے تحاشا ایوارڈ ان کو ملے ہیں

Lunar and Solar Eclipses

اور ڈائینامکس آف گیلیکسیز آپ کے پسندیدہ مضمون تھے جن میں قرآن اور احادیث میں سورج چاند گرہن بطور صداقت حضرت مسیح موعود اور امام مہدی بیان ہوا ہے چنانچہ اس کے بارے میں آپ مختلف جلسوں پر تقریریں بھی کرتے رہے......1994 اور 1995ء میں اس نشان پر صد سالہ پروگرام کے تحت کئی جماعتی رسائل میں آپ کے مضامین شائع ہوئے..اپنے سائنسی مضامین کا ہمیشہ قرآنی آیات سے استدلال کیا کرتے تھے.....

(الفضل انٹرنیشنل 15 اپریل تا 21 اپریل 2011ء)

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہوگئیں

According to Wikipedia

March,1931 3 bornDr Hafiz saleh Muhammad Alladin in Hyderabad, India, died March 20, 2011in Amritsar) was an Indian Ahmadi Muslim astronomer.................

He was among the famous 100 Astronomers of the world and served as the educational advisor to former President A PJ Abdul Kalam of India.......................

Alladin was a prominent member of many scientific societies such as International Astronomical Union, Astronomical Society of India , the Indian Association for Gerneral Relativity and Gravitation and the Indian Association of Physics Teachers.....Solar and Lunar eclipse in 1894 He showed that Solar and Lunar eclipses

occur simultaneously every 22 years in Ramadan but for them to occur at a specific area is almost impossible , and that the last Solar and Lunar eclipses above Qadian occurred 600 years ago. Awards

.Meghnad Saha Award der UGC New Delhi1981

Bharat Excellence Award

Friendship Forum of India

اسٹرانومی کی تحقیقات میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی حوصلہ افزائی

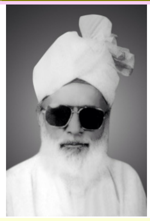
انازینا السمآء الدنیا بزینۃ الکوا کب (الصافات آیت 7)

یہ جو کائنات ہے اس کے متعلق خدا نے کہا سات آسمان اور ایک زمین پر مشتمل......

جہاں تک سائنسدانوں کی فلکیات سے تعلق رکھنے والوں کی تحقیق پہنچی وہ یہ ہے کہ یہ جو سماء الدنیا ہے پہلا آسمان اس میں ایک تو قبیلے ہیں ستاروں کے اس کو یہ کہتے ہیں گلیکسی Galaxy اور خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ پہلے آسمان میں ستارے ہیں تو ستاروں کے سارے قبائل پہلے آسمان میں ہیں............ یہ تو پہلا آسمان ہے جو دوسرا، تیسرا، iچوتھا، پانچواں، چھٹا اور ساتواں آسمان ہے ان کے جو روحانی پہلو ہیں ان کے متعلق قرآن کریم میں، احادیث میں کچھ ذکر آتا ہے جو اس کے مادی پہلو ہیں اثرات کیا اثر ان کے ہو رہے ہیں وہ ابھی تھیوری ہے خدا کرے ہمیں پانچ دس ایسے سائنس دان بھی مل جائیں جو........اپنے ڈیسک پر بیٹھ کر دوسرے تیسرے آسمان کے متعلق تھیوریز بنایا کریں فارمولے جو آج سے پچاس سال بعد یا سو سال بعد یا ڈیڑھ سو سال بعد انسان کی عملی تحقیق جب وہاں پہنچے تو حیران ہو کہ ڈیڑھ سو سال پہلے ایک احمدی کے دماغ کو خدا تعالیٰ نے وہاں تک پہنچا دیا تھا اور آج ہم وہاں پہنچتے رہے ہیں۔"

(خطبات ناصر جلد دوم صفحہ 409،408 انوار القرآن جلد سوم صفحہ 116،115)

❁❁❁❁



عزم وفا

مولانا ظفر محمد ظفر

یہ ممکن ہے کہ اس اُلٹے زمانے میں کوئی مجنوں
بگڑ کر اپنی لیلیٰ سے کبھی بیزار ہو جائے

یہ ممکن ہے کوئی بلبل خلاف اپنی طبیعت کے
گلوں سے دشمنی رکھ کر نثارِ خار ہو جائے

یہ ممکن ہے طوافِ شمع تاباں چھوڑ پروانہ
اسیرِ زُلفِ لیلائے شبانِ تار ہو جائے

یہ ممکن ہے کہ ماہی مسکنِ آبی سے گھبرا کر
شہیدِ جُستجوئے رفعتِ کُہسار ہو جائے

یہ ممکن ہے کہ پانی چھوڑ کر اپنی برودت کو
حرارت میں بدل جائے سراسر نار ہو جائے

یہ ممکن ہے کوئی نوشیرواں سا حاکمِ عادل
عدالت چھوڑ دے اور ظُلم میں سرشار ہو جائے

یہ ممکن ہے کوئی ہٹلر عدُوِ جرمنی بن کر
کسی انگریز دُشمن کا علم بردار ہو جائے

یہ ممکن ہے کوئی محمود شانِ بے نیازی میں
ایازِ باوفا سے برسرِ پیکار ہو جائے

غرض سب کچھ یہ ممکن ہے مگر یہ ہو نہیں سکتا
کہ احمد کی جماعت کا ظفر غدار ہو جائے

❁❁❁❁

❁❁❁





اسٹیٹ کی گم شدہ رِٹ

جمیل احمد بٹ

مذہب کے نام پر ایک سیاسی گروپ کے ہاتھوں تین چار دن جس طرح پورا ملک یرغمال بنا رہا۔ عوام مسائل کا شکار رہے۔ قانون نافذ کرنے والے ادارے روک تھام کے بجائے خود ان کے ہاتھوں تختۂ مشق بنے اور قابلِ ترس حالت کو پہنچے۔ ملک میں امن و امان کے قیام کے ذمہ دار وزیر، دیگر حکومتی ترجمان اور خود سربراہ حکومت منہ چھپائے پھرے۔ یہ سب ملک پر حکومتی رٹ کی کھلی نفی تھی۔ اور جائے عبرت۔

واقعات کی ڈور:

یکم اگست ۲۰۱۵ء کو آغاز کے بعد سے اس گروہ نے بتدریج اپنی طاقت میں اضافہ کیا۔ اکتوبر ۲۰۱۷ء میں الیکشن ایکٹ میں عمالِ حکومت کے حلف نامہ میں ایک معمولی ردوبدل کو ختم نبوت پر حملہ کہہ کر فساد برپا کیا گیا۔ نومبر دسمبر ۲۰۱۷ء میں فیض آباد میں ۲۰ دن دھرنا دیا گیا۔ اور راولپنڈی اور اسلام آباد کے لکھوکھا شہریوں کی زندگیاں اجیرن کر کے انہیں عذاب میں مبتلا رکھا گیا۔ پھر ۲۰۱۸ء میں مذہبی عدم رواداری اور تعصب کی شکار ایک مسیحی خاتون کا سالوں جیل کاٹنے کے بعد عدالت سے رہائی کے حکم پر پُرتشدد مظاہروں کا سلسلہ برپا کیا گیا۔ اسی سال اس گروپ نے الیکشن میں بھی حصہ لیا اور کافی ووٹ حاصل کئے گو اس کی نمائندگی صرف سندھ اسمبلی میں ہو سکی۔ اور پھر ۲۰۲۰ء میں فرانس کا وہ واقعہ ہوا جس پر ایک بار پھر بڑا جلوس نکالا گیا اور اسے فیض آباد میں ایک دھرنے میں بدلا گیا۔

ہمدرد و مددگار:

ان مددگار نادیدہ طاقتوں کے علاوہ جو اپنے مقاصد کی خاطر اس گروہ کو معرض وجود میں لائیں، اسے میڈیا، سیاستدانوں اور حکومتوں کی مدد بھی حاصل رہی۔ سوشل میڈیا پر اس کی سرگرمیوں کی مسلسل تشہیر سے اس کی مقبولیت عام ہوئی۔ اور میڈیا اس کی قابلِ گرفت سرگرمیوں سے صرفِ نظر کر کے بالواسطہ مدد دیتا رہا۔

آج کی حکومت کے سربراہ اور وزیر داخلہ ۲۰۱۷ء کے دھرنے میں وقتی مفاد کے خاطر اعلانیہ فسادیوں کے ساتھ تھے۔ پھر گزشتہ حکومت نے اس دھرنے کو ختم کرانے کے لئے جس طرح جھک کر اس گروہ کی شرائط پر معاہدہ کیا اس نے اس کو ایک نئی طاقت دی۔ اسی دھرنے کے اختتام پر باوردی صاحبانِ اقتدار کا ان قانون شکنوں کو سرپرستانہ طور پر تھپکی دینا، برسرِعام انعامی لفافے تقسیم کرنا اور فریق بن کر معاہدہ کروانے نے بھی اس گروپ کے اعتماد کو بڑھایا۔

پھر موجودہ حکومت نے پہلے دباؤ میں آ کر نومبر ۲۰۱۸ء میں اس گروہ سے معاہدہ کر کے، باوجود عدالت کے بے گناہ قرار دینے کے فیصلہ کے، آسیہ بی بی کے بیرون ملک جانے پر پابندی لگائی۔ تاہم جس طرح ۱۷ نومبر ۲۰۲۰ء کو گھٹنے ٹیک کر ناقابلِ عمل شرائط پر اس گروپ سے معاہدہ کیا گیا۔ اس سے ملنے والی طاقت نے اسے انتہائی خودسر کر دیا اور نوبت آج کے دن کو پہنچی۔

اس گروپ کی سرگرمیوں کا ایک رخ احمدیوں اور ان کی بیوت پر حملے رہا ہے۔ ان غیر قانونی حرکات سے صرفِ نظر کر کے حکومتیں در پردہ ان سرگرمیوں کی حامی رہی ہیں۔ حکومتی ایماء پر قانون نافذ کرنے والے ادارے بھی اکثر خاموش تماشائی بنے رہے ہیں اور بجائے شرپسندوں کو روکنے کے خود مظلوموں کو گرفتار، ان کے گھروں اور عبادت گاہوں کو سیل کرتے رہے ہیں۔ میڈیا بھی ان غیر قانونی سرگرمیوں کو بالارادہ چھپا کر در پردہ اس گروپ کی حمایت کرتا رہا ہے۔ ایک حق گو ٹی وی ٹاک شو کو چھوڑ کر شاذ ہی اس ظلم کو موضوع بنایا گیا ہے کہ کس طرح ایک قانون پسند مذہبی جماعت کے افراد کو نشانہ بنایا گیا۔ ان کے افراد کو قتل کیا گیا۔ ان کے گھروں کو جلایا گیا اور ان کی عبادت گاہوں میں توڑ پھوڑ کی گئی اور ان پر لکھے اللہ اور رسول ﷺ کے ناموں کی بے حرمتی کی گئی۔ اور وہ عوام بھی جن کی آنکھوں کے سامنے اللہ اور اس کے رسول ﷺ

کی بے حرمتی ہوئی لیکن اپنی مرضی سے لاعلم رہ کر وہ جاہلوں کی بات پر کان دھرے رہے اور اس سحر میں گرفتار رہے کہ گویا یہ اللہ اور رسول ﷺ ان کے نہیں ہیں۔

پرانی ڈگر:

پاکستان میں گروہوں کی مذہب کو استعمال کر کے سیاست کرنے کی ایک پرانی تاریخ ہے۔ساتھ ہی اربابِ اقتدار کی ان گروہوں کو بنانے، ان کی سرپرستی کرنے اور انہیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنے کا سلسلہ بھی پہلو بہ پہلو چل رہا ہے۔ملکی آبادی کی بھاری اکثریت کا غربت کی سطح سے نیچے ہونا اور بالکل جاہل ہونا وہ خام مال ہے جو اس کاروبار کے لئے وافر طور پر دستیاب ہے۔وقتی مفاد کے لئے بنائے گئے یہ گروہ گزرتے وقت کے ساتھ طاقتور ہو کر سرکشی پر اتر آتے اور قابو سے نکل جاتے ہیں۔اور پھر بالآخران کا بزورِ قلع قمع کرنا پڑتا ہے۔ایسا بار بار ہوا ہے۔

ٹی ایل پی پہلوں سے مختلف نہ تھی۔اس کا قیام اور بتدریج پھیلاؤ نیا نہ تھا۔ پھر اس کا اپنا طریقِ واردات بھی اس عرصہ میں یکساں رہا۔ اس کے لاقانونیت کے مظاہرے پہلے بھی تھے۔اس کے ہاتھوں شہریوں کی مشکلات میں مبتلا ہونا پہلے بھی تھا۔اس سے جھڑپوں میں قانون نافذ کرنے والے اہل کار پہلے بھی زخمی ہوتے تھے۔

ٹی ایل پی نے کچھ نیا نہیں کیا تو پھر اچانک کیا ہوا کہ بات اس پر پابندی تک آن پہنچی؟ اور ایسا کیا ہوا کہ اس کا انجام اتنی جلد آ گیا؟

امکانات:

ممکنہ وجوہات میں سے تین یہ ہو سکتی ہیں: مفاد پرستی: ٹی ایل پی الیکشن کمیشن میں ایک سیاسی پارٹی کے طور پر رجسٹر ہے اور ۲۰۱۸ء کے الیکشن میں اس نے قریباً بیس لاکھ ووٹ حاصل کئے اور سندھ اسمبلی میں نمائندگی بھی۔اس کے بعد جس طرح وہ مذہبی کارڈ کھیلتی رہی ہے اس سے اس کی عوامی مقبولیت میں اور بھی اضافہ ہوا ہے۔جیسا کہ بانیٔ تحریک کے جنازے میں بڑی حاضری سے ظاہر ہے۔اس کا یہ بڑھتا ہوا ووٹ بینک باقی سیاسی پارٹیوں کے لئے خطرے کی گھنٹی ہے۔اور اس کی طاقت توڑنا سب کے مفاد میں ہے۔بطورِ خاص موجودہ حکومت کے۔ایک اور مخالف بڑی سیاسی جماعت، جس کا ووٹ بینک گزشتہ الیکشن میں اس کے ہاتھوں متاثر ہوا تھا، کے اراکین کا موجودہ ہنگامے میں شمولیت اور معاونت نے بھی حکومت سے محاذ آرائی میں اسے پیچھے نہ ہٹنے دیا اور یوں اسے اس انجام کو پہنچانے میں اپنا حصہ ڈالا۔

پس پردہ بازی گر: ہمارے خطہ میں بہت سے نظر آنے والے سیاسی مہروں کی ڈور تھامے، ان کے پس پردہ بازی گروں کا ہونا کوئی نئی بات نہیں۔ اس وقت ویسے بھی کئی محاذ کھلے ہوئے ہیں۔ امریکہ کا بھارت کی مدد سے، سیپیک کے راستے چین کے بڑھتے ہوئے اثر کو روکنے کے لئے کوشاں ہونا کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ ٹی ایل پی کی بڑھتی ہوئی طاقت کسی بھی پلڑے کا وزن بڑھا سکتی ہے۔ گو اس کا دیگر مذہبی جماعتوں کی طرح بھارت کی طرف جھکاؤ واضح ہے۔ ایسے میں دوسرے فریق کا یہ چاہنا فطری ہے کہ حکومت کی مدد سے اس کی طاقت کو توڑا جائے۔

سب تدبیروں سے بڑھ کر تدبیر کرنے والا: جولائی ۲۰۲۰ء سے ملک میں بے گناہ احمدیوں کے خلاف ظلم و بربریت کی ایک نئی مہم جاری ہے۔ پیپلز کالونی گجرانوالہ میں احمدیوں کے پانچ گھر جلائے گئے جہاں ایک خاتون اور دو بچیوں کی شہادت ہوئی۔ پھر پشاور میں یکے بعد دیگرے معراج احمد صاحب، پرفیسر نعیم الدین خٹک صاحب، ۸۲ سالہ محبوب احمد خان صاحب اور فروری ۲۰۲۱ء میں ڈاکٹر عبد القادر صاحب شہید کئے گئے۔ نومبر ۲۰۲۰ء میں ننکانہ میں ۳۱ سالہ ڈاکٹر طاہر محمود صاحب کی شہادت ہوئی۔ اور پھر اس سال ۲۰۲۱ء میں پہلے گرمولہ ورکاں، گجرانوالہ اور پھر مظفر گڑھ میں احمدیہ بیوت الذکر پر حملے اور ان پر لکھے اللہ اور رسول ﷺ کے ناموں کی بے حرمتی کی گئی۔ان واقعات کی بعض ویڈیوز میں لبیک کے نعرہ زن کارکن نمایاں ہیں۔

احمدی اس ظلم، عبادت گاہوں کی توڑ پھوڑ اور اللہ رسول ﷺ کے ناموں کی بے حرمتی پر ایک مقبول بندہ کے ہر جمعہ کو دعا کی تحریک پر دکھے دلوں کے ساتھ اپنے رب کے حضور جھکے اور اس سے مدد کے طالب رہے۔ اللہ پر زندہ ایمان اور اس کے آگے جھکے ہوئے دعا گو افراد کا اپنی دعاؤں کا شرفِ قبولیت پاتے دیکھنا کوئی نیا تجربہ نہیں ہے۔

سب سزا وار:

اس بے حرمتی میں فریق ٹی ایل پی، پولیس اور حکومت سب کو سزا ملی۔ ٹی ایل پی کے ہاتھوں پولیس پر تشدد اور ہلاکتیں، حکومت اور عمالِ حکومت کی رسوائی اور جگ ہنسائی اور پھر حکومت کے ہاتھوں ٹی ایل پی پر چارج شیٹ اور پابندی۔

اس گرفت میں سب شامل ہیں۔ یہ مذہبی جماعت اور اس کے بے لگام اراکین تو نمایاں ہیں۔

قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں میں سے بعض کا ان کے ہاتھوں تشدد کا نشانہ اور یرغمال بننا، بعض کا جان سے جانا، کئی سو کا زخمی ہونا بھی ایک سزا تھی جو انہیں ان کے ہاتھوں پہنچی جن کی غیر قانونی سرگرمیوں کی یہ نگرانی کرتے تھے۔

پھر اس حکومت کو بھی سزا ملی جس کی اس گروہ سے ہمدردیاں چھپی ہوئی نہیں ہیں۔ اور جو در پردہ مسلسل اس کو شہ دیتی آئی ہے۔ اب اسے اچانک اس حمایت سے ہاتھ اٹھا کر اپنی ساکھ کی قربانی دینی پڑی۔ اور وہ بھی جگ ہنسائی اور چار دن منظر نامہ سے فرار رہنے کے بعد۔ اور اس کے ایک وزیر کو ٹی ایل پی کی حمایت میں اپنے گزشتہ پبلک بیانات کے اور ہمیشہ سے مذہبی کارڈ کا کھلاڑی ہونے کے باوجود اس حمایت سے دستکش ہونا پڑا۔ گو پنجاب حکومت اور کابینہ کی آڑ میں چھپنے کی کوشش تو بہت کی لیکن ان کا دہرا معیار سب نے دیکھ لیا۔ اور سب سے بڑھ کر جس کی رِٹ کھلے بندوں پامال ہوئی۔

اور پھر عوام نے بھی ذلت دیکھی۔ تکلیفیں اٹھائیں۔ اپنے بیماروں کو اسپتال کے لئے لے کر نکلے اور قبرستان جا پہنچے۔ دیہاڑی داروں نے بے روزگاری کی سزا بھگتی۔ اور سب بار بار دنوں اور ہفتوں خوف و حزن کے سیاہ سایوں میں گھروں میں مقید رہائی کی خبر کی آس لگائے بیٹھے رہے۔

ان عوام الناس میں سے بہت سے وہ ہیں جو احمدیوں کے ساتھ رہتے رہے، ان کے گھروں میں آئے گئے۔ دفتروں، کاروباروں اور تجارتوں میں ان سے معاملے کئے اور دیکھا کہ کس طرح احمدی آں حضرت ﷺ سے محبت کرتے ہیں۔ بات بات پر ان کی زبانیں ان کا نام لیتی ہیں ان کی فرمائی ہوئی باتیں دہراتی ہیں۔ ان کے گھروں میں کلام اللہ طاقوں میں سجا اور الماریوں میں بند نہیں رہتا بلکہ گھر کے سب بڑے چھوٹے ہر روز اس کی تلاوت کرتے ہیں۔ اور اس پر عمل کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ اس سب کے باوجود جب مذہبی کاروباریوں کی زبانی وہ کسی احمدی پر توہینِ رسول ﷺ یا توہینِ قرآن کا الزام سنتے ہیں تو بجائے آگے بڑھ کر گواہی دینے کے کہ ایسا نہیں ہو سکتا اور یہ الزام سراسر جھوٹ ہے۔ وہ اس جھوٹ کی ہاں میں ہاں ملانے لگتے ہیں یا چپ رہ کر اس جھوٹ کے نتیجہ میں ہونے والے ظلم اور زیادتی کو خاموشی سے دیکھتے رہتے ہیں۔

اپنی بزدلی اور کم ہمتی کے باعث باوجود اکثریت ہونے کے یہ عوام دین کا کاروبار کرنے والی تھوڑی سے جمیعت کے ہاتھوں یرغمال ہے۔ کس مپرسی کی موجودہ زندگی ان پر اسی کی سزا میں عذابِ الٰہی کے طور پر نازل ہے۔ یہ عذاب انہیں اس وقت تک بھگتنا ہے جب تک کہ وہ سچ کی خاطر آواز نہیں بلند کرتے۔

پابندی کوئی حل نہیں

یوں تو ملک میں ۷۸ دہشت گرد تنظیمیں اس سے پہلے کالعدم کی جا چکی ہیں۔ لیکن پابندی لگائی جانے والی سیاسی جماعتوں میں سے یہ تیسری جماعت ہے۔ جماعت اسلامی، نیشنل عوامی پارٹی اور یہ تحریک لبیک پاکستان۔ پہلی جماعت پر پابندی کا حکم سپریم کورٹ نے ختم کر دیا تھا۔ جب کہ دوسری پر قائم رہا۔

لیکن سب جانتے ہیں کہ پابندی کوئی دیر پا حل نہیں۔ حل وہی نتیجہ خیز ہوگا جس سے ان کے پیدا کردہ مسائل حل ہوں گے یعنی معاشرے سے عدم برداشت، دوسروں پر اپنی رائے کا ٹھونسنا، قانون شکنی اور قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا، مخالف رائے رکھنے پر کفر اور قتل کے فتوے جاری کرنا اور ہر چھوٹی بڑی بات پر تشدد کی راہ اپنانا جیسی سماجی برائیوں کا خاتمہ۔ خلاصتاً مسئلے دو ہیں۔

مذہب کا سیاسی استعمال: پہلا مسئلہ مذہبی سیاست ہے۔ ہے۔ کئی سیاسی جماعتیں مذہب کا کارڈ اقتدار میں آنے کے لئے استعمال کرتی ہیں۔ الیکشن کمیشن آف پاکستان میں رجسٹرڈ ۱۲۷ سیاسی جماعتوں میں ٹی ایل پی سمیت بہتیری مذہبی جماعتیں ہیں۔ جن کا مقصد مذہب کی سیڑھی سے اقتدار کے آنگن میں اترنا ہے۔ اس غرض سے عوام کے مذہبی جذبات سے کھیل کر ملک میں دنگا فساد ان کا طریق ہے۔

اس مسئلہ کا سادہ سا حل ملک میں غیر مذہبی سیاسی نظام کا قیام ہے۔اگر حکومت مذہب سے لاتعلق ہو جائے تو سیاسی جماعتوں کے پاس مذہب کا میدان نہ رہے گا اور پھر وہ مجبور ہوں گی کہ عوامی مسائل پر سیاست کریں۔ پس اصل حل ریاست اور مذہب کا الگ الگ کیا جانا ہے۔اور ایسی قانون سازی کرنے کی ضرورت ہے کہ مذہب کو سیاست کے لئے استعمال کرنے کی ممانعت ہو۔مذہبی ناموں کے ساتھ

سیاسی جماعتوں کے الیکشن کمیشن میں رجسٹریشن منسوخ کی جائیں۔اور ان کی سیاسی جماعتوں کے طور پر کام کرنے کی ممانعت ہو۔مولویوں مفتیوں اور حفاظ کا میدان عمل مذہب ہو اور ان کے سیاسی جماعتوں کے عہدیدار ہونے پر پابندی ہو۔اور قوم کو 'سیاست صرف سیاست کے ساتھ' کا نعرہ دیا جائے۔

مذہبی اجارہ داری: دوسرا مسئلہ بعض مذہبی جماعتوں کے مذہب پر اجارہ داری کے دعویٰ ہیں۔کئی معاملات کے خود ساختہ محافظ بن کر کئی انجمنین قائم ہیں اور خوب کھا کما رہی ہیں۔ان کا طریق کار مخالف عقیدہ رکھنے والوں کے خلاف نفرت کا پرچار کرنا، ان کے قابل احترام بڑوں کے خلاف گالی گلوچ کرنا اور نفرت انگیز تقریریں کرنا اور لٹریچر چھاپنا، لوگوں کو ان کے بائیکاٹ پر اکسانا اور ان کے کفر اور قتل کے فتوے دینا ہے۔

اس مسئلہ کا حل قانون کی عمل داری اور عدالتوں کا انصاف فراہم کرنا ہے۔ فی الوقت کیونکہ ریاست اور مذہب گڈمڈ ہیں اس لئے قانون کے نفاذ میں سیاسی مصلحتیں آڑے آجاتی ہیں۔اور انصاف کی راہ میں بھی کئی روڑے ہیں۔اس لئے حکومت اور مذہب کے الگ الگ ہونے سے یہ مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔

حرفِ آخر:

تحریک لبیک پر پابندی ایک وقتی بات ہے۔سیاست کی بازی گری اس سے نکلنے کی راہ تلاش کرلے گی۔یا پھر اسی قسم کے کسی اور جن کو بوتل سے نکال لیا جائے گا۔اور یہی تاریخ پھر دہرائی جائے گی۔اس لئے حالات کا بدلنا خود عوام الناس کے ہاتھ میں ہے۔قرآن سچ کو نظر انداز کرنے والوں کو اندھے، بہرے اور گونگے کہتا ہے۔اس لئے بہتری کی راہ خود دیکھنے، خود سننے اور پھر سچ بولنے میں ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁



جمال باکمال وحسن کامل

م۔مبرور

خیال وخواب کی بستی میں ہر دم جس کا پہرہ ہے
سراپا نور اک چہرہ جسے ہر حسن زیبا ہے

قرارِجاں سخن اس کا دلوں کی جو کہ ڈھارس ہے
شفا ہے گفتگو اس کی دعا کا جیسے نغمہ ہے

جمالِ با کمال و حسن کامل ہے شگفتہ رُو
سکوں آشفتہ جانوں کا دعاوں کا خزینہ ہے

صداقت کے دلائل ہیں خزائن معرفت کے ہیں
کرشمہ بول ہیں اس کے بلا کا اس کا لہجہ ہے

مبارک صحبتیں ایسی نصیبوں سے ہی ملتی ہیں
جو اس کے پاس بیتے وہ بہت نایاب لمحہ ہے

وہ ظلمت میں خدا کے نور کی بیّن تجلی ہے
جہاں میں امنِ عالم کا اسی کے سر پہ سہرہ ہے

نمودِ صبح کے جیسے ہیں روشن اس کے سب اخلاق
محبت رہ روش اس کی وضع داری میں یکتا ہے

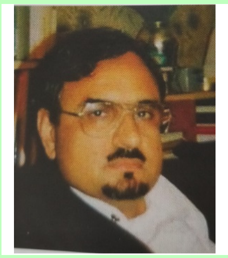
بشر ہے ذات کا لیکن ملائک کرتے ہیں تائید
چنیدہ ہے وہی اسلام کا حقا خلیفہ ہے

❁❁❁❁❁❁❁❁

❁❁❁❁

❁❁❁

❁❁



مرزا شہزاد اکبر قادیانی ہے

مکرم کولمبس خان ۔ مہدی آباد ۔ جرمنی

محمد کولمبس خاں ۔مہدی آباد۔ جرمنی

" میرے دوستو! میرے ساتھیو!

آپ لوگ پچھلے چند ماہ ملک میں ہڑتالوں اور مظاہروں کی وجہ سے اپنی تعلیم پر پوری توجہ ہیں دے سکے۔اس تعلیمی نقصان سے ہم آگاہ ہیں۔ یہ امتحانات جو جون کے مہینے میں ہونے تھے اب تقریباً چار ماہ بعد منعقد ہو رہے ہیں۔آپ کے لئے یہ خوش خبری ہے کہ یہاں کمرہ امتحان میں کوئی قادیانی نگران نہیں ہے۔آپ اپنے پرچے اطمینان سے حل کر سکتے ہیں ۔ہم نے قادیانی طلبہ کے لئے بھی الگ کمرہ کا انتظام کر دیا ہے۔میری یہی گزارش ہے کہ ڈسپلن میں رہیں اور پرچہ حل کریں۔اگر کسی طالب علم کو کسی نگران سے شکایت ہو تو وہ ہمیں آگاہ کر دے۔اس کے بعد ہم جانے اور وہ۔شکریہ"

گیلانی اسلامیہ لاء کالج ملتان کے طلبہ کے لاء کا امتحان 1974 جو بوسن روڈ امتحانی سنٹر میں منعقد ہوا، اس میں ہمارے سٹوڈنٹس یونین کے جنرل سیکریٹری محترم بشیر احمد اعوان صاحب کے خطاب کا یہ لبِ لباب تھا جو انہوں نے ممتحن کی اجازت سے ہال میں پہلے امتحانی پرچہ کے تقسیم ہونے سے قبل فرمایا

جب ہم پرچہ دے کر باہر نکلے تو ملک صاحب مل گئے۔ان سے بے تکلفی تو تھی ۔سٹوڈنٹس یونین کے الیکشن میں ان کے طرفدار جو ٹھہرے۔ان سے پوچھا کہ اس تقریر دلپذیر کا مقصد آخر کیا تھا۔انہوں نے بڑی میٹھی سرائیکی میں جواب دیا۔" سائیں! ہر ممتحن جو نقل کرنے والے امتحان دہندہ کو پکڑنے کی کوشش کر سکتا ہے اس کے لئے یہ پیشگی وارننگ تھی کہ ہم اسے قادیانی کہہ کر پیٹیں گے"۔

مجھے ان کی ذہانت پر رشک آیا۔ پھر ان سے استفسار کیا تو تم جانتے ہو کہ میں ایک معروف احمدی طالب علم ہوں اور تمہارے سامنے ہی بیٹھا تھا جبکہ تم کہہ رہے تھے قادیانی طلبہ کے لئے علیحدہ انتظام کر دیا۔بولے:" سائیں! یہ ساتھ کچھ مصالحہ بھی تو لگانا ہوتا ہے"۔

دو سال بعد چھوٹے بھائی کو سعودی عرب بھجوانے کے سلسلہ میں کراچی کے فارن آفس سے کاغذات اٹیسٹ کروانے تھے اور فارن آفس کے دفتر سے باہر فیس ٹکٹ فروخت کرنے والے عبوری دفتر لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔کاغذات پر ٹکٹ لگا کر مرد قلندر نے ہم سے اصل قیمت کے بجائے دوگنی سے زیادہ رقم طلب کی جو اتنی زیادہ تھی کہ اس کی ادائیگی کر کے میرے پاس قیام گاہ پر واپس آنے کے لئے کرایہ بھی نہیں بچتا تھا۔میں نے اس کی خدمت میں عرض کیا کہ اصل قیمت آج لے لیں اور ''اوپر والی'' کل جب کاغذ لینے آیا تو ادا کر دونگا۔اس نے کہا:''کل کون آ کر دیتا ہے۔'' میں نے کہا میں وعدہ کرتا ہوں۔اس نے سر تھوڑا سا اوپر کر کے میرا ایکسرے لیا اور بے ساختہ کہا۔"تم قادیانی ہو؟۔میں نے کہا جو وعدہ پورا کرے وہ قادیانی ہوتا ہے؟۔ اس نے کہا ۔ہاں وہ قادیانی ہوتا ہے۔اسی دوران کاغذات تک میرا ہاتھ پہنچ چکا تھا جو اس کی نیم رضامندی سے سرکا لئے اور دفتر میں لے جا کر جمع کروا دیئے ۔اگلے روز جا کر" وعدہ" بھی پورا کر دیا۔

مرزا اکبر شہزاد پاکستان کے ایک حکومتی پرزے ہیں اور بڑے اہم کام پر متعیّن ہیں۔ ان پر قادیانی ہونے کا الزام نیا نہیں دو سال پہلے بھی یہ ایشوع ایک سیاسی پارٹی کی طرف سے اٹھایا گیا تھا لیکن جلد ہی دب گیا۔

اب یہ ایشوع حکومتی پارٹی کے بددل ہونے والے ترین گروپ کے جناب نذیر چوہان صاحب کے اعلیٰ دماغ سے اٹھایا گیا ہے اور وہ اسے بڑی شدّ و مد سے بیان کر رہے ہیں۔اس کے ساتھ ہی تھوڑا سا ترین صاحب پر تحقیقاتی دباؤ کا بھی ذکر کر دیتے ہیں۔اس الزام پر تشویش آمیز تردید مرزا شہزاد اکبر قادیانی کر چکے ہیں۔

یہ 1970 کے انتخابات کی گہما گہمی کا دور تھا کہ تحریک استقلال پاکستان

کے نامور سیاستدان اصغر خاں صاحب کو کسی صحافی نے سوال جڑ دیا کہ آپ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آپ قادیانی ہیں۔انہیں پسو پڑ گئے اور بونتر کر بانی جماعت پر لعنت بھیجنے کا اظہار کر دیا۔لیکن پی پی پی کے جیالے پھر بھی انکو قادیانی ہونے کا طعنہ آخر دم تک دیتے ہی رہے۔

جنرل اعظم۔جنرل مشرف۔بلکہ خود بھٹو صاحب پر بھی قادیانی ہونے کا الزام لگایا جاتا رہا ہے۔جنھوں نے احمدیوں کو ناٹ مسلم قرار دلوانے کا معرکہ انجام دیا تھا اور اس کی نواسی کی ایک قادیانی لڑکے کے ساتھ شادی کے چرچا پر کئی اینکروں کی نیندیں بھی خراب ہوگئی تھیں۔

اس سارے بیان میں جو بات واضح کرنی مقصود ہے وہ " قادیانی ہونے کا الزام" ہے۔اور اس حقیقت کو نکھیرنا ہے۔احمدیہ جماعت جس کو ان کے مخالفین قادیانی کہہ کر مخاطب ہوتے ہیں جس کے تمام معاملات تو ظاہر و باہر ہیں (معاندین کے جھوٹوں کے برعکس) اور کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں ہے۔کسی بھی شخص کے احمدی ہونے کے متعلق صحیح پتہ کرنے کے لئے اینکروں کو نیندیں حرام کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔احمدی تو اپنے رویّے سے پہچانے جاتے ہیں۔اور پوچھا جائے تو بغیر کسی خوف یا لامۃ الائم اپنے احمدی ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔وہ نمازیں باجماعت اپنی قریبی مسجد میں جا کر ادا کرتے ہیں۔ان کے گھروں سے قرآن مجید باقاعدگی سے تلاوت کی آواز سنائی دیتی ہے۔ان کی زبان شریفانہ اور چال ڈھال مودبانہ ہوتی ہے۔لین دین میں قابل اعتماد ہوتے ہیں۔ان اوصاف کو اختیار کرنے اور رکھنے میں احمدیہ تربیت کے ساتھ احمدیہ نگرانی بھی کا بھی دخل ہے۔کوئی احمدی کسی جگہ کسی غیر احمدی کو بھی نقصان پہنچائے تو وہ جانتا ہے کہ جماعت سے چھٹی بھی ہوسکتی ہے اور احمدیہ جماعت کسی بے مہار افراد کے بے ہنگم گروہ کا نام نہیں۔مشکل صرف غیر از جماعت شرفاء کے لئے ہیں اور یہی بات ان کی شرافت کا ٹیسٹ بھی بن جاتی ہے۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ 1974 میں جماعت احمدیہ کو اس کے پچاسی سال قیام کے بعد بدکردار ملاؤں کی شدید مخالفت کے بعد بھٹو صاحب نے نوّے سالہ مسئلہ حل کر دیا جس پر اب سینتالیس سال گزر گئے ہیں۔گویا جماعت احمدیہ کی تاریخ کا تیسرا حصّہ اس مسئلہ کے حل ہونے کے بعد کا ہے۔پہلے دو تہائی اور اس ایک تہائی کے عرصہ میں آپ مسلمانوں کی اخلاقی گراوٹ کا موازنہ کریں تو جو کچھ دکھائی دیتا ہے اس سے احمدیوں اور دوسرے اسلام سے ہمدردی رکھنے والوں کے دل حزیں ہوجاتے ہیں۔اس میں رائی بھر مبالغہ نہیں کہ راقم نے بیالیس سال سے جرمنی میں رہتے ہوئے پاکستانی کی بھلائی کے خواب سوتے جاگتے آنکھوں میں رہتے ہیں اور معاندین کی لعنت ملامت سے وارث شاہ کی زمین کے وارث ہو کر اس زمین سے بے وفائی تو دور کی بات ہے ذرا سی لاغرضی بھی نہیں برت سکتا۔

قادیانیوں پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ اسلام اور پاکستان کے وفادار نہیں اور غدار ہیں اور اس الزام کا نشانہ احمدیہ مسلم جماعت ہی ہوتی ہے۔اس بلا ثبوت جھوٹے الزام کی جتنی تردید کی جائے معاندین جھوٹ میں اور اضافہ کر لیتے ہیں مثلاً۔

جب کرتار پور میں سکھوں کے لئے آسانی پیدا کی گئی تو اس پر نامور اور جیّد شمار کئے جانے والے پاکستان کے ایوان بالا یعنی سینٹ میں بیٹھے ڈفلی بجانا شروع ہو گئے کہ یہ ساری کاروائی تو قادیانیوں کو خوش کرنے کے لئے ہے۔جماعت احمدیہ کے نامور معاند جناب اوریا مقبول جان بھی عمرانی حکومت پر اس بیہودہ سراسر جھوٹے الزام پر جھلّا اُٹھے وہ اپنی مسلمیّت کو خاندانی تاریخ سے ثابت کرنے کے بعد اپنے طویل مضمون میں لکھتے کہ:۔

اب اس جھوٹ،افتراء اور بہتان (جس کے مولوی علی الاعلان مرتکب ہو رہے ہیں۔ناقل) کی بات کرتے ہیں کہ یہ سب قادیانیوں کو سہولت دینے کیلئے کیا جارہا ہے

اور اس اضافہ شدہ جھوٹ پر اوریا مقبول جان یہ لکھنے پر مجبور ہوجاتے ہیں:

۔" میرا دکھ یہ ہے کہ وہ سارے قادیانی جن کے خلاف میں پرچم اٹھا کر کھڑا ہوتا، وہ مجھے جب ایسے جھوٹ پر مبنی بیہودہ اور بے سروپا الزامات والی گفتگو بھیجتے ہیں تو میرا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔"

یہ خیال رہے کہ شرع اسلامیہ میں جھوٹا بہتان انسان کو کوڑوں کی سزا کا مستحق بنا دیتا ہے۔لیکن ان علماء کہلانے والوں کو کوئی اندیشہ نہیں ہوتا۔جناب

مرزا شہزاد اکبر صاحب نے نذیر چوہان کے خلاف پولیس میں رپورٹ درج کروائی ہے ۔اس ایف آئی آر میں اپنے اوپر لگائے گئے الزام کی سختی سے تردید کی ہے لیکن جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے کہ اصغر خاں اپنے منہ میں احراری نجاست ڈال کر بانئ جماعت احمدیہ پر لعنت کرنے کے باوجود اس کے عواقب سے جان نہ چھڑا سکے۔ یہ قاعدہ بن چکا ہے کہ گندہ دہنوں کی تشفی کے لئے کسی باضمیر اور شریف آدمی کا محض الزام کی تردید کر دینا ناکافی ہے۔اس صورت حال میں فیصلہ کرنا الزام علیہ پر منحصر ہے کہ وہ خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے راستہ پر چل کر جابر حکمران جو آجکل پاکستان کے جہلاء ہیں ان کے سامنے کلمۂ حق کہے کہ یہ گند کھا کر ضمیر کو گندہ نہیں کرے گا اور ڈٹ جائے گا یا خوف سے آگے بھاگنا شروع کر دے گا۔ پہلا طریقہ بے ضمیری اور بالآخر جن کو خوش کرنا مقصود ہے ان سے بھٹو صاحب کی طرح ذلالت اور خواری کو دعوت دینے پر ہی منتج ہوگا۔ جب کہ ڈٹ جانے سے اگر کوئی وقتی ضرر پہنچ بھی گیا تو ضمیر کے اطمینان کے مقابلے میں بے حقیقت ہوگا۔

جرمنی کی ایک پارٹی کے صدر Oskar Lafontaine تھے۔ بعد Die Linke میں شامل ہو گئے۔ ایک بار انہیں کسی ٹوہ میں لگے میڈیا درویش نے

پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے۔

والے بازار میں دیکھ کر ان کے پیچھے پڑ گئے۔ (پیچھے پڑنا صرف پاکستان کی سرزمین تک ہی محدود نہیں بلکہ باؤلا کہہ کر پیچھے پڑنے والے دنیا بھر میں پائے جاتے ہیں) اور اپنے زعم میں اس کو گندہ کرنے کے لئے مہم شروع کر دی کہ وہ اس جگہ گئے ہیں اور اس کے کردار پر سوال اٹھا دیا۔ Oskar Lafontaine نے اس میڈیا درویش کو ٹکا سا جواب دیا کہ" میں رکوئی راہب نہیں۔ ہوں اور اس کا میرے کام سے کوئی تعلق نہیں ۔'' اس کے ساتھ ہی بات دفن ہو گئی۔

(1) مرزا شہزاد اکبر کے نام سے پہلے مرزا ہونا بھی ان کے قادیانی ہونے کی علامت سمجھا جا سکتا ہے اور اگر بختاور کے ہونے والے خاوند کا تعلق ساہیوال کے احمدی خاندان سے جوڑا جا سکتا ہے تو شہزاد اکبر کی رشتہ داری بھی نکالی جا سکتی ہے۔



تازہ غزل

ساجد محمود رانا

ہجرت کی سمت رستہ بنایا نہ جا سکا
دیوار سے پرندہ اُڑایا نہ جا سکا
میں چاہتا تھا تیرہ شبی کا ہو خاتمہ
لیکن چراغ خوں سے جلایا نہ جا سکا
سب ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے
پتھر پڑا تھا رہ میں ، ہٹایا نہ جا سکا
ایسا گرا وہ شخص نظر سے کہ عمر بھر
کوشش کے باوجود اُٹھایا نہ جا سکا
ساجد بچھڑتے لمحے کی افسردگی بجا
ایسا بھی کیا کہ ہاتھ ملایا نہ جا سکا

❁❁❁❁

(2) شہزاد اکبر اپنے کام کی انجام دہی میں کسی کرپٹ سرکاری مسلمان کے خلاف، قانون پر عمل درآمد کرتے ہیں تو یہ انکے قادیانی ہونے کی بڑی دلیل ہے۔

(3) حضرت نبی کریم ﷺ کے پیشگوئی کے مطابق کہ اس دور کے علماء سوئر اور بندر ہونگے ۔ بانی سلسلہ احمدیہ کو اگر یہ احراری نجاست منہ میں ڈال کر لعنت نہیں کرتے اور شرافت کا دامن پکڑے رکھتے ہیں تو یہ پکے قادیانی شمار کیئے جانے کے لائق ہیں۔

خاکسار ایک احمدی مسلمان ہے اور ہمیشہ نئی محفل میں جاتے ہی اپنے احمدی مسلمان ہونے کا اظہار کر دیتا ہے تا کہ اگر کسی کے دل میں بغض ہے تو وہ آگاہ رہے اور غلط فہمی میں نہ مارا جائے۔

خاکسار کے اس تجزیّہ کے بعد جناب مرزا شہزاد اکبر صاحب کا شریفانہ اور دیانتدارانہ رویّہ ثابت کرتا ہے یہ پکے قادیانی ہیں۔ پاکستان کو ایسے قادیانیوں کی بہت ضرورت ہے ۔ ❁❁❁❁



نفسِ انسانی کی حرمت اور فتنہ وفساد کی ممانعت ۔اور ہمارا فرض

اقبال احمد نجم، مبلغ سلسلہ

قرآن وسنت میں انسانی جان کی جتنی تاکید کے ساتھ حرمت بیان کی گئی ہے، ہمارے زمانہ میں اس کی اتنی ہی بے حرمتی ہورہی ہے۔معمولی معمولی بات پر کسی کو قتل کردینا عام ہوگیا ہے۔اور افسوس یہ ہے کہ بعض اوقات محض عصبیت یا فرقہ وارانہ اختلاف کی بناء پر وہ لوگ بھی اس سنگین جرم میں ملوث ہوجاتے ہیں جو اپنی عام زندگی میں دین دار سمجھے جاتے ہیں۔اور بعض اوقات اس جرم کا ارتکاب دینی خدمت سمجھ کر کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بیان فرماتا ہے:-

من اجل ذالك كتبنا على بنى اسرائيل انه من قتل نفسا بغير نفس او فساد فى الارض فكانما قيل الناس جميعا و من احياها فكانما احياالناس جميعا ولقد جاتهم رسلنا بالبينات ثم ان كثيرا منهم بعد ذالك فى الارض لمسرفون ۔(المائدہ 33۔)

ترجمہ:-اسی بناء پر ہم نے بنی اسرائیل پر یہ فرض کردیا کہ جس نے بھی کسی ایسے نفس کو قتل کیا جس نے کسی دوسرے کی جان نہ لی ہو یا زمین میں فساد نہ پھیلایا ہو تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کردیا۔اور جس نے اسے زندہ رکھا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندہ کردیا اور یقیناً ان کے پاس ہمارے رسول کھلے کھلے نشانات لے کر آچکے ہیں پھر اس کے بعد بھی ان میں سے اکثر لوگ زمین میں حد سے تجاوز کرتے ہیں۔

حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے جو عظیم خطبہ ارشاد فرمایا تھا وہ امت کے لئے بلکہ دنیا کے سب انسانوں کے لئے ایک ابدی وصیت اور نصیحت تھی۔اس میں اس بات پر سب سے زیادہ زور دیا گیا تھا کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ بہائیں اور دنیا میں اس نصیحت کو پھیلا دیں بلکہ دنیا کے کناروں تک پہنچا دیں کہ اسلام دینِ محبت اور امن کا گہوارہ ہے۔ارشاد فرمایا:-

'فان دمائكم و اموالكم' قال محمد و أحسبه قال " أعراضكم حرام عليكم كحرمة يومكم هذا فى بلدكم هذا فى شهركم هذا و ستلقون ربكم فيسألكم عن اعمالكم فلا ترجعن بعدى كفار او ضلا لاً يضرب بعضكم رقاب بعض ألا ليبلغ الشاهد الغائب فلعل بعض من يبلغه يكون أوعى له من بعض من سمعه" ثم قال ألا هل بلغت"

(صحیح البخاری باب حج الوادع)

ترجمہ:- یعنی تمہارے خون تمہارے مال اور (محمد بن سیرین کی روایت کے مطابق) تمہاری آبروئیں ایک دوسرے کے لئے ایسی ہی حرمت رکھتی ہیں جیسے تمہارے اس مہینے میں اس شہر (مکہ) اور تمہارے اس دن کی حرمت ہے۔تم سب اپنے پروردگار رب سے جاکر ملو گے پھر وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا لہذا میرے بعد پلٹ کر ایسے کافر یا گمراہ نہ ہوجانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔خوب اچھی طرح سن لو کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ ان لوگوں تک یہ بات پہنچا دیں جو موجود نہیں۔وہ اصل سننے والوں سے زیادہ اسے محفوظ رکھیں گے۔پھر فرمایا کیا میں نے تم تک پیغام پہنچا دیا ہے؟

تشریح:-اس حدیث میں جو فرمایا گیا ہے کہ "میرے بعد پلٹ کر ایسے کافر یا گمراہ نہ ہوجانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو" اس کا ایک مطلب تو یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ یہ کافروں یا گمراہوں کا کام ہے کہ ایک دوسرے کو قتل کریں۔اور ایک مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کو کافر یا گمراہ کہہ کر قتل نہ کرنا۔(فتح الباری۔کتاب الدیات جلد 12 صفحہ 194)

اسی طرح حضرت عیاض انصاریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ان لا اله الا الله كلمة على الله كريمة على الله لها عند الله

مکان وھی کلمۃ من قالھا صادقاً أدخلہ اللّٰہ بھا الجنۃ ومن قالھا کاذباً حقنت دمہ وأحرزت مالہ ولقی اللّٰہ غداً فحاسبہ'' (مجع الزوائد کتاب الایمان باب فی ما یحرم دم المرء و مالہ، حدیث 55)

ترجمہ: یعنی ''لا الہ الا اللہ'' کا کلمہ اللہ تعالیٰ کو بہت عزیز ہے اور اس کا بڑا درجہ ہے اور یہ ایسا کلمہ ہے کہ اگر کوئی سچے دل سے کہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کلمے کی وجہ سے جنت میں داخل کردے گا۔ اور اگر جھوٹے دل سے کہے تو (دنیا میں) یہ کلمہ اس کے خون کو حرمت والا بنا دے گا۔ اور اس کے اعمال کو محفوظ کردے گا۔ پھر جب وہ اللہ تعالیٰ کے پاس جائے گا تو وہ خود اس سے اس کا حساب لے لے گا۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أول ما یقضی بین الناس بالدماء (صحیح البخاری کتاب الرقاق حدیث 6533)

ترجمہ: قیامت کے دن لوگوں کے درمیان جس بات کا فیصلہ سب سے پہلے ہوگا وہ خون ریزی کے معاملات ہیں۔ اسی طرح حجرت ابوبکر صدیقؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من صلی الصبح فھو فی ذمۃ اللّٰہ فلا تخفروا اللّٰہ فی عھدہ فمن قتلہ طلبہ اللّٰہ حتیٰ یکبہ فی النار علی وجھہ۔ (رواہ ابن ماجہ کتاب الفتن رواہ الطبرانی فی الکبیر بسند صحیح)

ترجمہ: جس شخص نے صبح کی نماز پڑھ لی وہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں آ گیا لہٰذا اللہ تعالیٰ کی اس ذمہ داری کی بے حرمتی مت کرو۔ چنانچہ جو کوئی اس کو قتل کرے گا اللہ اسے طلب کرے گا یہاں تک کہ اسے منہ کے بل آگ میں پھینک دے گا۔ قرآن کریم کی جس آیت کو شروع میں پیش کیا گیا ہے اس میں بنی اسرائیل کو دیئے جانے والے حکم کے حوالے سے ارشاد فرمایا ہے کہ انسانی خون کو ارزاں نہ بناؤ۔ ایک انسان کی زندگی کو ختم کر دینا پوری انسانیت کو ختم کر دینے کے مترادف ہے۔ حجۃ الوداع کے خطبہ میں بھی اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے انسان کی عزت، اموال اور جان و آبرو کا خیال رکھنے کا تاکیدی حکم ارشاد فرمایا تھا اور یہ حکم آگے پہنچاتے چلے جانے کی تاکید فرمائی تھی۔ یہاں تک کہ صرف لا الہ الا اللہ کہہ دینا چاہے سچے طور پر ہو یا جھوٹے طور پر انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں داخل کر دیتا ہے۔ اور اگر کوئی جھوٹے طور پر پڑھتا ہے تو اس کا حساب لینا انسانوں کا کام نہیں ہے۔ بلکہ قیامت کے روز خدا خود اس سے اس کا حساب لے گا۔ اور اگر کوئی صبح کی نماز پڑھ لیتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں آجاتا ہے اور جو کوئی ایسے شخص کو قتل کردے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی آگ میں اوندھے منہ پھینک دے گا۔ اب ان احکامات کی موجودگی میں کسی کلمہ گو کو یہ کہنا کہ وہ جھوٹے طور پر پڑھ رہا ہے، اور پھر اسے قتل کر دینے کا کہاں جواز ہے اور مساجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے والوں کو گولیوں کا نشانہ بنا دینا کتنا بڑا شیطانی فعل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے اسلام میں مستقبل میں ہونے والے فتنوں اور فسادوں کا بھی ذکر فرمایا تھا۔

دراصل اسلام کی بڑھتی ہوئی ترقی کو دیکھ کر حضرت عثمانؓ کی خلافت کے ساتویں سال میں یہ فتنے شروع ہوئے ان فتنوں کا سرغنہ ایک یہودی عبداللہ بن سبا تھا۔ جو یمن کا رہنے والا تھا شرارت کی طرف مائل ہو جانا اس کی جبلّت میں داخل تھا خفیہ منصوبہ بندی اس کی عادت تھی اور اپنے مطلب کے آدمی تاڑ لینے میں اس کو مہارت حاصل تھی اور نیکی کے پردے میں بدی کی تحریک کرنا اس کی عادت تھی۔ حکومت سے ناخوش اور سزا یافتہ لوگوں کو دوست بناتا اور سادہ لوح لوگوں کو اپنی چرب زبانی سے دام فریب میں پھنسا لیتا تھا۔ اس نے عالم اسلام کے مشہور مراکز میں جا کر سلطنت اسلامیہ کے خلاف فساد اور بغاوت اور اسلام سے بیگانگی کا بیج بویا جو بعد میں بڑھ کر ایک بہت بڑا درخت بن گیا۔ (ملخّص از طبری جلد 6 صفحہ 2922 مطبوعہ بیروت)

حق یہی ہے کہ یہ شورش ایک خفیہ منصوبہ کا نتیجہ تھی جس کے اصل بانی یہودی تھے جن کے ساتھ طمع دنیاوی میں مبتلاء بعض مسلمان جو دین سے نکل چکے تھے شامل ہو گئے تھے۔ (اسلام میں اختلافات کا آغاز از حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ صفحہ 282 مطبوعہ فضل عمر فاؤنڈیشن)

آج کے زمانہ میں بھی بہت سی نام نہاد اسلامی تنظیمیں مسلمانوں میں

بنائی گئی ہیں جن میں خام مسلمان نوجوانوں کو اور کم تربیت یافتہ لوگوں کو جو نام کے مسلمان ہیں استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے ابتدائے اسلام میں سبائی سازشی گروہ نے ناپختہ کار خام مسلمان نوجوانوں کو یا سزا یافتہ اور دنیا دار لوگوں کو اپنی بنائی ہوئی ایک جنت حمقاء کے دھوکے میں رکھ کر کام لیا جاتا تھی اور اسلامی ریاستوں کو کمزور کیا جاتا تھا اور اپنے مقاصد کو حاصل کیا جاتا تھا۔ اب بھی تو وہی کچھ ہو رہا ہے۔ صرف نام بدل دئے گئے ہیں۔ اور کاروائی سب قال اللہ وقال الرسول کی خلاف ورزی میں ہو رہی ہے۔ نقصان کس کا ہو رہا ہے؟ مسلم امّہ کا۔ اور کمزور کون ہو رہا ہے؟ مسلمان قوم اور مسلم ممالک اور نام نہاد اسلام کے نام پر بنائی جانے والی تنظیمیں ہی ہیں جن کو استعمال کیا جاتا ہے۔ کاش وہ نوجوانوں کو یہ بھی بتائیں کہ خودکشی اسلام میں حرام ہے۔ اور

اپنے جسم کے ساتھ بم باندھ کر اپنے چیتھڑے اڑا کر اور اس کے ساتھ سینکڑوں ہزاروں مسلمانوں کو ہلاک کرنا انسان کو ہرگز جنت میں نہیں لے جاتا بلکہ جہنم رسید کر دیتا ہے۔

مسلمان سیاستدانوں اور حکومتوں کے اہم افراد کا تو یہ حال ہو گیا ہے کہ عوام الناس کی بہبودی کے لئے بین الاقوامی اداروں سے بھاری رقوم قرض لی جاتی ہیں اور پھر انہیں اپنے ذاتی استعمال میں لایا جاتا ہے۔ یا اسے عالمی بنکوں میں سنبھال لیا جاتا ہے اور پھر وہی جنہوں نے یہ رقوم فراہم کی ہوتی ہیں یا ان کے سرغنے غریب اسلامی ممالک کے غریب عوام میں رقوم تقسیم کر کے انہیں اپنے ہی حکمرانوں کے خلاف احتجاج پر اکساتے ہیں۔ نتیجتاً حکمران صفحۂ ہستی سے مٹ جاتے ہیں گویا اس طرح سے جمہوریت کا ڈھنڈھورا پیٹا جاتا ہے اور ان حکمرانوں کی سنبھالی ہوئی رقوم پھر وہیں واپس چلی جاتی ہیں جہان سے وہ آئی تھیں۔ یہ چکر دیر سے چل رہا ہے کاش کہ مسلمانوں کو یہ معلوم ہو سکے کہ ان کے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ کیوں وہ ایک عذاب میں مبتلاء ہیں۔ یہ اس لئے ہو رہا ہے کہ انہوں نے خدا اور رسول ﷺ کے احکامات کو بھلا دیا ہے۔ اور وہ ایک عظیم الشان سچائی سے روگردانی کر رہے ہیں۔

آنحضور ﷺ نے فرمایا تھا من لم یعرف امام زمانه فقد مات میتة الجاهلیه (رواہ ابوداود الطیالسی فی مسنده و ابو نعیم فی حلیته عن ابن عمر)۔ (کنز العمال جلد 3 صفحہ 200) نوٹ: یہ حدیث اہل تشیع کے ہاں بھی مسلم ہے۔ (ملاحظہ ہو کلینی صفحہ 96)

یعنی جو شخص اپنے زمانہ کے امام کو شناخت نہ کرے وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

اسی طرح امام مہدی کے بارے میں ابو داود جلد 6 صفحہ 216 کتاب الملاحم مطبوعہ مطبع نولکشور کی حدیث میں ہے: اذا رائیتموه فاعرفوه۔ یعنی جب تم امام مہدی کا زمانہ پاؤ تو تمہیں چاہئے کہ اسے شناخت کرو اور ایک دوسری روایت میں ہے:

فاذا رائیتموه فبایعوه ولو حبواً علی الثلج فانه خلیفة اللّٰه المهدی۔ (ابن ماجہ کتاب الفتن جلد 2 باب خروج المہدی حدیث نمبر 4084.)

یعنی جب تم امام مہدی کا زمانہ پاؤ تو اس کی بیعت کرو خواہ تمہیں برف پر سے گھٹنوں کے بل ہی اس کے پاس جانا پڑے کیونکہ وہ خلیفۃ اللہ ہے۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام مہدی و مسیح موعود ہو کر آ چکے ہیں اور تمام دنیا میں حقیقی اسلام کی منادی ہو رہی ہے مگر بہتیرے نشانات دیکھنے کے باوجود بے حسی کا عالم ہے کہ لوگ کچھ سمجھتے ہی نہیں۔ اور جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ جب میرا مہدی ظاہر ہو تو اس کو میرا سلام پہنچانا۔ چنانچہ بہت سے اہل علم بزرگوں نے آپ کو مانا اور آنحضرت ﷺ کا سلام پہنچایا۔ حضرت رسول پاک ﷺ نے امام مہدی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بتائی تھی اور فرمایا تھا

ان لمهدینا آیاتین لم تکونا منذ خلق السمٰوٰت و الارض ینکسف القمر لاول لیلة من رمضان و تنکسف الشمس فی النصف منه ۔ (دارقطنی کتاب العیدین باب صفة الصلوة الخسوف)

ترجمہ: ہمارے مہدی کی صداقت کے دو نشان ہیں اور یہ دونوں نشان کبھی کسی کے لئے جب سے دنیا بنی ہے ظاہر نہیں ہوئے۔ رمضان میں چاند کو (چاند کی گرہن کی راتوں میں سے) پہلی رات کو اور (سورج گرہن کے

دنوں میں سے) درمیانے دن کوسورج کو گرہن لگے گا۔

یادرہے کہ حضرت اقدس مسیح موعود ومہدی معہود علیہ السلام کی تائید میں چانداورسورج گرہن کا یہ عظیم الشان نشان جوصرف خدائے قدیر کے اختیار میں تھا1894ء بمطابق 1311ھ کو بالترتیب 13 رمضان (21 مارچ) اور 28 رمضان (6اپریل) کو ظاہر ہوا۔پس اب مسلمانوں کو علماءسوء کے پیچھے ہرگزنہیں چلنا چاہئے اور ہرقسم کی آفات اورمصائب سے بچنے کے لئے صرف اورصرف امام وقت کا دامن پکڑنا چاہئے اور امام مہدی علیہ السلام کے خلیفہ جو اس وقت موجود ہیں ان کی بیعت کر کے جماعت احمدیہ میں داخل ہو جانا چاہئے۔جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ جماعت احمدیہ کی سچائی کو ماننے والے اب دنیاکے 202 ممالک میں موجود ہیں۔

یارو جومرد آنے کو تھا وہ تو آ چکا
یہ رازتم کوشمس وقمربھی بتا چکا۔

❁❁❁❁

یورپی پارلیمنٹ کا اظہار ناراضی، ہم پر کوئی اثر ہوگا؟

منورعلی شاہد

گزشتہ دنوں یورپین یونین پارلیمان نے ایک قرارداد منظور کی ہے اور پاکستان سے اپنے دیرینہ مطالبات کو نہ صرف دھرایا ہے بلکہ واضح طور پاکستان کی جی ایس پی پلس کی حیثیت پرنظرثانی کرنے کی وارننگ بھی دی ہے۔اس قرارداد کے مندرجات میں توہین مذہب سے متعلق قوانین کے غلط استعمال کو متعدد مثالوں اور اسباب و وجوہات کے ساتھ کھل کر بیان کیا گیا ہے، اور حکومت پاکستان سے فوری توجہ دینے کا مطالبہ کیا گیا ہے،قرارداد کے مطابق توہین مذہب کا قانون ذاتی جھگڑے نبٹانے کے لئے استعمال ہوتا ہے اور مسلسل ہورہا ہے۔

پارلیمنٹ کی قرارداد کے متن کو پڑھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں آئندہ کے لئے بھی لائحہ عمل اور ہدایات درج ہیں جن کو پارلیمنٹ کے سامنے لانے کا کہا گیا ہے۔گزشتہ چند ماہ سے پاکستان کے اندرونی حالات ایسی صورتحال کی نشاندہی کررہے تھے اور یورپین پارلیمان کی طرف سے بالآخر اس قدرشدیدنوعیت کا ردعمل سامنے آہی گیا ہے،قرارداد کی دوسری اہم بات ووٹنگ ہے جس سے پارلیمان کے موڈ اورممبران کی شدید ناراضگی کا اظہار ہوتا ہے۔

پاکستانی ذرائع ابلاغ کی رپورٹنگ کے مطابق اس قرارداد کو کل 681 ممبران کی حمایت حاصل رہی جبکہ مخالفت میں محض 6 ووٹ پڑے تھے۔اس سے محسوس ہوتا ہے کہ ان کے صبر کا پیمانہ اب لبریز ہونے لگا ہے، یہ امر قابل ذکر ہے کہ گرے لسٹ کے حوالے سے اگلے مہینوں میں اہم ترین اجلاس پیرس میں منعقد ہونے والا ہے،اب تک پاکستان بلیک لسٹ ہونے سے بال بال بچتا رہا ہے لیکن یہ قرارداد بجا طور پر خطرے کی گھنٹی ہے جس کو کانوں میں جمی میل نکال کر سننے کی ضرورت ہے۔

قرارداد میں فرانس کے ساتھ مکمل اظہار یکجہتی کر کے یورپین پارلیمان نے اپنا فیصلہ سنا دیا ہے اور اپنی رائے بھی دے دی ہے۔تاریخ ایک بار پھر یہ دہرا رہی ہے کہ ریاستوں کو ہتھیاروں سے تحفظ دینے کا دور اور وقت اب گزر چکا ہے بلکہ اب دور حاضر کے تقاضوں اور ضرورتوں کے تابع رہ کر ہی جینا ہوگا اور مذہب کو انسانی ذات تک محدود کرنا ہوگا۔

قرارداد کے مطالبات کا تعلق انتظامی، قانونی اور عدالتی معاملات سے ہے جن کو ریاست اور حکومت دونوں اگر چاہیں تو ٹھیک کر سکتے ہیں لیکن بدقسمتی سے مذہبی عناصر اور تنظیمیں اس قدر طاقتور ہو چکی ہیں کہ ریاستی ادارے ان کے آگے بے بس دکھائی دیتے ہیں،تمام قومی اداروں میں مذہبی رجحان رکھنے والوں کی بھرتی سے معاملات سدھرنے کی بجائے الٹا مزید خراب ہورہے ہیں، ریاست کی اس کمزوری کو عالمی طاقتیں اور ادارے سبھی جان چکے ہیں یہی وجہ ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں ممبران پارلیمان نے قرارداد کے حق میں ووٹ دیا ہے۔

ریاست،سیاست کے بعد حکومت بھی بالآخر اس مقام پر پہنچ گئی ہے جہاں تک پہنچنے کا سفر خود پاکستانی پارلیمان، سیاست نے شروع کیا تھا۔اب اگر اس قرارداد کو بھی ماضی کی طرح "ردی کی ٹوکری" کی نذر کیا گیا تو پھر یہ خودکشی کرنے

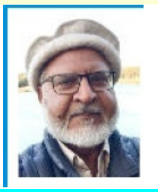
کے مترادف ہوگا۔ گزشتہ ماہ پاکستان کے آرمی چیف نے ایک فورم پر اس امر کا اظہار کیا تھا کہ ہمیں اپنے گھر کو ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے اور یہ حقیقت پر مبنی اور دانش مندانہ بیانیہ تھا اور اس پر جتنی جلدی عمل درآمد ممکن ہو، شروع کر دینا چاہیے۔

بیرونی مہذب اقوام نے پاکستانی اندرونی حالات کی سنگینی کو محسوس کر لیا ہے لیکن افسوس کہ ہم ابھی بھی اس سے انکاری ہیں اور الٹا ان کو لاعلمی کا طعنہ مار رہے ہیں، یا ہم دنیا کو بیوقوف سمجھنے اور بنانے کی پالیسی پر گامزن رہنا چاہتے ہیں؟ ماضی میں گومگو کی کیفیت میں کیے گئے کمزور ترین فیصلوں نے ریاست کے تصور کو انتہائی کمزور کر دیا ہے اور حالات گواہی دیتے اور تصدیق کرتے ہیں کہ اب خارجہ پالیسی کو مذہبی انتہا پسندوں کی مرضی کی بجائے ملک و قوم کی سلامتی اور بقاء کے تابع کرنا ہوگا۔

موجودہ حکومت سے کچھ ایسی سفارتی غلطیاں بھی ہوئیں جو نہیں ہونی چاہئیں تھیں۔ پہلی بار یہ دیکھنے کو ملا کہ ایک ریاست کے انتظامی سربراہ دوسرے ممالک کی قیادت کو براہ راست مخاطب ہوتے ہوئے تنقید کریں۔ فرانس کے صدر اور برطانیہ کے وزیراعظم کو براہ راست ہدف تنقید کا نشانہ بنانا سفارتی تقاضوں کے منافی تھا اور اس کا ردعمل بھی سب دیکھ چکے ہیں، یہ اندرونی سفارت کاری کا کام تھا کہ اپنا ردعمل دوسری حکومت تک پہنچایا جاتا لیکن نہ جانے کس زعم میں یہ سب کچھ کیا گیا تھا۔

ہماری کیا وقعت ہے، یہ جاننے کے لئے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں ہے، جنوبی ایشیا میں اپنے پڑوس ہی میں دیکھ لیں بنگلہ دیش نے اپنی آزادی کی گولڈن جوبلی کی تقریبات میں بھارتی وزیراعظم نریندر مودی کو عزت و احترام سے بلا لیا لیکن پاکستان کو نظرانداز کر دیا، جس کا وہ کبھی حصہ ہوا کرتا تھا۔ اس قرارداد نے پھر یاد دلایا ہے کہ پارلیمان کو علی محمد خان ایسی سوچ کے شکنجے سے آزاد کرانا ہوگا اور دونوں ایوانوں کو ایسے دانشور قسم کے سیاست دانوں کی ضرورت ہے جو جذبات کی بجائے زمین حقائق اور عالمی ضرورتوں کے تناظر میں منصوبہ بندی کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں۔

❁❁❁❁
❁❁❁

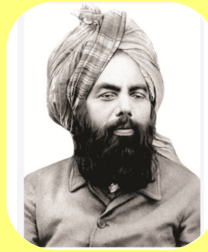


قدرتِ ثانیہ کا پانچواں مظہر

ڈاکٹر طارق انور باجوہ۔ لندن

(خلافت کے انیسویں سال کے آغاز پر)

لبوں پر اک تبسّم، اس کی باتوں میں تغزُّل ہے
فرشتوں جیسا چہرے پر سکوں، حسن و تجمُّل ہے
خدا کی دوسری قدرت کا مظہر پانچواں ہے وہ
اسی سے اب مسیحا کی خلافت کا تسلسُل ہے
وہ کلمہ ہے خدا کا اور خدا جو بات کہتا ہے
کبھی اس بات میں دیکھا نہیں ہوتا تبدُّل ہے
رہے جو اس کے صحبت میں، کرے وہ تزکیہ اُس کا
ملا اس کو عبادت میں خدا کا وہ تبتُّل ہے
سُبک رفتار ہے وہ تیز رکھتا ہے قدم اپنے
چلو گے ساتھ کیسے گر طبیعت میں تسہُّل ہے
خدا نے اِس جہاں میں کر دیا عالی مقام اس کا
پسند اس کو ہے جس میں انکساری ہے، تذلُّل ہے
ہے غیرت دیں کی، نصرت رعب کی، ربّ کی عطا اس کو
مزاج اس کا بہت دھیما، طبیعت میں تحمُّل ہے
جہاں بھر کو دیا توحید کا پیغام جُرأت سے
کہ ہر ایوان میں گونجے اذاں ، اس کا تخیُّل ہے
خطاب اس کا ہر اک جامع، دلائل سے مزیّن ہے
لگے خطبہ جمعہ، مہدی کی باتوں کا تمثُّل ہے
خدا نے اس کے ہاتھوں میں تھمائی ہے زمام اِس کی
بنایا رہنما، اس قافلے کا یہ تفضُّل ہے
خلافت جو ملی ہے مومنوں کو ایک نعمت ہے
یہ نعمت تب ملے، احکامِ دیں پر جب تعمُّل ہے
کیا ہے عہدِ بیعت جب، تو پھر اس کے اشارے پر
فدا ہونے میں کس کو اک ذرا سا بھی تامُّل ہے
فدا ہم ہو گئے طارق، جو دیکھا وہ رُخِ انور
دیا ہاتھوں میں ہاتھ اس کے، خدا پر اب توکُّل ہے



حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عظیم الشان فہم قرآن



(انجینئر محمود مجیب اصغر)

قرآن کتاب رحماں سکھائے راہ عرفاں

جو اس کے پڑھنے والے ان پر خدا کے فیضاں

فرمایا

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ تفہیم الٰہی میرے شامل حال ہے اور وہ عز اسمہ جس وقت چاہتا ہے بعض معارف قرآنی میرے پر کھولتا ہے اور اصل منشا بعض آیات کا مع ان کے ثبوت کے میرے پر ظاہر فرماتا ہے اور میخ آہنی کی طرح میرے دل کے اندر داخل کر دیتا ہے..."۔

(الحق بحث لدھیانہ روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 21)

آپ جن دنوں براہین احمدیہ تصنیف فرما رہے تھے آپ کو ماموریت کے الہام میں ہی بتایا گیا "الرحمن علم القران۔"

یعنی وہ خدا ہے جس نے تجھے قرآن سکھلایا یعنی اس کے حقیقی معنوں پر تجھے اطلاع دی

حاشیہ: قرآن شریف کے لئے تین تجلیات ہیں وہ سیدنا حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے نازل ہؤا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذریعہ سے اس نے زمین پر اشاعت پائی اور مسیح موعور کے ذریعہ سے بہت سے پوشیدہ اسرار اس کے کھلے...."

(براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 66)

فارسی الاصل مسیح موعود

سورۃ الجمعۃ آیت 4.... وآخرین منهم لما يلحقوبهم....

" آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر کے وقت سلمان فارسی کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا لو کان الایمان معلقا بالثریا لنالہ رجل من فارس یعنی اگر ایمان ثریا پر یعنی آسمان پر بھی اٹھ گیا ہوگا تب بھی ایک آدمی فارس الاصل پیدا ہوگا اس کو واپس لائے گا

یہ اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ ایک شخص آخری زمانہ میں فارسی الاصل پیدا ہوگا اس زمانے میں جس کی نسبت لکھا گیا ہے کہ قرآن آسمان پر اٹھایا جائے گا یہی وہ زمانہ ہے جو مسیح موعود کا زمانہ ہے اور یہ فارسی الاصل وہی ہے جس کا نام مسیح موعود ہے..(تفسیر مسیح موعود جلد 8 صفحہ 128)

شہادت الملہمین

ایک بزرگ مجذوب باخدا گلاب شاہ ضلع لدھیانہ پنجاب انڈیا کے ایک گاؤں جمال پور میں رہتے تھے

(As per Google
Jamalpur Leli is located in Ldhiana East Tehsil of Ludhiana district in Punjab India. It is situated 10 km away from sub district Head Quarter Ludhiana (East) and 10 km away from district Head Quarter Ludhiana)

ان کے شاگرد کریم بخش صاحب نے ان کی مندرجہ ذیل پیشگوئی حلفیہ قلمبند کروائی جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب نشان آسمانی (شہادت الملہمین) میں شامل فرمایا یہ کتاب جون 1892ء میں ریاض ہند امرتسر سے طبع ہو کر شائع ہوئی۔

"(میاں گلاب شاہ مجذوب کی پیشگوئی جیسا کہ میاں کریم بخش نے قسم کھا کر بیان کیا)...............

اس بزرگ درویش نے ایک دفعہ میرے پاس بیان کیا کہ عیسٰی جوان ہو گیا ہے اور لدھیانہ میں آوے گا اور قرآن کی غلطیاں نکالے گا اور فیصلہ قرآن پر کرے گا اور مولوی انکار کریں گے اور پھر فرمایا کہ مولوی لوگ سخت انکار کریں گے میں نے ان سے پوچھا کہ قرآن تو خدا تعالیٰ کا کلام ہے کیا اس میں غلطیاں ہیں؟

انہوں نے جواب دیا کہ تفسیروں پر تفسیریں بن گئیں اور شاعری زبان پھیل

گئی اس لئے غلطیاں پڑگئیں (یعنی مبالغہ پر مبالغہ کر کے حقیقتوں کو چھپایا گیا جیسے شاعر چھپاتے ہیں) عیسیٰ جب آئے گا تو ان سب غلطیوں کو نکالے گا اور فیصلہ قرآن سے کرے گا پھر کہا کہ فیصلہ قرآن پر کرے گا

اس پر میں نے کہا کہ مولوی قرآن کے وارث ہیں وہ کیوں انکار کریں گے تب انہوں نے جواب دیا کہ مولوی سخت انکار کریں گے پھر میں نے بات کو دوہرا کر کہا کہ مولوی کیوں انکار کریں گے وہ تو وارث قرآن ہیں اس پر وہ بہت طیش میں آ کر اور ناراض ہو کر بولے کہ تو دیکھے گا کہ اس وقت مولویوں کا کیا حال ہوگا وہ سخت انکار کریں گے پھر میں نے ان سے پوچھا کہ عیسیٰ جوان تو ہو گیا مگر وہ کہاں ہے انہوں نے کہا کہ بیچ قادیان کے (یعنی قادیان میں) تب میں نے کہا کہ قادیان تو لدھیانہ سے تین کوس کے فاصلے پر ہے اس جگہ عیسیٰ کہاں ہیں اس وقت انہوں نے اس کا کچھ جواب نہ دیا مگر دوسرے وقت میں انہوں نے اس بات کا جواب دیدیا جس کو بباعث امتداد مدت کے میں پہلے لکھ نہ سکا اب یاد آیا کہ آخر میں کئی دفعہ انہوں نے فرمایا کہ وہ قادیان بٹالہ کے پاس ہے اس جگہ عیسیٰ ہے اور جب انہوں نے یہ فرمایا تھا کہ عیسیٰ قادیان میں ہے اور اب جوان ہو گیا تو میں نے انکار کی راہ سے ان کو کہا کہ عیسیٰ مریم کا بیٹا تو آسمان پر زندہ موجود ہے اور خانہ کعبہ پر اترے گا یہ کون عیسیٰ ہے جو قادیان میں ہے اور جوان ہو گیا اس کے جواب میں وہ بڑی نرمی اور سلوک کے ساتھ بولے اور فرمایا کہ وہ عیسیٰ بیٹا مریم کا مر گیا ہے وہ پھر نہیں آئے گا اور میں نے اچھی طرح تحقیق کیا ہے کہ عیسیٰ بیٹا مریم کا مر گیا ہے وہ پھر نہیں آئے گا اللہ نے مجھے بادشاہ کہا ہے میں سچ کہتا ہوں جھوٹ نہیں کہتا پھر انہوں نے تین مرتبہ خود بخود کہا کہ وہ عیسیٰ جو آنے والا ہے اس کا نام غلام احمد ہے

اور میں نے اگرچہ بہت سی پیشگوئیاں گلاب شاہ کی. پوری ہوتی دیکھیں تھیں لیکن اس پیشگوئی کے باب میں میں کہ آنے والا عیسیٰ قادیان میں ہے اور اس کا نام غلام احمد ہے ہمیشہ گلاب شاہ کا مخالف ہی رہا جب تک کہ اس کو پورے ہوتے دیکھ لیا.." (نشان آسمانی روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 383 تا 385)

(باخدا، خداترس متقی) میاں کریم بخش صاحب کا تعارف

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے 313 صحابہ کی فہرست میں آپ کو شامل فرمایا ہے

''295 میاں کریم بخش صاحب مرحوم و مغفور جمال پور ضلع لدھیانہ''

(بحوالہ انجام آتھم صفحہ 328)

حضرت میاں کریم بخش رضی اللہ عنہ کا تعلق منصوراں ضلع لدھیانہ سے ہے آپ کے والد کا نام غلام رسول تھا اور جمال پور میں مدرس تھے... بیعت: لدھیانہ میں ہی میاں صاحب نے بیعت کی تھی رجسٹر بیعت میں 162 نمبر آپ کی بیعت 25 ستمبر 1891ء.......''

(بحوالہ تین سو تیرہ اصحاب صدق و صفا مؤلفین نصر اللہ خان ناصر عاصم جمالی صفحہ 312)

حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی نے تذکرۃ المھدی میں لکھا ہے کہ جب مسیح موعود علیہ السلام کے بارے میں فتوے شائع ہو رہے تھے اور ادھر سب وشتم ہو رہا تھا اور چاروں طرف اخباروں اور رسالوں میں مخالفت ہو رہی تھی خدا کی قدرت کے قربان کہ یہاں سلسلہ بیعت جاری ہو رہا ہے لوگ آتے ہیں اور بیعت کرتے ہیں انہی ایام شورش میں میاں کریم بخش صاحب مرحوم حضرت گلاب شاہ کی شہادت لے کر آ گئے مولوی محمد حسن متوفی رئیس لودھیانہ نے میاں کریم بخش کو بہت روکا اور سمجھایا کہ یہ شہادت گلاب شاہ کی نہ بیان کرے لیکن وہ باخدا اور خداترس متقی نہ رکا

(تذکرۃ المھدی از پیر سراج الحق نعمانی صفحہ 127 حاشیہ)

حضرت میاں کریم بخش صاحب روایت کرتے ہیں۔''...گلاب شاہ ایک مرد باخدا پاک مذہب موحد تھا اور مجذوب ہونے کی حالت میں توحید کا چشمہ ان کی زبان پر جاری تھا میں نے دین اسلام کی راہ اور توحید کا طریقہ انہیں سے سیکھا اور انہیں کی تعلیم کے موافق ذکر الٰہی کرتا رہا یہاں تک کہ تھوڑے دنوں میں میرا قلب جاری ہو گیا اور عبادت کی لذت آنے لگی اور ایسا ہو گیا کہ جیسا ایک مرا ہوا زندہ ہو جاتا ہے اور سچی خوابیں آنے لگیں جو خواب دیکھتا وہ پوری ہو جاتی اور الہامات صحیحہ مجھ کو ہونے لگے یہ سب کچھ ان کی توجہ کی برکت تھی وہ بارہا فرمایا کرتے تھے کہ ہر ایک برکت اللہ اور رسول کی پیروی میں ہے..''

(نشان آسمانی روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 386)

تفسیر مسیح موعود

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تصانیف اور تقاریر میں قرآن کریم کی

جن آیات کی تفسیر بیان فرمائی ہے اسے ترتیب وار آٹھ جلدوں میں یکجا کر دیا گیا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے اپنے دور خلافت میں آپ کی تفسیر کردہ آیات کو ترتیب وار اکٹھا کروانا شروع کیا گیا تھا یہ کام اگلی خلافت میں مکمل ہوا اور آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ

حضرت مولوی نورالدین صاحب بہت بڑے عاشق و مفسر قرآن تھے جس کا اعتراف غیروں نے بھی کیا

آپ فرماتے ہیں ’’صرف قرآن شریف سمجھنے کے لئے اللہ احد کی تڑپ مجھے یہاں لائی۔‘‘ (الفضل جلسہ سالانہ نمبر 1964ء)

آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں بھی اور اپنی چھ سالہ خلافت کے زمانہ میں قرآن کریم کا درس دیتے رہے اور ہر مشکل جگہ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے رہنمائی لے لیتے تھے۔

ایک مثال

...حضرت ملک غلام فرید صاحب..فرماتے ہیں" ایک دفعہ حضرت خلیفہ اول نے حضرت خلیفہ ثانی کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس بھیجا کہ حضور علیہ السلام سے اصحاب کہف کے متعلق جا کر پوچھیں

یہ غالباً 1906ء کی بات ہے حضرت صاحب اس وقت مضمون لکھ رہے تھے جب حضرت خلیفہ ثانی (اس وقت حضور کی عمر چھوٹی تھی) نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اصحاب کہف کے واقعہ کے متعلق سوال کیا اور ساتھ ہی حضرت خلیفہ اوّل کا خیال بھی مختصر طور پر بیان کیا (حاشیہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل اصحاب الکہف کو پیشگوئی کے رنگ میں انگریزوں پر چسپاں فرمایا کرتے تھے....) تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سن کر فرمانے لگے جاؤ غلط ہے اصحاب الکہف والرقیم میری جماعت ہے یہ میرا الہام ہے۔‘‘

(ریویو آف ریلیجنز اردو جب 1921ء صفحہ 211 بحوالہ تفسیر سورۃ کہف مصنفہ مولوی عبداللطیف بہاولپوری فاضل دیوبند صفحہ 3)

❁❁❁❁

❁❁❁



غزل

منیر احمد باجوہ

خوب سے بھی خوب تر کی جستجو باقی رہے
منزلوں پر منزلیں پانے کی دل میں آرزو باقی رہے
یرے در پر میرے اشکوں کی لگے ایسی جھڑی
ترے نینوں سے میرے دل کا وضو باقی رہے
جس طرح ہو تیری منشا مَیں گزاروں زندگی
عشق تیرے کی حلاوت ہُو بہُو باقی رہے
تیری آنکھوں کی شرابوں سے بھروں اپنا مَیں جام
خیر ہو ساقی تیری جام و سبُو باقی رہے
باغباں تیرے گلستاں میں سدا ٹھہرے بہار
بلبلیں گائیں چمن کا رنگ و بُو باقی رہے
رکھ محبت ہر کسی سے دل دُکھانا بھول جا
نہ ہی دل میں ہو کدورت نہ عدُو باقی رہے
اپنے عملوں پر پڑے جب نظر ڈرتا ہے منیر
التجا ہے دل سے مولا آبرو باقی رہے

❁❁❁❁

تحریک جدید (م۔م۔محمود)

محسن و منان کا احسان تحریک جدید
ہے خلافت کا حسین فیضان تحریک جدید
مبدء و بنیاد جس کی ہے الٰہی امر سے
مصلح موعود کا فرمان تحریک جدید
مرضی و منشاء حق کی واعظ و مناد یہ
فتح و نصرت کی قوی برہان تحریک جدید

❁❁❁❁



بیت الاول۔لاطینی امریکہ کی پہلی مسجد احمدیہ

(اقبال احمد نجم، ایم اے شاہد مبلغ سلسلہ)

میکسیکو کی طرف سے ایک سپینش مسٹر ہرنانڈیز Mr Harnandez 1519 میں فوجی ازٹک Aztec جنگجوؤں کو ساتھ لیکر آئے اور ہندورا اور گوائٹے مالا کے علاقہ پر قبضہ کرلیا۔ پھر سپین سے یہاں 300 سال تک حکومت کی۔ 1823 میں گوائٹے مالا نے اپنی خودمختاری کا اعلان کیا۔ اسکی آبادی ڈیڑھ کروڑ کے قریب ہے۔ 35 فیصدی لوگ ابھی تک مایا زبان بولتے ہیں جو یہاں کی پرانی تہذیب تھی اور ہڑپہ وموہنجوڈارو کی ہمعصر تھی۔ یہاں اک قوم کے آثار قدیمہ پائے جاتے ہیں جنکو محفوظ رکھا گیا ہے اور سیاح بکثرت اِنہیں دیکھنے آتے ہیں۔ انتی گوا اس ملک کا پرانا دارالخلافہ ہے جو 1773 میں ایک زلزلے کی وجہ سے تباہ ہوگیا تھا۔ اس ملک میں جو ایک سطح مرتفع ملک ہے۔ بلقانی پٹی میں ہونے کی وجہ سے اِسکے پہاڑوں کی چوٹیاں دھواں نکالتی رہتی ہیں اور دھانے اکثر کھلے ہیں۔ یہاں زمین گاہے بگاہے کانپتی رہتی ہے۔ اِس لئے عمارتیں مضبوط بنائی جاتی ہیں۔ گذشتہ 200 سال میں؟ بڑے بڑے شہر تباہ ہوچکے ہیں۔ یہاں ایک لمبی دم والی خوبصورت چڑیا ہے جو مایا قوم کے علاقہ کے جنگلوں میں پائی جاتی ہے۔ ایک تو یہ چڑیا نایاب ہے دوسرے اسکی خصوصیت یہ ہے کوئی اسے پکڑے تو یہ مرجاتی ہے گویا یہ ایک آزادی پسند پرندہ ہے۔ اِسی وجہ سے اس قوم نے اس چڑیا کو بطور نشان کے اپنایا ہے۔ اِن کے قومی پرچم پر بھی یہ چڑیا بنی ہوئی ہے اور اِسی کے نام سے انکی کرنسی بھی ہے۔ وسطی امریکہ، میکسیکو کا 1/4 رقبہ کے لحاظ سے ہے۔ یہاں 5 ملک ہیں جسمیں سے گوائٹے مالا سب سے بڑا اور مضبوط ملک ہے۔ یہاں پر 5 یونیورسٹیاں ہیں۔ 14 سال تک تعلیم مفت ہے۔ 65 فیصد آبادی پڑھی لکھی ہے۔ سرکاری زبان تو امریکن سپینش ہے۔ 21 مختلف انڈین زبانیں بھی بولی جاتی ہیں۔ معیشت کا انحصار زراعت پر ہے۔ یہاں کی ڈھلانوں پر کافی، مکئی، پھل، گنّا بہت ہوتا ہے نیز روئی، ناریل، لوبیا، کیلا، گوشت، سبزیاں اور پھل برآمد کئے جاتے ہیں۔ یہاں پر کانیں بھی ہیں۔ پہاڑی ڈھلانوں پر ڈیری فارمز بھی ہیں۔ لکڑی کا کاروبار بھی بہت منافع بخش ہے۔ الائچی کی فصل بھی بہت ہوتی ہے۔ افزائش حیوانات کی وجہ سے کافی ترقی ہوئی۔ گوشت بھی برآمد کیا جاتا ہے۔ حکومت یہاں کی رپبلیکن ہے۔ انکا صدر جو ہے، وہ چار سال کیلئے منتخب ہوتا ہے۔ قومی کانگریس 80 افراد کی ہے۔ 64 علاقائی نمائندے اور 16 قومی نشتیں ہوتی ہیں۔ سپریم کورٹ اور ماتحت عدالتیں ہیں۔

خاکسار نومبر 1988 میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق لاطینی امریکہ کے ایک ملک گوئٹے مالا پہنچا۔ یہ سنٹرل امریکہ میں واقع ہے اور یہاں ہمیشہ بہار کا موسم رہتا ہے اور بارشیں بہت ہوتی ہیں۔ یہاں پر شہر گوائٹے مالا اور شہر انتی گوا جو ایک دوسرے سے چالیس میل پر واقع ہیں کے درمیان میں میونسپلٹی مِکسکو کے علاقہ میں مسجد بیت الاوّل کی تعمیر کی نگرانی کرنی مقصود تھی۔ یہاں پر میری آمد سے ہی مشن احمدیہ کا آغاز بھی ہوا۔ یہاں پر پہلے کوئی احمدی موجود نہیں تھا۔ یہاں پر کچھ عرب بھی رہتے تھے جنکو تقریباً دس سال سے مسجد بنانے کی اجازت نہیں مل رہی تھی۔ یہاں کے آئین کی رو سے مذہبی آزادی تھی اس لئے ہمیں یہ مشورہ دیا گیا کہ چُپ کر کے خاموشی سے مسجد کی تعمیر کرائی جائے اور پھر بعد میں اعلان کردیا جائے۔ بوجہ مذہبی آزادی کے پہلے سے تعمیر شدہ مسجد کو از روئے قانون کوئی نہیں گرا سکتا، چلو یہ مسئلہ تو حل ہوا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِس خواہش کا اظہار کیا گیا کہ انہوں نے جولائی کے پہلے ہفتہ میں امریکہ میں ایک مسجد کے افتتاح کے لئے جانا تھا اگر یہ مسجد بھی 80 یا 90 فیصدی تیار ہوگئی تو حضور خود بنفس نفیس آکر اس کا افتتاح کردیں گے۔ انجنیئر صاحب سے پوچھا گیا کہ ان کا کیا پروگرام ہے تو فرمانے لگے کہ وہ اس مسجد کی تعمیر کا کام 10 ماہ میں مکمل کرسکیں گے۔ کہنے لگے کہ ابھی تین، چار ماہ تو سخت بارشوں کے آنے والے ہیں جن میں کسی قسم کی کوئی تعمیر نہیں ہوسکتی۔ خاکسار نے انہیں بتایا کہ ہمارے خلیفہ (حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ) جولائی کے پہلے ہفتہ میں اسکا افتتاح فرمانا چاہتے

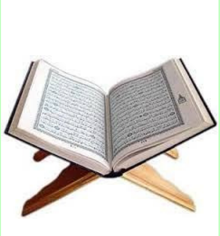
ہیں۔وہ پریشان سے ہو کر کہنے لگے بظاہر تو ناممکن سا نظر آتا ہے۔میں نے انہیں بتایا کہ حضور زمین پر اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں اور بارش بھی اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔وہ عزم کریں اور تازہ دم مزدور دن کو اور رات کو اسکے لئے تیار کریں اور دن رات کام شروع کریں۔

حضور کی خدمت میں سنگ بنیاد رکھنے کے لئے قادیان کی مسجد مبارک کی اینٹ بھجوانے کے لئے عرض کیا گیا۔تو ارشاد فرمایا کہ ''خود ہی ایک اینٹ پر دعا کر کے سنگ بنیاد رکھ دو''۔چنانچہ ارشادِ گرامی کی تعمیل میں جگہ تیار کی گئی آرکیٹکٹ صاحب کے نقشہ کے مطابق اور سامنے کے درخت رہنے دیئے گئے اور ان کے عقب میں محراب والی جگہ پر عاجز نے دعاء ابراہیمی کے ساتھ مسجد کا سنگ بنیاد رکھ دیا۔یہ 20 فروری کا دن تھا اور ہمارے پاس اس مسجد کی تعمیر کے لئے چار ماہ کا وقت تھا۔رات دن کام شروع کر دیا گیا۔ساتھ کے ساتھ رپورٹ حضرت صاحب کی خدمت میں بھجوائی جاتی رہی اور دعا کے لئے درخواست کی جاتی رہی۔اللہ تعالیٰ نے حضور پُر نور کی دعا سے معجزہ وہاں پر دکھایا کہ بارشیں تین ماہ کیلئے مؤخر ہوگئیں۔یہاں تک کہ اخباروں میں یہ بات آنے لگی کہ نامعلوم کیوں اِس سال بارشیں نہیں ہو رہیں۔مکئی کی فصل نہیں ہوگی اور ملک میں قحط پڑنے کا امکان پیدا ہو رہا ہے۔کیونکہ اِس ملک میں مکئی ہی پیدا ہوتی اور کھائی جاتی ہے۔اس بات کی اطلاع بھی حضرت صاحب کو بھجوائی گئی تو پھر ہم نے دیکھا کہ تمام ملک میں بارشیں شروع ہوگئیں اور ہماری مسجد پر بادل تو تھے مگر بارش نہیں تھی۔یہ ایک بہت بڑا معجزہ دعاؤں کا دنیا نے اور اہلِ گوائٹے مالا نے دیکھا۔

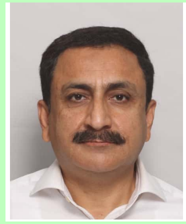
حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک رویاء جنوبی امریکہ کے متعلق ہے جو 11 مئی 1944 کے روزنامہ الفضل قادیان میں اور المبشرات صفحہ 208 پر نمبر 293 پر شائع شدہ موجود ہے۔یہ میں نے حضور پرنور رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں بغرضِ دعا بھجوائی اور عرض کیا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ اِس رویاء کے پورا کرنے کیلئے بنیادی اینٹ بنا دے اور اللہ تعالیٰ دنیا کے اِن کناروں تک بھی حضرت مسیح موعودؑ کی تبلیغ کو پھیلا دے تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا۔بتاریخ 1991.02.21 کو۔یہ تو بڑی اہم رویا ہے۔جنوبی امریکہ کے علاقوں میں احمدیت کے نفوذ کی بشارت اِسمیں عطا کی گئی ہے۔اللہ کرے ہماری زندگیوں میں ہی ہماری توقعات سے بڑھ کر شان کے ساتھ ان علاقوں میں اور ساری دنیا میں احمدیت پھیلے اور خوب خوب ترقی کرے۔آپ کی نیک خواہشات بھی پوری فرمائے اور غیر معمولی مقبول خدمت کی توفیق عطا فرمائے اور دین و دنیا کی حسنات سے نوازے،کان اللہ معکم۔دستخط حضور۔

بیت الاوّل ''مسجد'' تقریباً مکمل ہو چکی تھی۔سب سے پہلے اخبار PrensaLibre نے 2 مئی 1989 کی اشاعت میں حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کی فوٹو کے ساتھ مسجد کی تکمیل کی خبر حضور پُرنور کی آمد اور افتتاح فرمائے جانے کی اطلاع دی۔پھر تو یہ سلسلہ دیگر تمام اخبارات میں بھی چل نکلا۔3 جولائی 1989 کو افتتاح کا پروگرام تھا۔اور اس علاقہ اور ملک کے تمام طبقات کے لوگوں کی شمولیت ہو،اِس کے لئے کوئی تیاری ہماری طرف سے نہیں تھی۔اِسکی ایک وجہ تو مسجد کی تکمیل خاموشی سے کرنے کی تھی۔اور دوسرے مسجد ایک مضافاتی علاقہ میں بڑے شہروں سے دور نکل کر باہر کوتھی اور دن بھی وہ تھا،جو کام کا دن تھا۔خاکسار نے صدرِ مملکت کو آنے کی دعوت دی،جو قبول کی گئی۔پھر ملکی TV پر جا کر ڈائریکٹر صاحب سے حضور انور کے انٹرویو کی درخواست کی،جسکی پذیرائی نہیں ہوئی۔عین ایک دن قبل،صدرِ مملکت نے آنے سے معذرت کر دی۔کیونکہ وہاں پر مزدوروں کی ہڑتال شروع ہوگئی تھی جسکی وجہ سے انکا اپنے صدارتی محل میں ٹھیرنا ضروری تھا۔پھر میں نے درخواست کی کہ اپنا متبادل عطا فرما دیں چنانچہ اُنہوں نے نائب صدرِ مملکت،5 وزراء،تینوں افواج کے ہیڈز اور چیف جسٹس صاحب کو بھجوا دیا۔ہم نے 500 کرسیوں کا انتظام کیا ہوا تھا۔ایک ہزار افراد اُن سب کے عملہ کے اور مضافاتی علاقوں کے لوگ نیز تمام اخبارات اور TV غرضیکہ سب کا سب میڈیا خود بخود ہی آ گیا اور وہی ڈائریکٹر صاحب مجھ سے خود حضور کے انٹرویو کے لئے درخواست کر رہے تھے،جو پہلے مانتے نہ تھے۔بعد میں ڈیڑھ گھنٹے کا حضور رحمہااللہ تعالی کا انٹرویو ہوا جو سب ہمسایہ ممالک میں دیکھا اور سُنا گیا۔ہمسایہ ممالک کے اخباری نمائندے بھی آ گئے جنہوں نے حضور کے متعدد انٹرویوز لئے،سبحان اللہ۔خدا تعالیٰ کے فرشتے اتر کر دلوں کی سرزمین تیار کر رہے تھے اور ہر طرف اِسلام احمدیت کا بول بالا ہو رہا تھا۔

یہ تھی لاطینی امریکہ کی پہلی مسجد بیت الاوّل کے افتتاح کی مختصر داستان اور اِسلام احمدیت کی سچائی کا جیتا جاگتا ثبوت اور ہستی باری تعالیٰ کی ایک زندہ دلیل۔۔وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العٰلمین۔



تعارف۔عاشق قرآن حضرت مسیح موعودؑ کے ایک صحابی کا تحریر کردہ قرآن کریم کا ایک نادر قلمی نسخہ قرآن کریم کا یہ قلمی نسخہ



آصف احمد ظفر بلوچ، برطانیہ

خاکسار کے پڑدادا حضرت حافظ فتح محمد خان صاحب مندرانی صحابی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام جو کہ حافظ قرآن تھے ان کا تحریر کردہ ہے غالبا آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے واحد صحابی ہیں جن کا قرآن کریم کا اپنا لکھا ہوا قلمی نسخہ آج تک محفوظ ہے۔اس کے کل صفحات 938 ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب پریس اور چھاپہ خانہ اتنا عام نہیں ہوا تھا اور قلمی نسخوں کا رواج تھا ۔قرآن کریم کے اس نسخے میں کالے اور سرخ رنگ کا استعمال کیا گیا ہے۔جبکہ آیات کی تحریر کالی روشنائی اور حاشیہ سرخ اور کالے رنگ سے لگایا گیا ہے۔سورتوں کے آغاز میں 4 حروف لکھے ہیں۔حروفھا، کلماتھا، رکوعھا اور آیاتھا اوران کے نیچے تعداد بھی لکھی ہے۔نیز ہر اگلے صفحہ کا پہلا لفظ پچھلے صفحہ کے اختتام پر لکھا ہے تا کہ قاری کو پڑھنے میں آسانی ہو مثال کے طور پر صفحہ 11 کے اختتام پر" الفرقان" لکھا ہے اور اسی لفظ سے صفحہ 12 کی آیت کا آغاز ہوتا ہے۔اس سے حضرت حافظ صاحب کی قرآن پاک سے محبت اور عشق کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔قاری کی سہولت کے لئے خاکسار نے قرآن پاک کے اس قلمی نسخہ کا انڈیکس بھی تیار کیا ہے ۔قرآن پاک کے اختتام پر ایک فارسی تحریر بھی ہے (جس میں ایک بچے کی ولادت اور حضرت حافظ صاحب کے استاد حضرت میاں رانجھا صاحب جو کہ ولی اللہ تھے کی تاریخ وفات درج ہے۔جن کے حالات حضرت حافظ صاحب کے سوانح میں بھی ملتے ہیں خاکسار کو منگروٹھہ غربی نزد تونسہ شریف حضرت میاں رانجھا صاحب کے مزار پر دعا کرنے کا موقع ملا ان کے لوح مزار پر بھی یہی تاریخ وفات درج ہے۔ضمنا" یہاں یہ بھی ذکر کردوں کہ حضرت میاں رانجھا صاحب نے ہی ایک دفعہ حضرت حافظ صاحب سے کہا تھا کہ حافظ صاحب میں اس دنیا سے گزر جاوں گا اور آپ زندہ ہوں گے امام مہدی کے ظہور کا زمانہ قریب ہے ان کا انکار نہ کرنا)۔ مذکورہ فارسی تحریر کا اردو ترجمہ کچھ یوں ہے" پیدائش محمد بخش اسکی عمر لمبی ہو بتاریخ 29 ماہ جمادی الاول سن 1305 بروز اتوار بوقت دوپہر ہوئی۔تاریخ وصال مولینا میرے استاد حضرت میاں رانجھا صاحب عفی عنہ 5 ماہ ربیع الاول 1297 " بچے کی ولادت 1305 ہجری میں ہوئی جس کا عیسوی سن 1887 ہے جبکہ حضرت میاں رانجھا صاحب کی وفات کا عیسوی سن 1880 بنتا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کا یہ قلمی نسخہ 1887 ء کے لگ بھگ کسی عرصہ میں لکھا گیا۔واللہ اعلم بالصواب۔قرآن کریم کے اس قلمی نسخہ کے بارے میں میرے چچا اور حضرت حافظ صاحب کے پوتے مکرم منیر احمد صاحب ظہور مندرانی ریٹائرڈ پوسٹ ماسٹر ابن مکرم علی محمد خان صاحب مندرانی مرحوم حال مقیم محلہ دارالنصرت ربوہ نے خاکسار کے نام اپنے ایک خط میں اپنی ایک روایت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے ۔" قرآن پاک کا یہ قلمی نسخہ حضرت حافظ فتح محمد خان صاحب مندرانی صحابی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے ہاتھ کا تحریر شدہ ہے اس کا علم خاکسار کو اپنے والد محترم علی محمد خان صاحب مندرانی ابن حضرت حافظ فتح محمد خان صاحب مندرانی سے ہوا تھا حضرت حافظ صاحب کی وفات کے بعد یہ قرآن پاک حضرت حافظ صاحب کے سب سے بڑے بیٹے محترم جناب قادر بخش خان صاحب مندرانی کے پاس آیا۔قادر بخش صاحب کی وفات کے بعد یہ قرآن پاک تایا قادر بخش صاحب کی بڑی بیٹی امیراں بی بی صاحبہ مرحومہ زوجہ سردار خان صاحب مندرانی مرحوم کے پاس رہا بعد ازاں ایک دفعہ میرے چچا زاد بھائی اور حضرت حافظ صاحب کے پوتے مکرم مبارک احمد ظفر صاحب مرحوم ابن حضرت مولانا ظفر محمد ظفر صاحب ربوہ سے بستی مندرانی تشریف لائے تو ان کو معلوم ہوا کہ حافظ صاحب کا قرآن پاک محترمہ امیراں بی بی صاحبہ کے پاس ہے تو انہوں نے یہ قرآن پاک خاکسار کی موجودگی میں محفوظ کرنے کی غرض سے لے لیا اور اسے اپنے ساتھ ربوہ لے گئے ۔بعد ازاں مکرم مبارک احمد ظفر صاحب ستمبر 2011 میں جب اپنے بیٹوں کے پاس ربوہ سے کینیڈا تشریف لے

گئے تو وہ یہ قرآن پاک میرے بھتیجے عزیزم آصف احمد ظفر صاحب ابن مکرم ناصر احمد ظفر صاحب مرحوم حال مقیم لندن کے حوالے کر گئے لہذا اب یہ قرآن پاک میرے بھتیجے عزیزم آصف کے پاس ہے جن کی کاوشوں سے یہ اب ہم سب تک پہنچ رہا ہے۔ جزاک اللہ خیرا والسلام۔ منیر احمد ظہور" حضرت حافظ صاحب کا اعلان بیعت الحکم 24 ستمبر 1901 کے شمارہ میں شائع ہوا۔ اور آپ کی وفات حضرت محمد مسعود خان صاحب مندرانی صحابی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی تحریری روایت کے مطابق 5 دسمبر 1923 بروز بدھ ہے (علی الرغم سابقہ روایت تاریخ وفات دسمبر 1925 کی بجائے یہی معتبر روایت ہے۔ اس تصحیح کے لئے خاکسار حضرت محمد مسعود خان صاحب مندرانی کے پوتے مکرم عبدالباسط مندرانی صاحب کا شکر گزار ہے)۔

اور یہ بھی ایک عجیب الٰہی تصرف ہے کہ آپکی تدفین جس قبرستان میں ہوئی وہ علاقے میں مدت دراز سے لال اصحاب کے نام سے موسوم اور معروف ہے اور مقامی روایتوں کے مطابق یہاں آنحضور ﷺ کے دو اصحاب مدفون ہیں ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔ اور یہ قبرستان کوہ سلیمان کے دامن میں واقع ہے اور اس قبرستان میں حضرت حافظ صاحب سمیت حضرت مسیح موعود کے چھ صحابہ بھی مدفون ہیں۔ صحابہ کے اسماء درج ذیل ہیں 1۔ حضرت حافظ فتح محمد خان صاحب مندرانی 2۔ حضرت حافظ محمد خان صاحب مندرانی 3۔ حضرت نور محمد خان صاحب مندرانی (برادر کلاں حافظ فتح محمد خان صاحب مندرانی) 4۔ حضرت محمد مسعود خان صاحب مندرانی 5۔ حضرت محمد عثمان خان صاحب مندرانی 6۔ حضرت میاں محمد صاحب

خاکسار کو متعدد بار اس قبرستان میں سب صحابہ کی قبروں کی زیارت اور دعا کرنے کا موقع ملا۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک سے عشق و محبت کے اس بابرکت سلسلہ کو نہ صرف حضرت حافظ صاحب بلکہ انکے سبھی ہم عصر، بے نفس اور نیک نام بزرگوں کے خاندانوں اور نسلوں میں بھی ہمیشہ قائم و دائم رکھے کہ ہم تک پہنچنے والا احمدیت کا یہ ثمر بلا شبہ ان سب کی اجتماعی کوششوں ہی کا نتیجہ ہے۔ بنا کر دند خوش رسمے بخون وخاک غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی نیکیوں کو زندہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ دعا ہے کہ خاکسار کی یہ حقیر سی کاوش عنداللہ مقبول ہو آمین۔



قدرتِ ثانیہ۔ نظامِ خلافت (منیر باجوہ)

لے کے آتا جو بھی ہے　　پیغام اُس جبار کا
وہ پیمبر ہے　　جہاں میں واحد وقہار کا
تُو بناتا ہے پیمبر جس کو مخلوقات کا
بھیج کر نگران ہوتا ہے تُو اُس دلدار کا
ساتھ اُس کے چلتی ھے تائید و نصرت کی ہوا
وہ پتا دیتی ھے باہم اُس سے تیرے پیار کا
اُس کے ہاتھوں سے کراتا ھے تخم ریزی تُو خود
اُس کی جانب پھیرتا ھے رُخ سبھی سنسار کا
قدرتِ ثانی ھے آتی تیرے فرماں کے طفیل
کیا پیارا باغباں ھے آج اس گلزار کا
قدرتِ اُولیٰ ہو یا ہو قدرتِ ثانی تیری
تُو ہی حافظ　　تُو ہی ناصر خود سپہ سالار کا
آسمانی ھے نظامِ قدرتِ ثانی تیرا
ھے یہی رستہ میرے　　پیارے تیرے دیدار کا
ھے یہ بحرِ علم وعرفاں باعثِ برکت نظام
ھے یہ مظہر اس جہاں میں آج تیرے پیار کا
لیکے چلتا ھے یہ پرچم خالصِ توحید کا
دُور کر دیتا ھے یہ ھر　　یک غمِ اغیار کا
سارے جھنڈوں سیبلند اُڑتا　　علَم توحید کا
جس سمت رُخ پھیرتا ہے تُو علمبردار کا
بادشاہوں کے نہیں بس میں کریں قائم اسے
سلسلہ ہے آسمانی　　نہ کہ دنیا دار کا
سب نظاموں سے ہے افضل آج کائنات میں
حکم دنیا تک پہنچاتا ہے تیرے دربار کا
اس کا نگراں ہر قدم　　اوّل بھی تُو آخر بھی تُو
کچھ نہیں ہے دخل اس میں عالِم و دیندار کا
ہے یہی انمول جگ میں　　نعمتِ عظمیٰ منیرؔ
عقل سے بالا ہے سارا دفتر ان اسرار کا

دوغزلہ

صاحبزادی امۃ القدوس صاحبہ

ایسے ایسے بھی ہیں مہرباں شہر میں
لیتے رہتے ہیں جو امتحاں شہر میں

چاک جیب و گریباں ہوتے رہے
اور بکھرتی گئیں دھجیاں شہر میں

ہر کہی ان کہی کے فسانے بنے
ہر زبان پہ اک داستاں شہر میں

تیرے جرموں کی فہرست بننے لگی
ہو رہی ہیں یہ سر گوشیاں شہر میں

دل جلے کیا بہت آنچ دینے لگے
پھیلتا جا رہا ہے دھواں شہر میں

گھر کے گوشے میں چپکے سے بیٹھے رہو
گھومتے پھر رہے ہو کہاں شہر میں

خیر ہو میرے گھر کی مجھے اس سے کیا
بن گئے کس کے کتنے مکاں شہر میں

شک کی فصلیں ہیں پروان چڑھنے لگیں
بیج وہ بو گئے بد گماں شہر میں

اپنے رازوں کا بھی راز ان سے ملا
اپنے پائے گئے رازداں شہر میں

اس کے عیبوں کی تشہیر ہونے لگی
جس کی مشہور تھیں خوبیاں شہر میں

جانے کیسے کہاں سے یہ کون آگئے
میرے اور آپ کے درمیاں شہر میں

کوئی مفہوم بھی اخذ نہ ہوسکا
اتنی بولی گئی بولیاں شہر میں

ذات اپنی بھی مشکوک لگنے لگی
ایسے جاری ہوئے بیاں شہر میں

وہ سخن داں ، سخن فہم ہی اب نہیں
کون سمجھے گا میری زباں شہر میں

....

گھات میں ہے صفِ دشمناں شہر میں
ہیں ہدف اس کا خورد و کلاں شہر میں

کیوں ہے لفظوں پہ قدغن لگائی گئی
چیختی ہیں یہ خاموشیاں شہر میں

اس کے لب بھی سکوت آشنا ہو گئے
بند کی جس نے میری زباں شہر میں

آشیانے سبھی کے سلامت رہے
کوندتی رہیں گو بجلیاں شہر میں

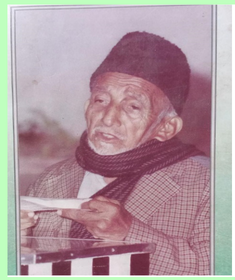
رحمتوں کے خزانوں کے منہ کھل گئے
اور بھر تی رہیں جھولیاں شہر میں

آج بھی وجہ تسکین ہے دوستو
رونق و محفل دوستاں شہر میں

اس کی رحمت کے صدقے کڑی دھوپ میں
میرے سر پہ ہے اک سائباں شہر میں

ہے دعا اس کے جلوے اُترتے رہیں،
گھر بہ گھر، دل بہ دل جاں بجاں شہرمیں

آج بھی دہر میں عافیت ہے کہیں
تو ہے بس میرے دارالاماں شہر میں



ماسٹر فضل الرحمن بسمل بی اے بی ٹی سابق امیر جماعت احمدیہ بھیرہ

(انجینئر محمود مجیب اصغر سابق امیر ضلع مظفر گڑھ وامیر ضلع اٹک)



ماسٹر فضل الرحمن بسمل بی اے بی ٹی سابق امیر جماعت احمدیہ بھیرہ اس عاجز کے والد محترم تھے خدا کے فضل سے آپ کے خاندان میں احمدیت کا آغاز 1898ء میں ہوا۔آپ کے والد محترم حضرت حاجی میاں عبدالرحمن صاحب بھیروی اور پردادا حضرت میاں الہ دین صاحب بھیروی نے 1898ء میں قادیان جا کر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دستی بیعت کی تھی ان پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ تحریر صادق آتی ہے۔

''بعض سعید ایسے بھی ہیں کہ چہرہ دیکھ کر پہچان جاتے ہیں کہ یہ کذاب اور مکار کا چہرہ نہیں۔'' (لیکچر سیالکوٹ)

بہت خوش نصیب تھے یہ لوگ جنہوں نے مامور کا چہرہ دیکھ لیا ورنہ حسرت رہ جاتی جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ نے ایک موقعہ پر فرمایا

''دیکھو خدا تعالیٰ کا مامور ہمارے سامنے موجود ہے اور خود اس مجلس میں موجود ہے ہم اس کے چہرے کو دیکھ سکتے ہیں یہ ایک ایسی نعمت ہے کہ ہزاروں ہم سے پہلے گزرے ہیں جن کی دلی خواہش تھی کہ وہ اس کے چہرے کو دیکھ سکتے پر انہیں یہ بات حاصل نہ ہوئی اور ہزاروں ہزار اس کے زمانہ کے بعد آئیں گے جو یہ خواہش کریں گے کہ کاش وہ مامور کا چہرہ دیکھتے، پر ان کے واسطے یہ وقت پھر نہ آئے گا۔'' (خطبات نور صفحہ 239)

اپنے منظوم کلام میں محترم والد (ماسٹر فضل الرحمن بسمل) صاحب نے ان کے قبولیت احمدیت کی تصویر کشی کی ہے:

والد صاحب حاجی عبدالرحمن بھیروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

باپ میرا کہ عبد رحماں تھا
خوبصورت تھا نیک انسان تھا
ایم اے بی اے وہ تھا نہیں کچھ اور
لکھنا پڑھنا تھا جانتا ہر طور
احمدیت کا جب ہوا چرچا
شہر بھیرہ سے قادیاں جا پہنچا
بیعت احمد میں ہو گیا داخل
اس کے رفقاء میں ہو گیا شامل
دادا میرے مگر نہ مانتے تھے
دعوی مرزا نہ سچا جانتے تھے
دل میں ٹھانی کہ یوں بنی نہ اگر بات
لاؤں بیٹا میں واپس اپنے ساتھ
مرزا صاحب سے میں کہوں جا کر
آسماں سے ہوں عیسٰی تو ظاہر
قادیاں پہنچے چھوٹی مسجد میں
مرزا صاحب وہیں تھے مسجد میں
گفتگو دوستوں سے کرتے تھے
بات اچھی بیان کرتے تھے
بات جب با دلیل ان سے سنی
دل میں سوچا کہ بات ہے کھری
جیسے جیسے کلام سنتے گئے
دور شک و شبہ سب ہوتے گئے
ایسی تبدیلی دل میں پیدا ہوئی
کھل گئی گویا پھول کی تھی کلی
آگے بڑھ کر کہا کہ بیعت لیں
رفقاء میں مجھے شمار کریں
وطن میں آئے احمدی ہو کر
بات سچی ہے یہ کہا آکر
پھر قبیلہ کو اپنے سمجھایا

قادیاں سے جو فیض تھا پایا
اکثر ان کے ملائے ساتھ اپنے
اور بھی لوگ کچھ محلہ کے
مل کر باہم نماز پڑھتے تھے
احمدی ہی امام کرتے تھے
غیر اپنی علیحدہ پڑھتے تھے
خامشی سے یہ کام چلتے تھے
لیکن حالات پھر بدلنے لگے
غیر ان سے تھے کچھ الجھنے لگے
نور دیں تھے خلیفہ اول
ان کو معلوم سب ہوئی ہلچل
ان کا آبائی مکان ساتھ ہی تھا
کہا تم مسجد اپنی کر لو جدا
اے خدا تیرا گھر رہے آباد
بسمل ہوتی رہیں مسجدیں آباد

(جذبات دل صفحہ 167166)

مقدس خون

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت اقدس میں ایک مرتبہ جب اپنے دادا، پڑدادا کے صحابی ہونے کا اس عاجز نے ذکر کیا تو آپ نے اپنے مکتوب گرامی محررہ 24 مئی 1993ء میں فرمایا

"بڑی خوشی ہوئی کہ آپ کے دادا پڑدادا بھی صحابی تھے۔ ماشاء اللہ چشم بددور بڑا مقدس خون ہے جو آپ کے اندر موجیں مار رہا ہے"

ابتدائی حالات

اس عاجز کے والد صاحب خلافت اولی کے آغاز پر بھیرہ میں پیدا ہوئے (آپ کی ایک ڈائری کے مطابق آپ کی تاریخ پیدائش یکم نومبر 1908ء ہے) آپ کے والد صاحب کی درخواست پر حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کا نام ''فضل الرحمان'' عطا فرمایا عملی زندگی میں آپ نے بسمل تخلص کا اضافہ کیا

آپ کو بہت بچپن میں جلسہ سالانہ قادیان پر اپنے والدین کے ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کے گھر ٹھہرنے اور آپ کی زیارت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی آپ بتایا کرتے تھے کہ مروجہ تصاویر میں آپ کی وہ وجاہت اور خوبصورتی نہیں آئی جو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے

ابتدائی تعلیم

والد صاحب نے تعلیم کا آغاز بھیرہ سے کیا ایم سی پرائمری سکول نمبر 1 بھیرہ (جو حضرت خلیفہ اوّل کا زیر تعمیر مطب تھا) سے تیسری جماعت پاس کر کے آپ گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ میں چوتھی جماعت میں داخل ہوئے چوتھی پاس کرنے پر اس کلاس سے انگلش کا مضمون اڑا دیا گیا پانچویں سے دسویں تک اسی سکول میں رہے 1924ء میں والدہ اور پھر والد کی وفات سے آپ کی تعلیم بہت متاثر ہوئی تب آپ کے بڑے بھائی میاں عطا الرحمن صاحب آپ کو قادیان چھوڑ آئے جہاں 1926ء میں آپ نے میٹرک تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان سے پاس کیا جس کا امتحانی سنٹر بٹالہ مقرر ہوا تھا

آپ خوش نصیب تھے کہ آپ کے میٹرک کی الوداعی تقریب میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے شرکت فرمائی اور آپ کو حضور کے قدموں میں جگہ ملی الوداعی تقریب کا یہ تاریخی گروپ فوٹو جو 8 مارچ 1926ء کا ہے معجزانہ طور پر آپ کے ایک کلاس فیلو محترم عبد الرحمن شاکر صاحب کے ایک صاحبزادے وسیم احمد شاکر صاحب سے ملا جس پر ان کے والد محترم اپنی زندگی میں نام بھی لکھ کر چھوڑ گئے تھے

یہ تاریخی گروپ فوٹو مخزن التصاویر قادیان اور لندن میں بھی ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی آپ کے زمانہ طالب علمی سے آخر تک آپ کو جانتے اور پہچانتے رہے بلکہ ایک بار جلسہ سالانہ پر ملاقاتوں پر مرزا عبد الحق صاحب امیر ضلع سرگودہا کی جگہ آپ کو اپنے پاس بٹھا لیا کہ دوستوں کا تعارف کرواتے جائیں

والدین کی وفات کا سانحہ

آپ کا دیندار اور متوسط قسم کا گھرانہ تھا اور مسجد نور بھیرہ کے سامنے والی گلی میں خوشحالی اور فرخندگی سے رہ رہے تھے۔ آپ پانچ بہن بھائی تھے آپ کے دادا جان 1905ء میں وفات پا گئے تھے اور آپ کی دادی جان آپ کے

والدین کے ساتھ رہ رہی تھیں

1923ء میں آپ کی شادی شدہ بڑی بہن کی عالم جوانی میں وفات ہوگئی اورغالباان کےغم میں آپ کی والدہ محترمہ غلام بی صاحبہ بھی چل بسیں

ادھرآپ کی دادی جان اصرار کر کے آپ کے والدحضرت میاں عبدالرحمن صاحب بھیروی کوحج پر اپنے ساتھ حجاز لے گئیں ساتھ دو آپ کے چچا صاحبان بھی تھے جن کے نام حاجی فضل الٰہی صاحب بھیروی اور حاجی احمد دین صاحب بھیروی ہیں

آپ کی والدہ کی وفات اور بچوں کے ماں کے بغیر ہونے کی وجہ سے آپ کے والدصاحب کوحج پر اپنی والدہ کے ساتھ جانے پر تامل تھا لیکن والدہ کے بار باراصرار پر آپ کے والدصاحب نے استخارہ کیااورخواب میں غالبا دیکھا کہ وہ حج کررہے ہیں اس پر خدا کی رضا سمجھتے ہوئے وہ والدہ اوردو بھائیوں سمیت حج کے لئے روانہ ہوگئے اور 8 ذوالحجہ 1342ھ (11 جولائی 1924ء) کوحج اکبر کرنے کی سعادت حاصل کی۔

والدصاحب کی معمر دادی جن کا نام فاطمہ بی بی تھاحج ادا کرنے کے بعد وہیں وفات پاگئیں اور پاک سرزمین مکہ میں سپرد خاک ہوئیں۔اب اگلا مرحلہ مدینہ منورہ جانے کا تھااورصورت حال یہ تھی جنگ مکہ کی وجہ سے مدینہ کا راستہ بند تھا حجاج کوصرف مکہ آنے کی اجازت تھی لامحالہ وہ جدہ میں حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے ایک نامور اور مخلص صحابی حضرت سیٹھ ابوبکر یوسف صاحب کے پاس ٹھہر گئے جہاں احمدی حجاج اکثر ٹھہرا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی عمیق حکمتوں تک عاجز انسان کی رسائی بھلا کہاں ہوسکتی ہے جدہ میں دس دن قیام کے بعد آپ کے والدحضرت میاں عبدالرحمن صاحب بھیروی بھی50 سال کی عمر میں رحلت فرما گئے اور جدہ میں ہی سپرد خاک ہوئے۔

بھیرہ میں اس سانحہ ارتحال کی خبر بذریعہ قادیان پہنچی

صلحاء العرب وابدال الشام

ایک باراس عاجز نے اپنے دادا جان کے اس واقعہ کا ذکر حضرت سیٹھ ابوبکر یوسف صاحب کے نامور پوتے سید کمال یوسف صاحب (مشنری سکنڈے نیویا) سے کیاانہوں نے کمال شفقت سے اپنے دادا جان پر ایک مضمون میں اس واقعہ کا ذکر فرما کر اس عاجز پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔**فجزاہ اللہ احسن الجزاء**

وہ تحریر فرماتے ہیں:

’’...حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ،حضرت نانا جان میر ناصر نواب یکم اکتوبر 1912ء کوجدہ پہنچے تو 6 روز حضرت سیٹھ ابوبکر یوسف رضی اللہ عنہ کے گھر قیام کی سعادت بخشی............جدہ میں جب تک آپ کا قیام رہا اکثر احمدی حجاج آپ ہی کے گھر میں قیام فرماتے رہے۔

1924ء میں مکرمی محمود مجیب اصغر صاحب کی روایت کے مطابق ان کے دادا جان مکرم میاں عبدالرحمن بھیروی صاحب نے بھی وہاں قیام فرمایا..‘‘

(صلحاء العرب وابدال الشام جلداوّل مؤلفہ محمد طاہر ندیم مربی سلسلہ عربک ڈیسک یو کے صفحہ 41)

مزید تعلیم کے لئے جدوجہد

میٹرک کے بعد والدصاحب کے مالی حالات کالج میں تعلیم کے متحمل نہیں تھے اس لئے آپ نے سروس کرنی شروع کر دی 1927ء میں پی ڈبلیوڈی میں عارضی کلرک کی نوکری ملی جوجلد ہی ختم ہوگئی آپ کوتعلیم سے بہت دلچسپی تھی اس لئے 1930ء میں لالہ موسی جے وی کلاس میں داخلہ لیا 1931ء میں جے وی کر کے پھلروان مڈل سکول میں ٹیچر لگ گئے 1932ء میں سالم میں تبادلہ ہوا

سروس کے ساتھ ساتھ پرائیویٹ طور پر پڑھتے رہے 1934ء میں منشی فاضل کا امتحان پاس کیا 1935ء میں ایف اے کیا، 1936ء میں آپ کی شادی ہوگئی آپ پرائیویٹ طور پر پڑھتے رہے ساتھ تبلیغ کے الزام میں محکمانہ پیشیاں بھگتتے رہے 1946ء میں بی اے کرلیا۔اس کے بعد گورنمنٹ ٹریننگ کالج لاہور میں داخلہ لے کرایک سال میں بی ٹی کی ڈگری لے لی

ڈسٹرکٹ بورڈ ہائی سکول ہڈالی

بی اے بی ٹی کرنے کے بعد 1948ء میں آپ ڈسٹرکٹ بورڈ ہائی سکول ہڈالی میں انگلش ٹیچر لگ گئے

آپ کا دینی پہلو بہت بھاری تھا آپ نے تعلیم کے دوران ہی وصیت کی

ہوئی تھی آپ کا وصیت نمبر 5620 ہے مالی قربانی میں پیش پیش تھے تحریک جدید کے دفتر اوّل کے 5000 مجاہدین میں آپ کا کمپیوٹر نمبر 2939 ہے آپ نے ہڈالی میں نئی جماعت قائم کی ملک محمد افضل صاحب وہاں ریلوے میں سٹیشن ماسٹر تھے ان کے گھر جمعہ کی نماز ہوتی تھی جمعہ والد صاحب پڑھاتے تھے اور الفضل سے حضرت مصلح موعود کا خطبہ پڑھتے تھے وہاں آپ کی تبلیغ سے ایک نوجوان احمدی ہوگیا اور آپ کے خلاف شدید مخالفت کی لہر دوڑ گئی" زمیندار اخبار" میں خبر چھپ گئی محکمانہ انکوائری ہوئی اور مبادا آپ پر قاتلانہ حملہ نہ ہو جائے آپ کو بھلوال ٹرانسفر کر دیا گیا۔

جب آپ آخری عمر میں ربوہ قیام پذیر تھے تو آپ کا اس دور ایک شاگرد جو ٹوانہ خاندان کا تھا اور لاہور میں جج تھا آپ کو ملنے کے لئے ربوہ آیا۔

حضرت مصلح موعود کا دورہ بھیرہ

26 نومبر 1950ء کو حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی نے بھیرہ کا دورہ فرمایا حضرت خلیفہ اول کے مکانات اور مسجد نور دیکھنے کے علاوہ مسجد فضل میں تقریبا دو گھنٹے کا خطاب فرمایا دونوں مساجد میں یادگاری کتبے نصب فرمائے مسجد نور جو دراصل کا آبائی گھر تھا میں آپ کے پیدائش والے کمرے میں نوافل ادا کئے اور دعائیں کیں۔خطاب تاریخ احمدیت جلد 16 میں ''حضرت مصلح موعود کا سفر بھیرہ'' کے عنوان کے تحت چھپا ہوا ہے اور پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

یہ سفر آپ نے اپنی مرحومہ حرم ثانی سیدہ امۃ الحی بیگم بنت حضرت خلیفۃ المسیح اول کے ساتھ کئے گئے وعدہ کو پورا کرنے کے لئے کیا تھا جو 1924ء میں وفات پا چکی تھیں

والد صاحب ہڈالی سے اپنی بڑی بیٹی سمیت بھیرہ جا کر حضور کی ملاقات اور خطاب سے مستفید ہوئے اس موقع کی مناسبت سے بعض بزرگوں نے مضامین اور نظموں کے ذریعے اپنے جذبات کا اظہار کیا قمر الانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے نے ایک مضمون لکھا ''حضرت خلیفہ اول کی یاد میں تبحر تصوف توکل اور تواضع کا ارفع مقام۔''

(مطبوعہ الفضل 6 دسمبر 1950ء مضامین بشیر جلد دوم صفحہ 1045 تا 1055)

والد صاحب نے ایک نظم لکھی جس کے چند اشعار یہ ہیں

جناب مرزا سے عالی گہر کو دیکھتے ہیں
خوشا کہ حضرت فضل عمر کو دیکھتے ہیں
بقول حضرت غالب یہاں یہ عالم ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

اسی دورے کے حوالے سے حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ 14 مئی 2021ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس شعر کی تفصیل بیان فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کا ذکر فرمایا ہے۔

اے دل تو نیز خاطر ایناں نگہدار
کآخر کنند دعوئ حب پیمبرم

ڈسٹرکٹ بورڈ ہائی سکول بھلوال

1951ء میں آپ ٹرانسفر ہو کر بھلوال میں آئے بھلوال میں ان دنوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک نامور صحابی حضرت سردار عبد الرحمن بی اے سابق مہر سنگھ کا قیام تھا ان کا بچپن حضرت خلیفۃ المسیح اول ؓ کی کفالت میں بھیرہ گزرا تھا اور وہ ہمارے دادا جان مرحوم کے بچپن کے دوست اور کلاس فیلو تھے انہوں نے کمال شفقت سے والد صاحب کو مع فیملی اپنے گھر میں جگہ دے دی۔

بھلوال سکول میں آپ نے ہمیشہ جماعتی روایات کو ملحوظ خاطر رکھا اور مخالفت کی ذرہ برابر پرواہ نہ کی وہاں پر ٹیچروں نے ایک مرتبہ اپنے پے سکیل گورنمنٹ سکول کے پے سکیل کے برابر کروانے کے لئے ہڑتال کر دی آپ بڑی جرآت سے سکول جاتے رہے اور جو طالب علم آتا اسے پڑھا دیتے آپ لکھتے ہیں" ان دنوں گورنمنٹ ہائی سکول کے اساتذہ کی تنخواہوں میں اضافے ہوئے لیکن ڈسٹرکٹ بورڈ کے سکولوں میں پرانے سکیل تھے آخر ان مدارس میں ہڑتالیں ہوگئیں بھلوال کا سکول ضلع بھر میں ڈسٹرکٹ بورڈ کا پرانا سکول تھا بتیس اساتذہ کام کرتے تھے سب نے ہڑتال میں حصہ لیا بندہ عاجز نے جماعتی اصول کے مطابق ہڑتال میں حصہ لینے سے انکار کر دیا تو جملہ اساتذہ نے میرے ساتھ بائیکاٹ کر دیا طعن وتشنیع ہوتی تھی بندہ نے صبر وتحمل کا نمونہ دکھایا تقریبا دو ماہ

ہڑتال رہی بچے آوارہ ہو گئے میرے پاس جو بچے آتے تھے میں انہیں پڑھا دیتا تھا آخر پبلک نے کہا کہ صرف "مرزائی استاد" قوم کا ہمدرد ہے دوسرے اساتذہ تو بچوں کی زندگیاں تباہ کر رہے ہیں آخر سکول کھل گئے محکمہ نے وعدہ جات پورے کرنے میں پس و پیش کیا بندہ نے گورنمنٹ سروس کے لئے درخواست دی اور مجھے گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ میں تعیناتی کا حکم مل گیا۔''

(بھیرہ کی تاریخ احمدیت)

گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ

1952ء سے تقریبا ریٹائرمنٹ تک آپ بھیرہ میں رہے بھیرہ آپ کا اصل وطن تھا اور حضرت خلیفۃ المسیح اول کا مولد و مسکن تھا یہاں آپ تدریسی اور جماعتی سرگرمیوں میں پیش پیش رہے ہمارا گھر کئی احمدی بچوں کا ہوسٹل بنا ہوتا تھا دن رات ان کی تعلیم و تربیت کرتے رہتے تھے حافظ مبارک احمد صاحب پروفیسر جامعہ احمدیہ کا بڑا لڑکا منصور اور حاجی سراج الدین صاحب کا بڑا لڑکا رشید ہمارے گھر ہی رہتے رہے کئی شرفاء کی بچیاں آپ سے ٹیوشن پڑھتی تھیں آپ مسلسل مقامی جماعت کی عاملہ کے ممبر رہے کئی سال سیکرٹری مال اور سیکرٹری اصلاح وارشاد، زعیم انصار اللہ کے طور پر خدمت کی توفیق پائی جلسہ سالانہ ربوہ پر احمدی طلباء کو ریلوے کنسیشن ٹکٹ بنوا کر لے جاتے تھے جب یہ عاجز گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ کا طالب تھا تو برانچ سکول اور ہائی سکول میں باقاعدہ ظہر کی باجماعت نماز ہوتی تھی برانچ سکول میں مولوی محمد یوسف صاحب جو اس وقت امیر جماعت بھی تھے اور ہائی سکول میں والد صاحب نماز باجماعت پڑھاتے تھے تبلیغ بہت کرتے تھے رکھ چراگاہ کا ایک طالب علم اپنے خاندان سمیت آپ کی تبلیغ سے احمدی ہوا اور باقاعدہ جماعت قائم ہو گئی ریٹائرمنٹ سے کچھ پہلے آپ کو گورنمنٹ ہائی سکول مٹھہ ٹوانہ ٹرانسفر کر دیا گیا۔

امیر جماعت احمدیہ بھیرہ

ابھی بھیرہ میں امارت قائم تھی جب 1968ء میں آپ امیر جماعت احمدیہ بھیرہ منتخب ہوئے 1974ء کا ہنگامہ آپ کے دور میں ہی ہوا آپ کے گھر پر مولویوں کا جلوس 31 مئی 1974ء کو حملہ آور ہوا آپ کو زخمی کیا لیکن آپ کے ایک بیٹے طارق منصور کی مدد سے آپ کی معجزانہ طور پر جان بچ گئی اور دو تین گھنٹے لوٹ مار کرتے رہے سامان جلا دیا اور بہت اذیت پہنچائی بالآخر مکان بھی ہاتھ سے نکل گیا۔ جتنی بشاشت سے آپ نے بھیرہ میں قربانی دی اتنی ہی جلدی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے بچوں سمیت ربوہ میں کئی گنا پلاٹ خرید کر مکان بنانے کی توفیق دی اور بہت سارے فضلوں سے نوازتا چلا گیا۔

گھر پر حملہ کی خبر

آپ کے گھر پر حملہ کی خبر ''ہفت روزہ عقاب'' سرگودہا میں شائع ہوئی۔

''بھیرہ 31 مئی بھیرہ سے بذریعہ فون اطلاع ملی ہے کہ حادثہ ربوہ کے سلسلہ میں آج بعد نماز جمعہ ایک مشتعل ہجوم نے شہر میں گھس کر کئی دکانوں اور مکانوں کو لوٹنے کے بعد انہیں نذر آتش کر دیا.........تھوڑی دور جا کر ان لوگوں نے ماسٹر فضل الرحمن امیر جماعت احمدیہ بھیرہ کے مکان پر ہلہ بول دیا اور اس کے مکان سے متعدد ٹرانسسٹر، زیورات اور پارچات لوٹ لئے اور باقی سامان و بجلی کے پنکھوں کو آگ لگا دی۔''

(ہفت روزہ عقاب سرگودہا ضمیمہ یکم جون 1974ء)

جامعہ احمدیہ ربوہ

آپ پر قاتلانہ حملہ اور مکان چھن جانے کے بعد معاندین کے ارادے آپ کو مزید نقصان پہنچانے اور آپ کی نرینہ اولاد کو قتل کرنے کے تھے اس لئے مجبورا آپ ربوہ شفٹ ہو گئے جہاں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے آپ کو جامعہ احمدیہ میں لگا دیا 70 سال کی عمر تک آپ جامعہ میں رہے اردو، انگلش اور فارسی کے مضامین پڑھاتے رہے آپ کے بعض شاگرد نمایاں پوزیشن پر جماعت کی خدمت پر فائز ہیں مثلا عبد الغفار صاحب افریقن امام برمنگھم، منیر احمد جاوید صاحب پرائیویٹ سیکرٹری، محمد الیاس منیر صاحب مربی جرمنی، عبد الماجد طاہر صاحب ایڈیشنل وکیل التبشیر، عبد المومن طاہر صاحب مربی انچارج عریبک ڈیسک وغیرہ

جامعہ میں تدریس کے دوران آپ جامعہ کے سٹاف کے ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے گروپ فوٹوز میں بھی شامل ہوتے رہے ایک فوٹو شامل مضمون ہے۔

وفات اور قرارداد تعزیت

عمر کا آخری حصہ آپ نے ربوہ میں گزارا اور متفرق خدمات کی توفیق پاتے رہے دارلصدر غربی (اب شمالی) کی جماعت کی مجلس عاملہ میں رہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو شعر وشاعری کا ملکہ بھی بخشا ہوا تھا ہر اہم موقع پر آپ پاکیزہ نظمیں لکھتے خلیفہ وقت کو بھیجتے وہاں سے بڑے خوشنودی کے خطوط آتے بعض نظمیں شائع بھی ہوتی رہیں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے ساتھ ہم نے کئی اکٹھی ملاقاتیں بھی کیں۔

سیرت النبی کے ایک مشاعرے میں حضرت مرزا طاہر احمد صاحب (قبل از خلافت) اور حضرت شیخ محمد احمد مظہر صاحب کی صدارت میں مسجد اقصیٰ ربوہ میں اپنی ایک نعت پیش کی تھی اس موقع کی ایک تصویر پیش ہے

آپ کی وفات کے بعد اس عاجز نے آپ کا مجموعہ کلام ''جذبات دل'' کے نام سے شائع کروایا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کے خلیفہ منتخب ہونے بعد ہم نے حضور کی لندن ہجرت سے قبل ایک شاندار فیملی ملاقات کی تھی حضور آپ کو بسمل صاحب کہہ کر مخاطب کرتے تھے آپ کی اہلیہ یعنی اس عاجز کی والدہ صاحبہ، چند بہن بھائی اور عاجز کے بیوی بچے بھی ہمراہ تھے۔

آپ کی اہلیہ عزیزہ بیگم صاحبہ عاجز کی والدہ صاحبہ (وہ بھی بھیرہ کے ایک صحابی حضرت میاں محی الدین صاحب کی پوتی تھیں) اور بڑی نیک اور پارسا عورت تھیں 15 جنوری 1989ء کو اچانک وفات پا گئیں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے سنگاپور دورے کے دوران ان کی نماز جنازہ پڑھائی موصیہ ہونے کی وجہ سے مسجد مبارک ربوہ میں نماز جنازہ حاضر ادا کرنے کے بعد ان کی تدفین بہشتی مقبرہ ربوہ میں ہوئی ان کا وصیت نمبر 17502 ہے۔

اہلیہ کی اچانک وفات کے بعد آپ چار سال زندہ رہے زیادہ وقت نماروں نوافل تلاوت قرآن مجید مطالعہ کتب مسیح موعود میں گزارتے راتوں کو جاگ کر دعاؤں عبادت ذکر الٰہی اور نظمیں بنانے میں گزارتے پوتے پوتیوں کی کو چنگ بھی کرتے تھے بہت کم کھاتے اور بہت کم سوتے ساری فرض نمازیں مسجد جا کر ادا کرتے گھٹنوں میں درد کے باوجود کبھی کرسی پر مسجد میں نماز نہیں پڑھی اپنے بچوں کو بھی نمازوں چندوں اور خلیفہ وقت کو خط لکھنے کی تاکید کرتے رہتے تھے

ایک بار خلیفۃ المسیح الثالث کے بیرون ممالک دورے سے واپسی پر چھٹی نہ ہونے کی وجہ سے خاکسار استقبال میں شامل نہ ہوسکا اس پر ناراض ہوئے اور فرمایا کہ ایک دن کی اور چھٹی لے لیتے آخر میں آپ کو بخار ہونے لگا جو اترتا ہی نہیں تھا چند بار فضل عمر ہسپتال بھی داخل ہوئے ڈاکٹر میاں مبشر اور ڈاکٹر لطیف قریشی بڑی توجہ سے علاج کرتے رہے ڈاکٹر میاں مبشر اس عاجز کے ٹی آئی کالج کے کلاس فیلو ہیں وہ کہنے لگے اپریشن کرنا چاہتا ہوں شائد اندر کوئی انفکشن ہے لیکن عمر اور کمزوری کی وجہ سے نہیں کرتا بالآخر اللہ کی تقدیر پوری ہوئی اور آپ کی وفات 10 جنوری 1993ء کو ہوگئی۔

كل من عليها فان ويبقى وجه ربك ذو الجلال والاكرام

لندن میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے آپ کی نماز جنازہ غائب پڑھائی مقامی طور پر مسجد مبارک ربوہ میں آپ کی نماز جنازہ حاضر ہوئی اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں تدفین عمل میں آئی۔

قرارداد تعزیت

آپ کی وفات پر بھیرہ کی جماعت نے مندرجہ ذیل قرارداد تعزیت منظور کر کے روزنامہ الفضل ربوہ 9 مارچ 1993ء میں شائع کروائی۔

''ہم جملہ احباب جماعت احمدیہ بھیرہ ضلع سرگودھا اپنے اجلاس میں جو مؤرخہ 22 جنوری 1993ء منعقد ہوا اپنے ایک بہت ہی پیارے مخلص بزرگ محترم میاں فضل الرحمان صاحب سابق امیر جماعت احمدیہ بھیرہ کی وفات پر اظہار تعزیت کرتے ہیں

بلانے والا ہے سب سے پیارا
اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

مکرم ومحترم فضل الرحمن صاحب بسمل بلاشبہ خداداد صلاحیتوں کے مالک تھے علمی وسعت کے ساتھ ساتھ ایک فصیح البیان اور پرجوش خادم سلسلہ تھے امامت کے ساتھ والہانہ عشق رکھنے والے وجود تھے جماعت احمدیہ بھیرہ کے امیر رہے اور جماعت کی اخلاقی اور روحانی تربیت میں مگن رہے۔

جماعت احمدیہ سے بہت محبت رکھتے تھے جماعت کی خوشحالی اور استحکام اور ترقی کے لئے ساری عمر اکثر بیقرار پائے گئے اللہ تعالیٰ ان کی اس خواہش کو پورا فرمائے۔

آپ بلند پایہ شاعر بھی تھے آپ نے 1972ء میں ''بھیرہ کی تاریخ احمدیت'' بھی لکھی جواب آپ کی طرف سے ہمارے پاس بہترین تحفہ ہے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو ہمیشہ بلند کرتا رہے آپ کے پسماندگان کو یہ جانکاہ صدمہ حوصلہ اور صبر سے برداشت کرنے کی توفیق ملے

ہم آپ کے بیٹے محمود مجیب اصغر صاحب، ایم اے لطیف شاہد صاحب اور دیگر پسماندگان سے دلی اظہار تعزیت کرتے ہیں

ہم ہیں جملہ احباب جماعت احمدیہ بھیرہ ضلع سرگودہا۔

(مطبوعہ روزنامہ الفضل ربوہ 9 مارچ 1993ء)

اولاد

آپ کو اللہ تعالیٰ نے پانچ بیٹوں اور تین بیٹیوں سے نوازا سب کو مالی تنگی کے باوجود تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا ایک موقع پر جب کہ آپ کے بیٹے تین مختلف کالجوں اور یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم تھے اور بڑی مشکل سے ٹیوشن پڑھا پڑھا کر اضافی آمد پیدا کر کے ان کے اخراجات برداشت کر رہے تھے اور دعاؤں میں لگے رہتے تھے آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہوئے۔

ووضعنا عنك وزرك الذی انقض لك ذكرك

(یعنی اور تیرے اس بوجھ کو تجھ پر سے اتار کی پھینک نہیں دیا ایسا بوجھ جس نے تیری کمر توڑ رکھی تھی)

چنانچہ اگلے دن بیٹے کا (آخری پیپر کا) ریزلٹ آ گیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے کامیابی سے ہمکنار کیا۔ایک دفعہ آخری عمر میں آپ کو خواب میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ''مستحق کو زیادہ دو اور اپنے لئے تھوڑا قبول کرو دنیا میں امن قائم کرنے کا یہی گر ہے۔''

خاکسار خدا کو حاضر ناظر جان کر حلفا بیان کرتا ہے کہ یہ دونوں کشوف و رویاء آپ نے اپنی زندگی میں خاکسار کو سنائے

اے خدا بر تربت او ابر رحمت ہا ببار
داخلش کن از کمال فضل در بیت النعیم

❁❁❁❁
❁❁❁
❁❁



غزل

ساجد محمود رانا

مجھ کو بھگوان نہ شیطان سے ڈر لگتا ہے
ہاں! مگر آج کے انسان سے ڈر لگتا ہے

جانے کب کس پہ یہ چڑھ دوڑے بنام اسلام
اپنے اندر کے مسلمان سے ڈر لگتا ہے

لوگ کہتے ہیں کہ ابلیس نے توبہ کر لی
اسکو بھی حضرت انسان سے ڈر لگتا ہے

منصفی بکنے لگی برسر بازار جو اب
عدل وانصاف کے ایوان سے ڈر لگتا ہے

دیکھ کر ملک میں اشیاصرف کی قیمت
روزہ داروں کو بھی رمضان سے ڈر لگتا ہے

جس کو ہر شخص برا اپنے سوا دکھتا ہو
ھاں اسی وقت کے سلطان سے ڈر لگتا ہے

کل میں خوش تھا کہ بچالایا ہوں اپنا اسلام
آج اپنی اسی پہچان سے ڈر لگتا ہے

جی! عنائیت ہے مجھے آپ نے اپنا سمجھا
پھر بھی اس آپ کے احسان سے ڈر لگتا ہے

غیر کے جورو ستم کی نہیں پرواہ شاہد
ھاں مگر گھر کے نگہبان سے ڈر لگتا ہے

❁❁❁❁❁❁❁❁
❁❁❁❁
❁❁❁
❁❁
❁



میری والدہ

از خواجہ محمد افضل بٹ۔ یو ایس اے

نہیں کوئی بدل اس جہاں میں ماں کے پیار کا
اس کے بناء نہیں وجود کسی بھی انسان کا
زندگی کی قیمت سمجھاتی ہے ہمیں ماں
وقت آئے نہ ایسا جو نہ ملے ماں کی دعا
اپنی خدمت کے بدلے میں کچھ بھی مانگتی نہیں
کسی بھی حال میں ماتھے پر اپنے بل ڈالتی نہیں
گود میں کھلانا سینے سے لگانا اس کا
روٹھ جائیں جو بچے تو منانا اس کا

اپنے آباواجداد کا ذکر تحدیث نعمت کے طور پر اوران کی نیک یادوں کو زندہ رکھنے اوران کی خوبیوں کا تذکرہ اگلی نسلوں میں جاری رکھنا چاہئے۔اس بات کی طرف قرآن مجید میں واضح اشارہ ہے۔

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا (البقرہ 201)

کہ اللہ کا ذکر کیا کرو۔جس طرح تم اپنے آباواجداد کا ذکر کرتے ہو۔

ہمارے ہادی ومولی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نیک تذکروں کی طرف متوجہ کرتے ہوئے اور مرحومین کے لئے باعث رحمت بنتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ:

اُذْكُرُوا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ (ترمذی کتاب الجنائز)

یعنی: تم اپنے وفات یافتگان کی خوبیوں کا ذکر کیا کرو

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

جن کے آباواجداد میں صحابہ یا بزرگ تابعین تھے۔ان کو چاہئے کہ اپنے خاندان کا ذکر خیر اپنی نسلوں میں جاری کریں۔

(خطبہ جمعہ 30 اپریل 1993ء)

ابتدائی تعارف

آج میں اپنی والدہ کی بکھری ہوئی یادوں میں سے چند کا ذکر کرنے بیٹھا ہوں جن کا ذکر میری روح کو گرما دیتا ہے۔میری والدہ جن کی یاد میں یہ چند سطور لکھ رہا ہوں۔ان کا نام محترمہ رمضان بی بی صاحبہ اہلیہ مکرم خواجہ محمد حسین صاحب بٹ قوم کشمیری موضع سیکھواں تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور ہے۔آپ "خالد احمدیت" حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس صحابی رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ تھیں۔

ولادت

آپ کی ولادت 1909ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے جلیل القدر صحابی حضرت میاں امام الدین صاحب صحابی رضی اللہ عنہ المعروف "سیکھوانی برادران" کے ہاں ہوئی۔آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے ابتدائی صحابہ میں سے تھے اور نہایت درجہ مخلص انسان تھے۔اشتہار جلسہ الوداع میں "سیکھوان برادران" کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے تحریر فرمایا۔

"حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح جو کچھ گھروں میں تھا۔وہ سب لے آئے ہیں،اور دین کو آخرت پر مقدم کیا۔جیسا کہ بیعت میں شرط تھی۔

(مجموعہ اشتہارات،جلد سوم،صفحہ 167)

آپ کے دادا

آپ کے دادا حضرت میاں محمد صدیق صاحب وائیں رضی اللہ عنہ موضع "بائجہ ہالن" ژمر (نارواو تحصیل کولگام ضلع اننت ناگ،اسلام آباد کشمیر) کے باشندہ تھے۔جب کشمیر میں قحط سالی ہوئی تو آپ کے افراد خاندان وہاں سے ہجرت کر کے پنجاب ہندوستان میں آباد ہو گئے۔

سب سے پہلے آپ نے "راجہ سانسی" ضلع امرتسر میں قیام کیا۔جو قادیان سے ستر کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔بعد ازاں تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور کے گاؤں

موضع "سیکھواں" میں آ کر مقیم ہو گئے۔

شادی

آپ کی شادی مخلص دیندار گھرانے میں مکرم خواجہ محمد حسین صاحب بٹ آف بھاگووال ضلع گورداسپور تحصیل بٹالہ سے ہوئی۔ آپ حضرت میاں محمد عیسیٰ صاحب صحابی رضی اللہ عنہ آف بھاگووال کی بہو تھیں یہ گاؤں قادیان سے دس کلومیٹر پر ہے۔

میری والدہ صاحبہ کہتی تھیں کہ آپ کو اپنے سسرال میں بہت عزت دی گئی اور سب چھوٹے بڑے بہت عزت کرتے اور آپ سے ہر طرح کا مشورہ لیتے تھے۔ سسرال کے خاندان کے افراد آپ کے ہاں سیکھواں آتے رہتے تھے اور کئی روز تک آپکے ہاں ٹھہرتے تھے۔ اس میں ان کا مقصد ہوتا تھا کہ چونکہ سیکھواں قادیان کے قریب ہے اور قادیان جمعۃ المبارک پڑھ لیں گے اور بزرگ، صالحین کی صحبت میں کچھ دن گزار لیں گے۔

اولاد

اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کو نیک اور خادم دین اور خلافت کے ساتھ عشق کی حد تک وابستہ رہنے والی اولاد عطا فرمائی۔ آپ کی اولاد میں چار بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ جنکے نام درج ذیل ہیں۔

1۔ مکرم خواجہ احمد حسین صاحب مرحوم درویش قادیان

2۔ مکرم مولوی خواجہ محمد اسلم بٹ صاحب ٹیچر مرحوم

3۔ خاکسار خواجہ محمد افضل بٹ حال امریکہ

4۔ مکرم خواجہ شوکت حسین صاحب بٹ حال جرمنی

5۔ مکرمہ امتہ المجید بیگم صاحبہ مرحومہ اہلیہ مکرم رفیق احمد بٹ صاحب مرحوم

6۔ مکرمہ امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ مرحومہ اہلیہ مکرم مولانا بشیر احمد قمر صاحب مرحوم مربی سلسلہ عالیہ احمدیہ

7۔ مکرمہ امتہ العزیز بیگم صاحبہ اہلیہ مکرم محمد احسان بٹ صاحب مرحوم

صوم وصلوٰۃ کی پابندی

آپ صوم وصلوٰۃ کی پابند، تہجد گزار، نیک صالحہ، ہمدرد و خیر خواہ، صلہ رحمی کرنے والی، دھیمہ لہجہ، خلیق اور ملنسار اور دعا گو بزرگ تھیں۔

نماز باجماعت اور نماز تہجد کا اہتمام

اللہ تعالیٰ کے فضل سے پانچوں نمازیں اپنے مقررہ وقت پر پڑھتی تھیں بلکہ اکثر نمازیں باجماعت ادا کرتیں وہ اس طرح کہ جماعت احمدیہ احمد نگر نے مسجد احمدیہ میں کچھ حصہ عورتوں کیلئے مخصوص کر کے قنات لگا دی تھی۔ اس طرح لجنہ اماء اللہ، ناصرات الاحمدیہ مسجد میں پانچوں نمازیں باجماعت ادا کر سکتی تھیں اور دیگر پروگرام بھی منعقد کر سکتی تھیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے فضل سے نماز تہجد باقاعدگی سے ادا کرتی تھیں اور آپ کی نماز بہت طویل ہوتی تھی۔ کافی دیر تک دعائیں پڑھتی رہتی تھیں۔

دعا گو

اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ دعا گو بزرگ تھیں اور خدا تعالیٰ سے خاص تعلق تھا۔ آپ کو بفضلہٖ تعالیٰ سچے خواب آتے تھے اور آپ سے اکثر اپنے اور بیگانے دعا کی درخواست کرتے اور آپ سے دعا کے نتیجہ میں سکون اور راحت محسوس کرتے۔ آپ سے جو دعا کا کہتے ان کو تلقین کرتیں کہ ہمارے پاس خلافت کا پیارا نظام موجود ہے خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کو دعا کا خط ضرور لکھیں۔

ملنسار

آپ ہر ایک کے کام آنے والی خاتون تھیں۔ کسی کو دکھ میں دیکھ کر خود دکھی ہو جاتیں اور اس کے دکھ کی وجہ پوچھتیں اور حتی الوسع ہر ممکن اس کی مدد کرتیں اور اس سے قلبی تعلق رکھتیں۔ آپ ہر ایک کی مدد کر کے دوسروں کو راحت پہنچا کر اور ان کے چہروں پر مسکراہٹ بکھیر کر خود میں سکون محسوس کرتیں۔

رمضان المبارک کا آغاز

رمضان المبارک شروع ہونے سے قبل ہی "روزہ" کی تیاری شروع ہو جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے والدین اور فیملی کے دیگر افراد بہت باقاعدگی اور اہتمام سے روزہ رکھتے تھے۔ والدہ صاحبہ سب روزے رمضان المبارک کے ایام میں مکمل کر لیتے تھے اور اس کے بعد شوال کے چھ روزے بھی رکھتے تھے۔ جب تک آپ کی صحت ٹھیک رہی مکمل روزے رکھتی رہیں۔ ہماری فیملی ان مبارک ایام سے بھرپور فیضیاب ہوتی تھی اور ہمیں مکمل روزے رکھنے کی توفیق ملی تھی۔ خصوصا ان ایام میں عبادات پر زور ہوتا تھا۔ نماز باجماعت کی

ادائیگی تو عام دنوں میں بھی فرض ہے۔اس کے علاوہ آپ دن رات قرآن کریم کی تلاوت فرماتیں ۔رمضان المبارک کے ایام میں ایک سے زائد بار قرآن کریم کا دور مکمل کرتیں۔ ہمارے گھر کا ماحول بہت روحانی ہوتا تھا۔ نوافل، تراویح، تہجد کے وقت رات کو ادا فرماتیں۔عشاء کے بعد باجماعت تراویح ہوتی۔اکثر بیٹیوں نے سحری تیار کی ہوتی اسی طرح افطاری میں بھی بیٹیاں ہاتھ بٹاتیں۔اس مہینہ میں صدقات اور خیرات کثرت سے کی جاتی۔روزہ افطار بھی کرواتیں۔اڑوس پڑوس میں روزہ افطار کیلئے انکے گھر میں چیزیں بھجوائی جاتیں تا گھر کے سب روزہ دار روزہ افطار کر سکیں۔

عمومی طور پر رمضان مبارک شروع ہونے سے قبل درج ذیل کام سرانجام دیئے جاتے۔

1۔سارے گھر کی سفیدی کی جاتی اور دیگر چیزوں کی صفائی ستھرائی کر لی جاتی تا رمضان المبارک کے روزے اچھے اور صاف ستھرے ماحول میں ادا کئے جائیں اور رمضان شریف کے اختتام پر "عیدالفطر" صاف ماحول میں پڑھی جا سکے اور روزوں کے دوران اور عید کے موقع پر اور اس کے بعد ملنے آنے والے مہمانوں کو صاف ستھرا ماحول میسر ہو۔

2۔رمضان المبارک کے ایام میں مسجد احمدیہ میں پانچوں نمازیں باجماعت پڑھنے اور درس قرآن کریم کا اہتمام ہوتا تھا۔احباب جماعت مرد وزن بھرپور مستفیض ہوتے تھے۔اس کے ساتھ اس کی نسبت سے اپنے پہننے والے کپڑوں اور فیملی کے افراد کے کپڑوں کی دھلائی اور صفائی کروالی جاتی اور خوشبو لگائی جاتی تھی تا مسجد میں صاف کپڑے پہن کر جایا جائے۔

3۔والدہ صاحبہ" جائے نماز" کو دھو کر خوشبو لگا کر تیار رکھتیں۔جب رمضان شریف شروع ہوتا تو" جائے نماز" ساتھ لے کر مسجد میں جایا کرتی تھیں۔

4۔گھر میں عبادت کیلئے کمرہ کے ایک کونہ میں جگہ مخصوص کر لیتی تھیں۔جہاں وہ نمازیں ،نوافل ادا کرتیں ،قرآن کریم کی تلاوت بھی کرتیں۔آپ سارا رمضان المبارک اسی مخصوص جگہ پر عبادات سے گزراتیں اللہ تعالیٰ کو پکارتیں اور اللہ تعالیٰ کے آگے روتے اور چلاتے گزارتیں۔الحمدللہ

اپنے بچوں کی اعلیٰ تربیت

اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے آپ نے اپنے بچوں کی اسلام اور احمدیت کی حقیقی روح کے ساتھ اعلیٰ تربیت کی ہے۔خصوصاً نمازوں میں پابندی اختیار کرنے اور نماز باجماعت مسجد میں ادا کرنے ،قرآن مجید پڑھنے خصوصاً علی الصبح قرآن مجید کی تلاوت کرنے سے باقاعدگی اختیار کرنے اور خلافت کے ساتھ صدق ووفاء کا گہرا تعلق رکھنے کے سلسلہ میں خاص عمل دخل ہے اور بہت محنت کی ہے۔

بچوں کو نماز باجماعت ادائیگی بارے تلقین

جب ہم بچے تھے تو آپ ہمیں نماز پڑھنے کی تلقین کرتی رہتی تھیں اور ہمیں تیار کر کے مسجد میں بھیجا کرتی تھیں اور ہم میں ذوق و شوق اس قدر ہو گیا تھا کہ ہم بچے باقاعدگی سے نماز باجماعت پڑھنے مسجد میں جانا شروع ہو گئے تھے البتہ بعض دفعہ صبح فجر کی نماز گھر میں ہی پڑھ لیتے تھے اور بعض دفعہ صبح کی نماز کیلئے بیدار ہونے سے سستی دکھلاتے تو والد صاحب یا بڑے بھائی منہ پر پانی کے چھینٹے ڈالتے تھے اور پھر ایک وقت ایسا آیا کہ خود ہی آذان کی آواز سن کر اٹھ جایا کرتے تھے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ والدین نماز کے معاملے میں سخت رویہ رکھتے تھے ہمیں کھانا اس وقت ملتا تھا جب ہم نماز پڑھ لیتے تھے۔ورنہ کھانا نہیں ملتا تھا۔

نماز باجماعت بارے ذاتی واقعہ

میں نے پانچویں تک تعلیم گورنمنٹ سکول احمد نگر میں حاصل کی اور چھٹی جماعت میں تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ میں داخلہ لے لیا تھا۔ہم کافی لڑکے احمد نگر سے ربوہ سکول آیا جایا کرتے تھے جب میں ربوہ سکول سے گھر پہنچتا تو والدہ صاحبہ کہتیں کہ" ابھی نماز کا وقت ہے، پہلے مسجد میں نماز پڑھ آو" اگر میں اظہار کرتا کہ امی شدید دھوپ سے آیا ہوں اور سخت بھوک لگی ہے نماز گھر پڑھ لیتا ہوں مگر والدہ صاحبہ محبت پیار سے سمجھا کر مسجد بھیج دیتیں۔

احمد نگر میں ہمارا گھر ربوہ سکول سے احمد نگر پہنچنے کے بعد مسجد احمدیہ سے گذر کر آتا تھا۔چنانچہ میں نے فیصلہ کر لیا کہ" گھر جانے کی بجائے مسجد میں نماز پڑھ کر گھر جایا کرونگا۔کیونکہ اگر میں گھر پہنچ جاونگا تو مجھے کونسا کھانا مل جانا ہے اور مجھے نماز پڑھنے کیلئے مسجد میں ہی آنا ہوگا۔لہذا بہتر ہے کہ سکول سے آتے ہوئے سیدھے مسجد میں ہی چلا آیا کروں چنانچہ اس طریق کو اپناتے

ہوئے ربوہ سکول سے احمد نگر پہنچ کر سیدھا مسجد میں ہی چلا جایا کرتا تھا اور بستہ مسجد میں ایک طرف رکھ دیتا تھا اور نماز با جماعت ادا کرنے کے بعد گھر آتا تھا اور ہمیشہ اس طریق پر مسلسل عمل پیرا رہا"

تلاوت قرآن کریم

محترمہ والدہ صاحبہ کو قرآن کریم کی تلاوت سے خاص عشق تھا۔آپ کہا کرتی تھیں کہ جب ہم بچے تھے تو آپ اپنی گود میں لیکر تلاوت کرتیں، تاکہ ہم بچوں کو بھی تلاوت کا شوق پیدا ہو۔جب ہم سکول جاتے تو صبح قرآن کریم کی تلاوت ضرور کرتے بفرض محال اگر سکول سے لیٹ ہو رہے ہوتے تو ایک دو آیات ہی پڑھ لیتے یا جو سورت زبانی یاد ہوتی اسی کی تلاوت خوش الحانی سے کر لیتے ،پھر ناشتہ کر کے سکول جایا کرتے تھے۔علی الصبح تلاوت قرآن کریم ضرور کی جاتی تھی۔

افراد خانہ کو تلاوت قرآن کریم کی تلقین

اللہ تعالیٰ کے فضل سے گھر کا ہر فرد روزانہ نماز فجر کے بعد تلاوت قرآن کریم کرتے اور ساتھ ساتھ ترجمہ بھی بڑھتے۔الحمد اللہ یہ عادت محض والدین کی توجہ و تربیت کا نتیجہ ہے کہ ہم سب اس پر عمل پیرا ہیں۔

بچپن میں بعض دفعہ والدین کی سختی کی وجہ سے ہم اظہار ناراضگی کرتے تھے تو ماں کی متا فرط محبت جوش میں آجاتی اور پیار کرتیں۔ہم بھی اپنی والدہ سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور ہر ممکن ان کی اطاعت اولین فرض سمجھتے تھے مگر یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ والدہ کا حق ادا کر دیا بلکہ ہم جو خدمت کرتے ہیں انکی دعائیں حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں۔اس موقع کی مناسبت سے ایک حدیث پیش ہے۔

ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَا شَكَّ فِيهِنَّ دَعْوَةُ الْوَالِدِ وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ "

(سنن ابی دواؤد حدیث نمبر 1536)

یعنی تین دعائیں خدا کے فضل سے ضرور قبول ہوتی ہیں۔

اول: ماں باپ کی دعا جو وہ اپنے بچوں کی بہتری کیلئے تڑپ تڑپ کر کرتے ہیں۔

دوسرے: مسافر کی دعا جو وہ سفر کی پریشانیوں اور کوفتوں میں گھرے ہوئے خدا کے حضور کرتا ہے اور

تیسرے: مظلوم شخص کی دعا جو اپنے ظلموں سے تنگ آکر خدا کو پکارتا ہے۔

حق یہ ہے کہ ماں باپ کی دعا اولاد کے حق میں اکسیر کا رنگ رکھتی ہے کیونکہ دعا کی قبولیت کے لئے جس قسم کے قلبی جذبہ اور ذہنی کیفیت کی ضرورت ہوتی ہے وہ ماں باپ کی دعا میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔پس تربیت کے ظاہری اسباب کو اختیار کرنے کے علاوہ اسلام یہ زرین ہدایت بھی فرماتا ہے کہ ماں باپ کو چاہئے کہ اپنے بچوں کیلئے ہروقت دعائیں لگے رہیں۔والدین کی ناراضگی ایک قہر الٰہی سمجھو کیونکہ خدا تعالیٰ نے اپنے حقوق کے ساتھ والدین کے حقوق کے مساوی کر دیئے ہیں۔جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ (لقمان 15)

میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (البقرہ 84)

اور والدین سے احسان کا سلوک کروگے۔

ان آیات میں حکم سخت تاکید کرتا ہے کہ تو پھر والدین کی ناشکری قہر الٰہی کا موجب کیوں نہ ہو۔اللہ تعالیٰ نے والدین کی درد بھری دعاوں میں بے انتہاء تاثیرات چھپا رکھی ہیں ۔کیونکہ ان کی آہیں خالص اور دعائیں حقیقی اور بغیر کسی طمع اور لالچ کے ہوا کرتی ہیں۔

احمدی بچے و بچیاں اور غیر بھی قرآن کریم پڑھنے آتیں

والدہ صاحبہ احمد نگر میں احمدی بچیوں اور بچوں اور غیر از جماعت بچوں کو" قرآن کریم" ناظرہ پڑھایا کرتی تھیں۔نیز قرآن کریم کا ابتدائی حصہ اور آخری دس سورتیں زبانی یاد کرواتیں اور ان کا ترجمہ بھی یاد کرواتیں ہم بچے بھی ان بچوں میں بیٹھ کر پڑھتے رہے ہیں۔ہم نے والدہ صاحبہ سے ہی قرآن کریم پڑھا ہے۔بچوں کو قرآن کریم پڑھانے کا سلسلہ صبح فجر کی نماز کے بعد شروع ہوتا تھا اور شام تک جاری رہتا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ قرآن کریم لکڑی کی رہل پر رکھا ہوتا تھا۔بچے صبح نماز فجر کے بعد آنا شروع ہوتے تھے اور یہ سلسلہ شام تک جاری رہتا تھا۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے بچوں کو پڑھانے کا سلسلہ آپ کی زندگی کے آخری سانس تک جاری رہا اور سینکڑوں بچے قرآن مجید کے نور سے منور ہوئے۔

بعض بڑی عمر کی عورتیں تھیں جنہیں قرآن مجید پڑھنا نہیں آتا تھا۔ جب انہیں قرآن کریم پڑھنے کی طرف توجہ دلائی گئی تو وہ بھی قرآن کریم پڑھنے کے لئے مشروط تیار ہو گئیں۔ انہوں نے کہا کہ انہیں چھوٹے بچوں میں بیٹھ کر پڑھنے سے شرم محسوس ہوتی ہے لہذا انہیں اپنے گھر میں آ کر پڑھایا جائے۔ چنانچہ والدہ صاحبہ ان کے گھر جا کر پڑھاتی رہی ہیں۔

قرآن کریم بلا معاوضہ پڑھایا

اللہ تعالیٰ کے فضل سے سب بچوں کو قرآن کریم بلا معاوضہ پڑھایا بلکہ یہاں تک کہ جن بچوں نے قرآن کریم مکمل پڑھنے کے بعد ''آمین'' کی مبارک تقریب منعقد کی ہے اس موقع پر کسی بچے نے تحفہ دینے کی خواہش کا اظہار کیا ہے تو والدہ صاحبہ نے بڑے پیار سے سمجھا کر ایسا کرنے سے منع کر دیا تھا۔ اسکا بچوں اور ان کے والدین پر بہت اچھا اثر تھا اس وجہ سے بھی پڑھنے والے بچوں کی تعداد روزانہ کافی زیادہ ہوتی تھی۔

قرآن کریم پڑھنے والوں پر وقت کی پابندی نہیں تھی

قرآن کریم پڑھنے آنے والے بچے صبح فجر کی نماز کے بعد شروع ہوتے اور شام تک آنے اور جانے کا سلسلہ جاری رہتا۔ بچوں کو یہ سہولت دی ہوئی تھی کہ وہ جس وقت قرآن کریم پڑھنے کے لئے آسکتے ہیں، آ جائیں۔ وقت کی کوئی پابندی نہ تھی۔

جماعتی خدمات و دلی وابستگی

والدہ صاحبہ کی دنیاوی تعلیم کم تھی مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کو دینی ماحول ملا تھا۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ اور صحابیات اور قادیان کی صالحین کی مجالس اور والدین کے دینی ماحول سے فیضیاب ہوتی رہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعتی خدمات میں نمایاں جذبہ اور لگاؤ نظر آتا تھا۔ دعوت الی اللہ میں پیش پیش رہتی تھیں۔ صدر لجنہ اماء اللہ جماعت احمدیہ احمد نگر کو آپکا پورا تعاون رہتا اور ہر پروگرام میں شامل ہوتی تھیں۔ آپ صدر لجنہ کا دایاں بازو تھیں۔ آپ نے جماعت احمدیہ احمد نگر میں سیکرٹری وصایا کے طور پر بہت کام کیا ہے۔

مثالی مہمان نوازی

آپ مثالی مہمان نواز تھیں۔ آپ ہمیشہ کہا کرتی تھیں کہ خدمت کے لئے ضروری ہے کہ مخلصانہ تعلقات ہوں، خدمت کا جذبہ ہو اور جوش پیدا ہو۔ تو تب دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ آپ کا اپنوں اور غیروں میں بہت وسیع تعلق تھا۔ آپ کو اپنے اور پرائے مع فیملی ملنے آتے تھے۔ آپ آنے والوں کو خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہتیں اور ہر ممکن خاطر تواضع کرتیں اور حتی الوسع مہمان کو کھانا کھلائے بغیر نہ جانے دیتیں۔ چونکہ والد صاحب زمینداری کرتے تھے اس وجہ سے مہمان کی خواہش اور فرمائش کے مطابق مکئی کی روٹی اور ساگ کا سالن کھانے میں ضرور ہوتا بلکہ مہمان کی واپسی پر مکئی کی روٹی اور ساگ کا سالن ساتھ دیا جاتا۔ گنے اور مکئی کے چھلے دیہاتی ماحول کی سوغات ہوتی ہیں۔

خلافت سے فدایانہ تعلق

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اور آپ کے خلفاء سے محبت وادب اور وفاء کا تعلق تھا۔ آپ ہر ملنے والوں کو تلقین کرتیں کہ خلافت سے دل وجان سے محبت اور وفاء کا تعلق رکھیں اور آپ کے وقار اور کردار سے خلفاء کے ساتھ تعلق ظاہر ہونا چاہئے۔

آپ اکثر خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیگمات، دیگر مبارک وجود سے ملنے ربوہ تشریف لاتیں۔ اسی طرح اپنے عزیزان، رشتہ داروں کو بھی ملنے ربوہ آتیں۔ میں چھوٹا تھا اور آپ مجھے اکثر اپنے ساتھ لے لیتی تھیں۔ آپ کے طفیل ہی مجھے خاندان مسیح موعود علیہ السلام کے بزرگان کا بہت قریب سے دیکھنے کا شرف نصیب ہوا۔ اور میں اپنی والدہ صاحبہ کا شکر گزار ہوں اور آپ کو اور ان بابرکت لمحات کو یاد کرتا رہتا ہوں۔ اس موقع پر اپنے بہت ہی پیارے اور مبارک دو وجودوں کا ذکر کروں گا۔

پہلا مبارک اور عظیم وجود حضرت المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی زیارت

ایک روز والدہ صاحبہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اور حضرت بیگم صاحبہ سے ملنے قصر خلافت پہنچیں اور حضرت بیگم صاحبہ سے ملیں اور کچھ دیر تک محو گفتگو رہیں اس کے بعد والدہ صاحبہ نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ سے

ملاقات (زیارت) کا اظہار کیا۔حضرت بیگم صاحبہ ہمیں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے کمرہ میں لے گئیں ۔والدہ صاحبہ نے کمرہ میں داخل ہوتے ہی حضور رضی اللہ عنہ کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا۔حضرت بیگم صاحبہ نے حضور کو کہا کہ "شمس صاحب کی ہمشیرہ ملنے آئی ہیں اور آپ کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ رہی ہیں۔" حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے زیر لب کچھ فرمایا۔۔۔۔جس کا علم نہیں ۔میں اس وقت تیرہ چودہ سال کا ہونگا۔حضور ایدہ اللہ تعالیٰ چار پائی پر لیٹے ہوئے تھے گرمی کا موسم تھا۔حضرت بیگم صاحبہ نے حضور کو پنکھا جھلنا شروع کر دیا۔والدہ صاحبہ اور میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے بائیں جانب سرہانہ کے قریب کھڑے تھے حضور اپنے چہرہ مبارک کو کبھی دائیں اور کبھی بائیں جانب حرکت دے رہے تھے ۔جیسے حضور سخت کمزوری اور نقاہت محسوس فرما رہے ہوں۔میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔حضور کے چہرہ مبارک پر نور ہی نور تھا۔آپ رضی اللہ عنہ سفید لباس زیب تن تھے اور سر پر رومال باندھا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر تک ہم خاموش کھڑے حضور کو دیکھتے رہے پھر والدہ صاحبہ نے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ سے اپنے درویش بیٹے (خواجہ احمد حسین صاحب) کے لئے دعا کی درخواست کی ۔حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے درویش بیٹے کا نام سنتے ہی اپنا چہرہ مبارک ہماری طرف کیا اس وقت چہرہ مبارک پر حسین مسکراہٹ تھی اور لب مبارک حرکت کر رہے تھے جیسے کچھ فرما رہے ہوں مگر کمزوری کی وجہ سے بولنے کی طاقت نہ تھی۔اس کے ساتھ ہی والدہ صاحبہ نے حضور رضی اللہ عنہ سے اجازت چاہی اور حضور کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر کمرہ سے باہر آ گئے ۔حضرت بیگم صاحبہ کو بھی السلام علیکم کہا اور واپسی کیلئے دروازہ کی طرف چل پڑے اور حضرت بیگم صاحبہ بھی ہمیں دروازہ تک چھوڑ کر واپس تشریف لے گئیں۔یہ خاکسار کی حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ سے پہلی اور آخری ملاقات تھی۔

دوسرے مبارک اور عظیم وجود ''قمر الانبیاء''

ایک روز والدہ صاحبہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ ایم اے ''قمر الانبیاء'' ناظر خدمت درویشاں کو ملنے ربوہ "کوٹھی البشریٰ" تشریف لائیں۔کوٹھی کا گیٹ حضرت میاں صاحب رضی اللہ عنہ کے خادم بشیر احمد صاحب عرف موٹا نے کھولا اور ہم کوٹھی کے اندر داخل ہو گئے۔سب سے پہلے حضرت بیگم صاحبہ سے ملے۔حضرت بیگم صاحبہ گھر کے صحن میں کرسی پر تشریف فرما تھیں۔والدہ صاحبہ بھی سامنے والی کرسی پر تشریف فرما ہوئیں اور باہمی گفتگو فرماتی رہیں۔سیر حاصل گفتگو کے بعد والدہ صاحبہ نے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب "قمر الانبیاء" سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا۔حضرت بیگم صاحبہ نے والدہ صاحبہ کو اپنے ساتھ لیا اور ہمیں اس جگہ لے گئیں جہاں حضرت میاں صاحب رضی اللہ عنہ نے اپنا آفس بنا رکھا تھا۔آپ رضی اللہ عنہ وہاں دفتری اور دیگر امور سرانجام دیتے تھے ۔اپنے بیڈروم کے سامنے برآمدہ کو بند کر کے آفس بنایا ہوا تھا۔اس آفس کا دروازہ برآمدہ کی طرف کھلتا تھا۔حضرت بیگم صاحبہ نے آفس کا دروازہ کھولا اور حضرت میاں صاحب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ

"خواجہ احمد حسین صاحب درویش کی والدہ آپ سے ملنے آئی ہیں"

آپ رضی اللہ عنہ نے ہمیں اندر بلا لیا۔جب ہم اندر داخل ہوئے تو حضرت میاں صاحب رضی اللہ عنہ نے عزت بخشی،آپ نے کھڑے ہو کر درویش کی والدہ کو سلام کا جواب دیا اور میز کے سامنے پڑی کرسیوں پر تشریف رکھنے کا فرمایا اور ہم ان کرسیوں پر بیٹھ گئے ۔والدہ صاحبہ اور حضرت میاں صاحب رضی اللہ عنہ آپس میں باتیں کرتے رہے،باہمی سوال جواب ہوئے۔حضرت میاں صاحب رضی اللہ عنہ ہمدردی کا اظہار فرماتے رہے اور دعائیہ کلمات فرماتے رہے۔مجھے اس سے زیادہ کچھ یاد نہیں ۔میں تو خاموشی سے سنتا رہتا تھا چنانچہ تھوڑی دیر بعد والدہ صاحبہ نے واپسی کی اجازت چاہی اور کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئیں تو حضرت میاں صاحب رضی اللہ عنہ نے والدہ صاحبہ سے پوچھا کہ "کیا آپ کو بیٹے سے ملنے کو دل نہیں چاہتا؟" والدہ صاحبہ نے جواباً کہا کہ دل کرتا ہے کہ بیٹے کو ملنے قادیان جاؤں۔والدہ صاحبہ جب گھر سے ملاقات کے لئے چلی تھیں تو آپ نے کہا تھا کہ وہ میاں صاحب سے کہیں گی کہ وہ بیٹے سے ملنا چاہتی ہیں مگر ملاقات کے وقت مصلحتاً کوئی بات نہیں کی ۔حضرت میاں صاحب رضی اللہ عنہ نے ایک کاغذ پر کچھ لکھا اور وہ

تحریر بند کر کے والدہ صاحبہ کو دے دی اور حضرت میاں صاحب رضی اللہ عنہ نے مجھے اپنے پاس بلایا اور اپنا دست شفقت میرے سر پر رکھتے ہوئے مجھ سے پوچھا کہ کتنی میں پڑھتے ہیں؟ میں نے کہا آٹھویں میں اور شاباش دی اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ والدہ صاحبہ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ یہ چھٹی بیٹے کے ذریعہ دفتر خدمت درویشاں میں پہنچا دیں۔

چنانچہ میں اگلے روز صبح سکول جاتے ہوئے صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر میں خدمت درویشاں کے آفس کا پوچھ کر پہنچ گیا۔ دفتر کے اندر داخل ہوتے ہی دیکھا ایک کارکن کام کر رہے ہیں اس کارکن کو وہ چھٹی دے دی انہوں نے چھٹی پڑھی اور مجھے کہا کہ اپنے ابو کی تین تصاویر دے جانا۔ چنانچہ میں اگلے روز صبح سکول آتے ہوئے دفتر خدمت درویشاں میں تین تصاویر اسی کارکن کو دیکر سکول چلا گیا۔ غالباً دو اڑھائی ہفتہ کے بعد ہی والدین کے ویزے لگ کر پاسپورٹ مل گئے تھے یہاں یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے یہ ویزہ پر آنے والے اخراجات کا مطالبہ دفتر نے ہم سے نہیں کیا۔ بلکہ والدہ صاحبہ کو دفتر کی طرف سے کچھ رقم اخراجات سفر قادیان دی گئی تھی۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ کو اپنے درویشانِ قادیان اور ان کے والدین اور لواحقین سے بہت محبت اور پیار کا سلوک فرماتے اور ان کی ضروریات کا بھی خیال رکھتے تھے۔ دفتر خدمت درویشان کی طرف سے والدین کے پاسپورٹ اور ضروری ہدایات مل جانے کے بعد والدین تقریباً دو ماہ قادیان رہنے کے بعد واپس پاکستان تشریف لائے یہ والدین کا بڑا تاریخی سفر تھا۔

رہائش

والدین 1947ء کو قادیان سے ہجرت کر کے پاکستان آ گئے اور ابتدائی ایام رتن باغ قیام کے بعد حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد پر لاہور سے احمد نگر رہائش پذیر ہو گئے اور زندگی کے شب و روز احمد نگر ہی گزارے۔

خاکسار فضل عمر ہسپتال ربوہ میں ملازمت کرتا تھا اور مجھے صدر انجمن احمدیہ کا کوارٹر ملا ہوا تھا۔ خاکسار جب کوارٹر میں شفٹ ہوا تو والدین کو اپنے پاس لے آیا تھا۔ والد صاحب محترم پہلے ہی وفات پا چکے تھے اور والدہ صاحبہ بھی بیمار رہتی تھیں اور دن بدن کمزور ہو رہی تھیں۔ حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب چیف میڈیکل آفیسر کے زیر علاج تھیں۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے والدہ صاحبہ کا ہر ممکن علاج فرمایا۔ ہر قسم کے ٹیسٹ کروائے گئے تمام ٹیسٹ رپورٹس درست تھیں مگر بیماری کی تشخیص نہ ہو سکی۔ بہر کیف علاج پوری توجہ اور باقاعدگی سے ہوتا رہا مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا اور ہم سب آخری وقت سے بے خبر تھے۔

ماں رحمت کا دریا

ماں پیار ہے، محبت ہے اور عظیم ہستی، الفت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں۔ ”ایک ماں بوجہ اس تعلق کے جو اپنے بیٹے سے رکھتی ہے اور جانتی ہے کہ وہ بیٹا اس سے پیٹ سے نکلا ہے اور اس کی چھاتیوں کا دودھ پیا ہے اس کے لئے ایک رحمت کا دریا ہوتی ہے۔“

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 56)

ماں باپ تیری جنت اور دوزخ ہیں

اپنے ماں باپ کی خدمت کر کے اور ان کا دل خوش کر کے اپنے لئے بہشت کا ٹکٹ حاصل کرنے اور راحت حاصل کرنے کے مترادف ہے۔ پیارے آقا سیدنا حضرت محمد مصطفی ﷺ اس طرح خوش خبری عطا فرماتے ہیں کہ

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ ماں باپ کا اولاد پر کیا حق ہے؟ فرمایا ”وہ دونوں تیری جنت اور دوزخ ہیں۔“

(سنن ابن ماجہ کتاب الادب باب بر الوالدین حدیث نمبر 355)

خدمت والدین

اولاد کے لئے والدین سایہ رحمت ہیں اس مختصر زندگی میں جس کسی کو اس رشتہ کا موقع میسر آ جائے۔ خوب خدمت کریں ہوسکتا ہے کہ یہ وقت اور لمحہ دوبارہ نصیب نہ ہو۔

خدمت والدین بارے ارشاد ہے کہ

ایک بزرگ حج کا قصد کر کے بغداد میں ابو حازم سے ملاقات کے لئے پہنچے تو آپ آرام فرما رہے تھے۔ چنانچہ کچھ دیر انتظار کے بعد جب آپ

بیدار ہوئے تو فرمایا کہ

''میں خواب میں رسول اکرم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا اور رسول اللہ ﷺ نے آپ تک ایک ایسا پیغام پہنچانے کا حکم دیا ہے کہ آپ اپنی والدہ کے حقوق کو نظر انداز نہ کریں کیونکہ یہ حج کرنے سے کہیں بہتر ہے۔لہذا واپس جائیے اور والدہ کی خوشی کا خیال رکھیئے چنانچہ وہ حج کا قصد ترک کر کے واپس ہو گئے۔(تذکرۃ الاولیاء باب 7 ص 35)

وفات

خاکسار کی ہمشیرہ محترمہ امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ اہلیہ مکرم ومحترم مولانا بشیر احمد صاحب قمر مربی سلسلہ کا کوارٹر میرے کوارٹر سے چند گز دوری پر ہے۔محترمہ ہمشیرہ صاحبہ نے خواہش کا اظہار کیا کہ امی کو اپنے پاس لے جاتی ہوں، وفات سے چند دن پہلے اپنے پاس لے گئیں۔آپ مورخہ 29 اگست 1982ء کو رات باتیں کرتے سو گئیں آپ ہمیشہ صبح نماز فجر سے قبل بیدار ہو جاتی تھیں اور آپ کو وضو کروایا جاتا تھا۔چند روز سے طبیعت کافی کمزور ہو چکی تھی۔وفات کی رات میں خود کافی رات گئے تک والدہ صاحبہ کے پاس رہا۔مجھ سے باتیں بھی کرتی رہیں۔صبح اکثر آواز دے دیتی تھیں مگر اس روز کوئی آواز نہ آئی تو ہمشیرہ نے آواز دی مگر والدہ صاحبہ کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا اور آپ کو حرکت دی گئی تو معلوم ہوا کہ آخر خدائی تقدیر غالب آئی اور آپ چشم زدن میں اس جہان فانی سے رحلت فرما کر اپنے مولیٰ حقیقی سے جا ملیں ہیں۔انا للہ

وانا الیہ راجعون

آپ کا وصال مورخہ 29 اگست 1982ء کو تہتر 73 سال کی عمر میں ہوا۔آپ موصیہ تھیں اور آپ کا وصیت نمبر 1949-5-31/7554 تھا۔آپ کی تدفین بہشتی مقبرہ ربوہ میں ہوئی۔اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا کرے۔آپ کے ساتھ خصوصی محبت کا سلوک کرے اور آپ کے درجات قرب کو ہر لمحہ وہر آن بڑھاتا چلا جائے۔

کتنی سونی ہے میرے گھر کی فضاء تیرے بعد
کون دے گا مجھے جینے کی دعا تیرے بعد

❁❁❁❁❁❁❁❁



کبھی دیر نہ کرنا

قریشی داؤد احمد ساجد

اٹھو نیکی کمانے میں کبھی بھی دیر نہ کرنا
جفائیں بھول جانے میں کبھی بھی دیر نہ کر نا
میری اک عرض ہے پیارو نصیحت ہے فقیرانہ
اسے دل میں بٹھانے میں کبھی بھی دیر نہ کرنا
مریضِ لادوا کو رات کا گریہ شفا دے گا
یہ نسخہ آزمانے میں کبھی بھی دیر نہ کرنا
تمہیں شامل کرے گا ایک دن وہ سر بلندوں میں
مگر سر کو جھکانے میں کبھی بھی دیر نہ کرنا
تمہارے واسطے جلدی کھلے یا دیر سے وہ در
اسے تم کھٹکھٹانے میں کبھی بھی دیر نہ کرنا
وہ مالک ہے دعا سن لے گا تیری جب وہ چاہے گا
تو ہاتھوں کو اٹھا نے میں کبھی بھی دیر نہ کرنا
خدا کے پاک ناموں میں سکونِ قلب ہے پنہاں
انہیں تم گنگنانے میں کبھی بھی دیر نہ کرنا
میں خالی ہاتھ یارب! در پہ تیرے آن بیٹھا ہوں
میری بگڑی بنانے میں کبھی بھی دیر نہ کرنا
میرے پھیلے ہوئے ہاتھوں کی رکھ دے لاج اے مولا!
خدارا! مان جانے میں کبھی بھی دیر نہ کرنا
میرے سجدے میری بخشش کا باعث بن نہیں سکتے
تو مجھ پر رحم کھانے میں کبھی بھی دیر نہ کرنا
بہت اب ہو چکی مالک بخش دے سب خطاؤں کو
میری خوشیاں لوٹانے میں کبھی بھی دیر نہ کرنا
تیرے ''کن'' کی تمنا دل میں لے کر جی رہے ہیں ہم
تو ہونٹوں کو ہلانے میں کبھی بھی دیر نہ کرنا
تیرے فضلوں کی بارش کے لئے ساجدؔ ترستا ہے
گھٹائیں لے کے آنے میں کبھی بھی دیر نہ کرنا



شعیب سڈل رپورٹ سے پاکستان کو کیا خطرہ لاحق ہے؟

چوہدری کولمبس خان، مہدی آباد جرمنی

کچھ عرصہ قبل سپریم کورٹ کے حکم پر اقلیتوں کے حقوق کے بارے میں قائم کردہ ایک رکنی کمیشن کی رپورٹ عدالت عالیہ کو پیش کی گئی۔ اس رپورٹ کے پہلے حصے میں سفارش کی گئی تھی کہ مختلف تدریسی جماعتوں کے کورس میں اسلامی تعلیمات پر مشتمل کورس صرف اسلامیات کی نصابی کتب میں شامل کیا جائے۔ اور دوسرے مضامین مثال کے طور پر اردو، انگریزی اور مطالعہ پاکستان کی کتب میں مذہبی مواد شامل نہ کیا جائے۔

جیسا کہ توقع تھی کئی حلقوں کی طرف سے اس رپورٹ پر شدید ردعمل کا اظہار کیا گیا۔ پنجاب کے گورنر چوہدری سرور صاحب اور سپیکر پنجاب اسمبلی پرویز الٰہی صاحب نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ ملک کی اکثریت ان سفارشات کو پسند نہیں کرے گی۔ متحدہ علما بورڈ کے صدر طاہر اشرفی صاحب ملک میں مذہبی ہم آہنگی کو فروغ دینے کے ذمہ دار بھی بنائے گئے ہیں۔ انہوں نے ایک پریس کانفرنس میں فرمایا کہ متحدہ علماء بورڈ اس رپورٹ کو مسترد کرتا ہے اور پنجاب حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ ان سفارشات کو پیش کرنے والوں کے خلاف کارروائی کی جائے۔ انہوں نے کہا کہ اس رپورٹ کی سفارشات پاکستان کی نظریاتی بنیادوں کے خلاف ہیں۔

امیر جماعت اسلامی سراج الحق صاحب نے کہا کہ ایک نصاب کے نام پر مغربیت اور لبرل ازم کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے ایک قدم اور آگے جا کر اس رپورٹ کو نہ صرف مسترد کیا بلکہ اسے پاکستان کے آئین کے خلاف بھی قرار دیا۔

جہاں تک پنجاب کے گورنر اور سپیکر صاحب کے بیان کا تعلق ہے تو یہ واضح ہونا چاہیے کہ اس رپورٹ کا مقصد ملک کی اکثریت کو خوش کرنا نہیں تھا بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ ملک میں مذہبی اقلیتوں کے حقوق کی پامالی کے سلسلہ کو روکا جائے۔ اس لئے اس قسم کی رپورٹ پر یہ نکتہ اٹھانا کہ اس سے اکثریت ناراض ہو جائے گی ایک بے معنی بات تھی۔ طاہر اشرفی صاحب نے ان تجاویز کو پیش کرنے والوں کے خلاف کارروائی کا مطالبہ تو کر دیا لیکن کس پاداش میں؟ آخر انہوں نے کیا جرم کیا ہے؟ کیا طاہر اشرفی صاحب کی رائے کے خلاف رائے کا اظہار کرنا جرم ہے؟ اور سراج الحق صاحب کا دعویٰ اور بھی خوب ہے۔ ان تجاویز میں آئین پاکستان کی کون سی شق کی مخالفت کی گئی ہے؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ شعیب سڈل صاحب نے آئین پاکستان کی ایک شق کی بنیاد پر ہی اس تجویز کو پیش کیا ہے۔ آئین پاکستان کی شق 22 ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے:

"کسی تعلیمی ادارے میں تعلیم پانے والے کسی شخص کو مذہبی تعلیم حاصل کرنے یا کسی مذہبی تقریب میں حصہ لینے یا مذہبی عبادت میں شرکت کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اگر ایسی تعلیم، تقریب یا عبادت کا تعلق اس کے اپنے مذہب کے علاوہ کسی اور مذہب سے ہو۔۔۔"

آئین کی یہ شق واضح ہے۔ کسی غیر مسلم طالب علم کو اسلامیات کے موضوع پر مواد پڑھنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ موجودہ حکومت پورے ملک میں یکساں تعلیمی نصاب نافذ کرنے کا منصوبہ بنا رہی ہے۔ اس حوالے سے جب اس نصاب کا جائزہ لیا گیا تو اس میں بہت سا ایسا مواد شامل تھا جس میں آئین کی اس شق کی خلاف ورزی کی گئی تھی۔ قواعد کی رو سے صرف مسلمان طلبا کو لازمی طور پر اسلامیات کا مضمون پڑھنا پڑتا ہے۔ غیر مسلم طلبا کے لئے یہ مضمون پڑھنے کی پابندی نہیں ہے۔ لیکن اردو، انگریزی اور مطالعہ پاکستان کے مضامین تو سب طلبا کے لئے لازمی ہیں۔

اس کمیشن نے جب اس پہلو سے حکومت کے تجویز کئے ہوئے نصاب کا جائزہ لیا تو یہ حقیقت سامنے آئی کہ مذہبی مواد اردو، انگریزی اور مطالعہ پاکستان کی نصابی کتب میں بھی شامل کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مواد لازمی طور پر غیر مسلم طلبا کو بھی پڑھنا ہے۔ اور یہ پاکستان کے آئین کی شق 22 کی خلاف

ورزی ہے۔اس طرح یہ الزام تو بالکل بے بنیاد ہے کہ اس رپورٹ میں آئین پاکستان کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اس رپورٹ نے اس بات کی نشاندہی کی ہے حکومت آئین پاکستان کی خلاف ورزی کررہی ہے۔

اس کمیشن نے اپنی رپورٹ کو مرتب کرتے ہوئے وزارت تعلیم سے بھی رابطہ کیا۔اور وزیر تعلیم محترم شفقت محمود صاحب اور سیکریٹری تعلیم محترمہ فرح خان صاحبہ سے بھی مدد لی۔ جب یہ مسئلہ وزارت تعلیم کے عہدیداروں کے سامنے پیش کیا گیا تو ان کا موقف تھا کہ ہم نے یہ ہدایت دی ہوئی ہے کہ جب اساتذہ اس قسم کا موضوع پڑھا رہے ہوں تو غیر مسلم طلبا کو مجبور نہ کریں کہ وہ ان اسباق کو لازمی طور پر پڑھیں۔

اس عذر پر کمیشن کا تبصرہ تھا کہ یہ واضح نہیں ہے کہ اس ہدایت پر کس طرح عمل کیا جائے گا؟ اگر اردو یا انگریزی یا مطالعہ پاکستان پڑھاتے ہوئے کوئی مذہبی سبق آجائے تو غیر مسلم طلبا کو کہا جائے کہ وہ کلاس روم سے باہر چلے جائیں تو یہ بذات خود ایک امتیازی سلوک ہوگا۔اور اس سے اقلیتی مذاہب سے تعلق رکھنے والے طلبا کو مزید مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اس کے علاوہ امتحانات میں سوالات کا مسئلہ بھی ہے۔اردو، انگریزی اور مطالعہ پاکستان کے امتحانی پرچوں میں اسلامیات کے موضوع پر اسباق سے بھی سوالات آسکتے ہیں اور غیر مسلم طلبا کے لئے بھی ضروری ہوگا کہ وہ ان کے جوابات دیں۔ جبکہ آئین کی رو سے ان کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ اپنے مذہب کے علاوہ کسی اور مذہب کی تعلیم حاصل کرنے کے پابند ہوں۔

اگر اس کا یہ حل پیش کیا جائے کہ غیر مسلم طلبا کے لئے علیحدہ سوالات دیے جائیں جو کہ اسلامیات کے اسباق سے تعلق نہ رکھتے ہوں تو یہ بھی ایک امتیازی سلوک ہوگا اور اس سے ممتحن کو بھی علم ہوجائے گا کہ وہ ایک غیر مسلم کا پرچہ چیک کر رہا ہے۔اور اس بنا پر کوئی ممتحن کسی غیر مسلم طالب علم کے ساتھ امتیازی سلوک کرسکتا ہے۔

اس رپورٹ میں کئی معین مثالیں درج کی گئی ہیں کہ حکومت نے پورے ملک کے لئے جو یکساں نصاب تجویز کیا ہے اس میں اسلامیات کے علاوہ دوسرے مضامین کی نصابی کتب میں اسلامیات کے اسباق شامل ہیں۔اور یہ تجویز دی ہے کہ ایسے اسباق کو دوسرے مضامین کی کتب سے نکال کر اسلامیات کی نصابی کتب میں شامل کردیا جائے۔

یہ ہے اس سفارش کا پس منظر۔اور اس تجویز کو غیر آئینی اور پاکستانی کی نظریاتی بنیادوں کے خلاف قرار دیا جا رہا ہے۔ حالانکہ اس سفارش کی بنیاد آئین پاکستان کی ایک شق ہے۔ان سب اعتراضات کو پڑھ کر ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اگر ان کچھ سباق کو اردو، انگریزی اور مطالعہ پاکستان کی نصابی کتب سے نکال کر اسلامیات کی کتاب میں شامل کردیا جائے تو اس سے پاکستان کو یا پاکستانی کی نظریاتی بنیادوں کو یا ملک کی اکثریت کو کیا خطرہ لاحق ہوجائے گا؟

اور یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ آئین کی شق 22 بنیادی حقوق کے باب کا ایک حصہ ہے۔اس باب کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "مملکت کوئی ایسا قانون وضع نہیں کرے گی جو بایں طور عطا کردہ حقوق کو سلب یا کم کرے اور ہر وہ قانون جو اس شق کی خلاف ورزی میں وضع کیا جائے اس خلاف ورزی کی حد تک کالعدم ہوگا۔

(بشکریہ ہم سب)

درود شریف پڑھنا ہر احمدی کے لئے ضروری ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

پس درود شریف کو کثرت سے پڑھنا آج ہر احمدی کے لئے ضروری ہے تا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کے مقصد کو بھی ہم پورا کرنے والے ہوں۔خدا تعالیٰ کی آواز پر ہم لبّیک کہنے والے ہوں۔اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کے دعوے پر پورے اترنے والے ہوں۔صرف نعروں اور جلوسوں سے یہ محبت کا حق ادا نہیں ہوگا جو غیر از جماعت مسلمان کرتے رہتے ہیں۔اس محبّت کا حق ادا کرنے کے لئے آج ہر احمدی کروڑوں کروڑ درود اور سلام اپنے دل کے درد کے ساتھ ملا کر عرش پر پہنچائے۔یہ درود بندوقوں کی گولیوں سے زیادہ دشمن کے خاتمے میں کام آئے گا۔

(خطبۂ جمعہ 16 رجنوری 2015ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)



میری ڈائری کا ایک ورق منگل۔9مارچ 2021

مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

طارق بلوچ (کیل۔جرمن)

ہار جیت، فتح وشکست کوئی چیز نہیں۔مدّمقابل، فرد واحد ہو یا کوئی قوم وکٹری اسٹینڈ (Victory Stand) پر بہر صورت ایک وقت میں ایک ہی فریق کو جگہ ملتی ہے۔دیکھا صرف یہ جاتا ہے فریقین کے درمیان مقابلہ کیسا رہا۔کس نے کتنا زور لگایا، کس قدر جان ماری بھاگ دوڑ سنجیدگی اور دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔غیرت عزت ذلت اور موت وحیات کا مسئلہ بنایا۔آگے نصیب اپنا اپنا۔کہ گاہے ایک فریق محض معمولی یعنی انیس بیس کے فرق سے پٹ اور بیس والے کے سرخوش قسمتی کا تاج سج جاتا ہے۔ہمارا یعنی ''دارالسلام'' (المعروف اسلام کا قلعہ) والوں کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہوا وگرنہ مقابلہ تو واقعی دلِ ناتواں نے خوب کیا۔بس خوبیٔ قسمت سے ''دارالکفر'' والوں نے میدان مار لیا اور ہم تھوڑا سا پیچھے رہ گئے یا یوں کہئے کہ خرابیٔ قسمت سے ہماری ستاروں پہ ڈالنے والی کمندعین اُس وقت ٹوٹ گئی، جب لبِ بام فقط دو چار ہاتھ کی دوری پر رہ گیا تھا۔آہ صد آہ! اور یوں یہ تاریخی معرکہ کفار نے اپنے نام کر لیا اور پھر دل جلانے والی حرکت یہ کی کہ اپنے مرکز ناسا (NASA) کی متعلقہ شاخ میں کھڑے ہو کر مارے خوشی کے جھومتے اور تالیاں بجاتے بھی نظر آئے۔ان ''بدبختوں'' کو اللہ پوچھے۔اگر آج بھی وہ بازی لے گئے ہیں تو اس میں کوئی نئی بات نہیں۔ہم ''صورتِ خورشید'' جینے والے اہل ایمان بھی نہ کسی سے کم ہیں اور نہ ہی اس حقیقت سے بے خبر کہ

ہے جذبۂ جنوں تو ہمت نہ ہار
''جستجو'' جو کرے وہ چھوئے آسماں
''محنت'' اپنی ہو گی پہچان، کبھی نہ بھولو پاکستان

بھلے امریکہ اپنی آبادی اور رقبے وغیرہ کے اعتبار سے ہم پر فوقیت رکھتا ہے، لیکن اگر اس کے پاس دولت ایمان ہی نہیں تو خالی سامانِ فیض اور سامان تفاخر سے کیا حاصل؟

تفصیل اس اجمال کی کچھ یوں ہے کہ امریکی خلائی تحقیق کے ادارے ناسا نے 2.07ارب ڈالر کی لاگت سے 2 سال تک مسلسل ایک عجیب وغریب اور خطرناک ترین منصوبے یعنی پرسیویرنس روور روبوٹ (کسی دوسرے سیارے پر بھیجی جانے والی جدید ترین فلکیاتی وحیاتیاتی لیب) پر کام کیا، 6 پہیوں والا یہ روور 7 ماہ تک مسلسل خلا میں محو سفر رہا اور پھر تقریباً 480 ملین کلومیٹر کی مسافت طے کرنے کے بعد بالآخر 18 فروری 2021 کو باحفاظت نظام شمسی کے چوتھے سیارے مریخ (MARS) پر لینڈ کر گیا۔اہل ناسا کی اس عاشقی صبر طلب اور تمنا بے تاب کے پیچھے کیا شوق جنون کارفرما تھا؟ سائنس دانوں کا خیال تھا وہاں اربوں سالوں پہلے دریا یا جھیل کی باقیات موجود ہیں اور یہ مریخ نور دعین اس وسیع نشیبی مقام بنام جزیرو (Jezero) پر اترا جہاں اسے اتارنا مقصود تھا اور پھر اس جگہ سے مزید 2 کلومیٹر کی مسافت کے بعد وہاں رکا جو مریخ پر جیو، حیاتیاتی تحقیق کے لئے بہترین مقام سمجھا گیا۔

Perseverance Rover Robot اب اس سرخ سیارے (مریخ) پر مائیکربیل (Microbial) زندگی کے آثار، حیاتِ گزشتہ کی تلاش کرے گا۔

کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

الحمدللہ، ہم بھی کوئی ایسے نکمے اور ناکارہ نہیں تاریخ کی اس بڑی جست کا ہم نے بھی کفار کو بڑا بھرپور اور دندان شکن جواب دیا۔ٹھیک ہے وہ کچھ ہم سے آگے نکل گئے اور انیس بیس کے فرق سے یوں جیت گئے کہ ان کی اس کامیابی میں اور اپنی وضع کی ہماری اس عظیم الشان کامیابی کے درمیان فی الواقع انیس بیس دنوں کا ہی وقفہ آیا۔اہل ناسا کی ستاروں سے آگے والے جہان تک رسائی 18۔فروری کو ممکن ہوئی جبکہ ہماری 9۔مارچ 2021 کو۔بدقسمتی سے ہمارا یہ فلک شگاف کارنامہ کچھ اغیار کی سازشوں اور کچھ حالاتِ حاضرہ کی بہتات کے

نیچے دب کر ہر خاص وعام کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔حالانکہ یہ ہمارے دارالحکومت جس کا نام بھی حُسن اتفاق سے ’’اسلام آباد‘‘ ہے، وہاں ہمارے نگہ بلند سخن دلنواز جان پُرسوز رکھنے والے حضرت مولانا عبدالعزیز آف لال مسجد کے دست ہنر سے انجام پایا۔اس کے باقاعدہ آغاز سے پہلے حضرت مولانا مد ظلہ نے پاس موجود عشاق کے ہجوم سے بڑے دردِدل سوز جگر سے مگر مختصراً خطاب بھی فرمایا جس کا لب لباب یہ تھا کہ ہم سب کو مجاہد بننا ہے۔صوفوں والوں کے لئے ہمارے پاس کوئی جگہ نہیں۔ میں خود بھی گھر میں زمین پر بیٹھتا اور حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی طریق کے آدمی اور سخت صوفہ بیزار تھے۔اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے اپنی ’’ناسا‘‘ میں رکھے صوفہ سیٹ کو غیر اسلامی قرار دیتے ہوئے جملہ سائنسدانوں کی بھرپور ’’تربیت‘‘ کے خیال سے نذر آتش کر دیا۔دریں چہ شک،

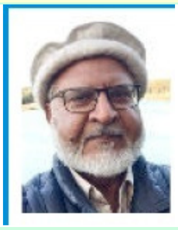
انہیں کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیاد

نئی بستی میں داخل ہونے کی دعا

ترجمہ: اے اللہ! سات آسمانوں اور جس پر اس کا سایہ ہے ان کے رب! سات زمینوں اور جو کچھ انہوں نے اٹھا رکھا ہے ان کے رب! اے شیطانوں اور جن کو انہوں نے گمراہ کیا ہے ان سب کے رب! اے ہواؤں اور جو کچھ وہ اڑاتی ہیں ان کے رب! ہم تجھ سے اس بستی اور اس کے رہنے والوں کی خیر اور بھلائی کی دعا کرتے ہیں اور ہم اس بستی اور اس کے باشندوں اور جو کچھ اس میں ہے اس کے شر سے تیری پناہ میں آتے ہیں۔

اے اللہ! ہمارے لئے اس بستی میں برکت رکھ دے۔اے اللہ! ہمیں اس بستی میں برکت بخش۔اے اللہ! ہمارے لئے اس بستی میں برکت کے سامان رکھ دے۔اے اللہ! ہمیں اس کے پھلوں سے رزق دے اور اس کے باشندوں کے دلوں میں ہماری محبت ڈال اور اس بستی کے نیک بندوں کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا کر دے۔

یہ سید و مولیٰ پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کی کسی نئی بستی میں داخل ہونے کی دعا ہے۔



روحانی خزائن

ڈاکٹر طارق انور باجوہ۔لندن

پانی ہو معرفت کا میسّر اگر رواں
پا جائیں اس کے پینے سے اک دوسرا جہاں
اس سے کریں وضو تو ہو لذّت نماز میں
عرفاں کے پانیوں میں رہیں رات دن یہاں
روحانی مائدہ کے یہ اترے ہیں طشت جو
نازل ہوئے ہیں اُس پہ جو سالارِ کارواں
آبِ حیات یہ جو میسّر ہے روز و شب
چشمے پہ معرفت کے، پیئیں بیٹھ کر یہاں
اشکوں کے صاف پانی سے دھلتے ہیں سب گناہ
سجدوں میں رو، کے التجا کرتے ہیں جب میاں
سیراب پانی جو کرے، جنت کے باغ سب
اعمالِ صالحہ کی ہی نہروں میں ہے رواں
پانی کے ایک گھونٹ سے بجھتی نہیں ہے پیاس
لقمے سے ایک کب بھرے بھوکے کا پیٹ یاں
سیراب ہو ں جو پانی سے عرفان کے یہ روز
سر سبز ہوں یہ کھیت، پھلیں پھولیں گلستاں
اس میکدے سے ملتی ہے جو معرفت کی مے
اس سے سرور پائیں جو، اَسرار ہوں عیاں
بھوکے کو خواب روٹیوں کے آئیں رات بھر
پانی سراب میں ہو میسّر مگر کہاں
طارق بصیرتوں سے، جو محروم تم رہو
کیسے عیاں ہو تم پہ، وہ جو یار ہے نہاں



گلدستہ

مرتبہ اے آر خان۔



اطاعتِ رسول کیا ہے؟ خلیفۂ وقت کی آواز پر لبیّک کہنا

مکرم محمود احمد ملک صاحب اطاعت خلافت کے حوالہ سے تحریر کرتے ہیں کہ

یہ خدا تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ اُس نے ہمیں ایک ایسے نظام میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائی جو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے زیرِ سایہ دنیا کے کناروں تک وسعت اختیار کر چکا ہے۔ ہر قوم اور ہر ملّت سے تعلق رکھنے والے جاں نثار، خلافت کے ایک اشارے پر عمل کرنا سعادت خیال کرتے ہیں۔ اس کا متأثر کُن اظہار اُس وقت دیکھنے میں آتا ہے جب بارگاہ خلافت کی طرف سے کسی تحریک کا اعلان ہوتا ہے تو مومنین کی جماعت اس تحریک پر لبیّک کہتے ہوئے ہمیشہ اپنے آقا کی توقعات سے کہیں بڑھ کر قربانیاں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتی ہے۔ پس نظام خلافت عطا ہونے پر جہاں ہمیں خدا تعالیٰ کا شکرگزار ہونا چاہیے وہاں اس عظیم ذمہ داری کے حقوق ادا کرنے کے لیے بھی اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔

خلافت کے زیرِ سایہ جماعتِ مومنین کو عطا ہونے والی عظیم الشان کامیابیوں میں سے ایک مسلم ٹیلی ویژن احمدیہ کا اجرا بھی ہے۔ اسی کے ذریعے زمین کے کناروں تک پھیلی ہوئی جماعتہائے احمدیہ کا خلیفہ وقت سے ایک زندہ تعلق اور مضبوط رابطہ اُستوار ہوتا ہے۔ اس زندہ تعلق میں سب سے بڑھ کر وہ خطبہ جمعہ ہے جو خلیفہ وقت ہر جمعۃ المبارک کے روز ارشاد فرماتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ خلیفۃ المسیح کا ارشاد فرمودہ خطبہ صرف روایتی خطبہ نہیں ہوتا بلکہ قرآن و حدیث اور مہدی آخرالزمانؑ کی تعلیمات کی روشنی میں دیا جانے والا یہ خطبہ دراصل بنی نوع انسان کے لیے عموماً اور احمدیوں کے لیے خصوصاً ایک ایسا پیغام ہوتا ہے جس پر عمل کرنے کے نتیجے میں نہ صرف خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے بلکہ تعمیل کرنے والے اُن برکات کے وارث ٹھہرتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے خلافت کا ذکر کرتے ہوئے اپنے پاک کلام میں بیان فرمائی ہیں۔

اپنے امام ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی زبان مبارک سے براہ راست یہ پیغام سننے والے جانتے ہیں کہ اس سعادت کے اثرات کس طرح اُن کی زندگیوں کی بے چینیوں کو تسکین اور خوف کو امن میں بدل دینے کا موجب بنتے ہیں۔ حضور انور کی بیان فرمودہ تحریکات اور جماعت کی روحانی بہتری اور ترقی کے لیے آپ کے پاکیزہ دل کی خواہشات پر عمل کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے حضور دعاؤں کی طرف توجہ پیدا ہوتی ہے۔ اپنی اخلاقی اور روحانی حالتوں کا جائزہ لینے کی توفیق عطا ہوتی ہے اور خلیفہ وقت کے پاکیزہ ارشادات پر دل و جان سے عمل کرنے کے نتیجے میں ایسی برکات نصیب ہوتی ہیں جو محض خلافت حقّہ کے وجود سے وابستہ ہیں اور حسب توفیق مومنین اُن سے اپنی جھولیاں بھرتے چلے جاتے ہیں۔

ہر جمعۃ المبارک ہمارے لیے اپنے امام کے ایک نئے اور اہم پیغام کا ہدیہ لاتا ہے۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے کوئی احمدی براہ راست یہ خطبات نہ سن سکے تو ریکارڈنگ سے استفادہ کرنے تک اُس کی بے چینی قابل دید ہوتی ہے۔ خطبہ جمعہ میں بیان فرمودہ پیغام کی بازگشت اگلے خطبے کے آنے تک نہ صرف جماعتی اخبارات و رسائل کے صفحات میں بلکہ مختلف سطحوں پر منعقد ہونے والے اجلاسات اور ذاتی مجالس میں سنائی دیتی چلی جاتی ہے۔

خلیفہ وقت کے خطبہ جمعہ اور دیگر خطابات و پیغامات میں بیان فرمودہ ارشادات کی تعمیل کس قدر ضروری ہے، اس بارے میں سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کا ایک ارشاد پیش ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں:

”اطاعت کا مادہ نظام کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتا۔ پس جب بھی خلافت ہوگی

اطاعت رسول بھی ہو گی کیونکہ اطاعت رسول یہ نہیں کہ نماز پڑھو یا روزے رکھو یا حج کرو۔ یہ تو خدا کے احکام کی اطاعت ہے۔ اطاعت رسول یہ ہے کہ جب وہ کہے کہ اب نمازوں پر زور دینے کا وقت ہے تو سب لوگ نمازوں پر زور دینا شروع کر دیں اور جب وہ کہے کہ اب زکوٰۃ اور چندوں کی ضرورت ہے تو وہ زکوٰۃ اور چندوں پر زور دینا شروع کر دیں اور جب وہ کہے کہ اب جانی قربانی کی ضرورت ہے یا وطن کو قربان کرنے کی ضرورت، تو وہ جانیں اور اپنے وطن قربان کرنے (چھوڑنے) کے لیے کھڑے ہو جائیں''۔ (تفسیر کبیر۔ سورۃ نور)

خدا تعالیٰ ہمیں نظام خلافت سے بلند ہونے والی ہر آواز پر بتہِ دل سے سر تسلیم خم کرتے ہوئے ایسی راہوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے جن کے نتیجے میں ہم اس دنیا میں اپنی منزل مقصود حاصل کر لیں اور ہمارا انجام بھی ہر لحاظ سے بخیر ہو جائے۔ آمین

(اداریہ رسالہ ''انصار الدین'' لندن، مئی و جون 2021ء)

۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞

قرآن کریم کے اعراب اور نقاط کا تاریخی جائزہ

(عبادہ عبداللطیف صاحب تحریر کرتے ہیں کہ

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

''قرآن کریم وہ یقینی اور قطعی کلام الٰہی ہے جس میں انسان کا ایک نقطہ یا ایک شعشہ تک دخل نہیں اور وہ اپنے الفاظ اور معانی کے ساتھ خدائے تعالیٰ کا ہی کلام ہے''۔

قدیم عرب میں اگرچہ اعراب و نقاط کا وجود تھا لیکن بعد کے کسی زمانہ میں اسے ترک کر دیا گیا۔ حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت کے مطابق نقطوں کے موجد کا نام عامر بن جدرہ تھا جو قبیلہ بولان سے تعلق رکھتا تھا۔ قرآن کریم کی اوّلین کتابت میں بھی نقاط اور اعراب نہیں لگائے گئے تھے کیونکہ اُس وقت جو عربی خط رائج تھا وہ ان کے بغیر ہوتا تھا۔ اِس خط کی نسبت حیرہ سے ہے جو کوفہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے اور اب نجف کہلاتا ہے۔ بعد میں یہی خط ''خطِ کوفی'' کے نام سے مشہور ہوا۔

قوی قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خطِ کوفی میں ہی قرآن کریم لکھا گیا۔ اگرچہ اُس زمانہ کا قرآن کریم کا کوئی نسخہ محفوظ نہیں ہے لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بادشاہوں کے نام خطوط اور دیگر مصاحف بھی خط کوفی میں ہی لکھے گئے ہیں جو آج بھی محفوظ ہیں۔

حضرت عثمانؓ کے دَور میں لکھا جانے والا قرآن کریم کا نسخہ جو مصحفِ امام کہلاتا ہے، یہ بھی خطِ کوفی میں ہی لکھا گیا ہے۔ اس میں اعراب اور نقاط نہیں لگائے گئے لیکن اس کا تلفّظ وہی تھا جو آج بھی رائج ہے۔ اُس زمانہ میں نقاط اور اعراب کے بغیر پڑھنے پر لوگ پوری طرح قادر تھے بلکہ بسا اوقات نقطے ڈالنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔

جب عجمی اقوام نے اسلام قبول کیا تو مادری زبان عربی نہ ہونے کی وجہ سے وہ قرآن کریم کی تلاوت میں غلطیاں کرنے لگے۔ اس پر حضرت علیؓ نے ابوالاسود دئلی کو چند قواعد بتا کر اس فن کی تدوین پر مامور کیا اور اس طرح ''علم النحو'' کے ابتدائی اصول وجود میں آئے۔ قرآن کریم پر نقاط اور اعراب لگانے کا کام بھی ابوالاسود کے ذریعہ ہی سرانجام پایا۔ ابوالاسود بصرہ کے قاضی تھے اور انہوں نے نقط مصاحف پر ایک رسالہ بھی تحریر کیا تھا۔ آپ 69ھ میں فوت ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت قتادہؓ، حضرت حسن بصری، ابن سیرین اور دیگر بہت سے علمائے سلف میں سے اکثر قرآن کریم پر نقاط یا دیگر علامات لگانا مکروہ بلکہ ایک طرح کی بدعت سمجھتے تھے۔

حضرت امام مالکؒ نیم خواندہ لوگوں یا بچوں کے لئے نقاط و علامات لگانا جائز سمجھتے تھے لیکن بالغوں کے لئے اسے جائز نہیں سمجھتے تھے۔ مگر لوگ آہستہ آہستہ نقطوں اور اعراب والے قرآن کی طرف راغب ہوتے گئے اور علماء نے بھی اس کو پسندیدہ قرار دیدیا۔

اس سلسلہ میں دوسرا قدم عبدالملک بن مروان نے اٹھایا۔ اسی طرح حجاج بن یوسف کی خدمات بھی قابل ذکر ہیں جس کی سرپرستی میں یہ کام ابوالاسود کے دو شاگردوں یحییٰ بن یعمر اور نصر بن عاصم نے آگے بڑھایا۔ نصر نے نقطے وضع کر کے حروف کے مابین اشتباہ کو ختم کر دیا۔ آپ بصرہ کے قاری تھے۔

آغاز میں اعراب کی بجائے بھی نقاط ہی استعمال کئے جاتے تھے لیکن اُن کا رنگ سیاہ کی بجائے سرخ یا قرمزی ہوتا تھا۔ دوسری صدی ہجری کے وسط میں علم عروض کے بانی خلیل بن احمد نے اعراب کی خاص شکلیں وضع کیں۔ انہوں نے ہمزہ، تشدید اور اشام کی اصطلاحات بھی ایجاد کیں۔ اس طرح عبارت کا پڑھنا نہایت آسان ہوگیا۔

عباسی دَور کے ایک وزیر ابن مقلہ نے جو تیسری صدی ہجری کے آخر اور چوتھی صدی ہجری کے اوائل کے ایک باکمال خطاط تھے، رسم الخط میں بہت سی انقلابی تبدیلیاں ایجاد کیں۔ انہوں نے چھ نئے خط بھی ایجاد کئے جن میں سے سب سے مشہور ''خطِ نسخ'' ہے جو 310ھ میں ایجاد ہوا اور اپنی عمدگی کی وجہ سے قرآن لکھنے کے لئے مخصوص ہوگیا۔

ساتویں صدی ہجری میں امیر علی تبریزی نے ایک خوبصورت خط ایجاد کیا جو ''خطِ نستعلیق'' کہلاتا ہے۔ یہ خط اردو زبان میں لکھنے کے لئے خاص طور پر بہت معروف ہوا۔

قرآن کریم کی رکوعات اور پاروں میں تقسیم کی تاریخ

قرآن کریم شروع سے آخر تک خدا کا کلام اور اُسی کی حفاظت میں ہے اور ساری امّت اس پر متفق ہے۔ قرآن کریم کو اندرونی طور پر سورتوں، آیات، منازل، رکوعات اور پاروں میں اور پھر پاروں کو ربع، نصف اور ثلث میں تقسیم کیا گیا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق قرآن کریم کی ترتیب اپنی زندگی میں قائم فرمادی تھی۔ اسی طرح منازل کا تصور بھی ملتا ہے لیکن حضورؐ کی زندگی میں رکوعات اور پاروں کی اصطلاحات کا ذکر نہیں ملتا۔

قرآن کریم کی رکوعات اور پاروں میں تقسیم کی تاریخ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت سے شروع ہوتی ہے۔ آپؓ نے نمازِ تراویح کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ فی رکعت تیس آیات پڑھی جائیں تاکہ دس دن میں قرآن مکمل ہو اور پورے رمضان میں قرآن کے تین دور مکمل ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے وقت آٹھ رکعات پڑھتے تھے اور بعض اوقات آپؐ نے اسے رات کے اوّل حصے میں بھی پڑھا۔ پس آٹھ رکعات تراویح پڑھنا سنت کے مطابق ہے لیکن چونکہ یہ نفل ہے اس لئے اگر کوئی زیادہ رکعات بھی پڑھنا چاہے تو ایسا کرسکتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہی لوگ بیس رکعت پڑھنے لگے تھے تاکہ ہر رکعت کی قراءت جلدی ختم ہو۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہی پانچ اور دس آیات کے بعد باقاعدہ نشان لگائے گئے۔

حضرت عثمانؓ نے کمزور لوگوں کا خیال کرتے ہوئے تراویح کی رکعت میں دس آیات پڑھنے کا حکم دیا۔ اس طرح ماہِ رمضان میں ایک دَور مکمل ہوتا تھا۔

انڈیا آفس لائبریری میں عثمانی عہد کا جو قرآن موجود ہے، اس میں دس آیتوں کے بعد نشان ہے اور دو سو آیات کے بعد حاشیہ پر نشان ہے۔

بعد میں یہ خیال پیدا ہوا کہ آیات کی گنتی کو مدنظر رکھنے کی بجائے مضمون کو پیشِ نظر رکھا جائے اور جہاں مضمون مکمل ہو وہاں پر وقف کیا جائے۔ اس طرح قرآن کریم کے 540 رکوعات قائم ہوئے۔ اس طریق پر قرآن کریم بیس رکعات کی تراویح میں 27 رمضان کی رات ختم ہوجاتا تھا جو عام طور پر لیلۃ القدر خیال کی جاتی ہے۔ بعد کے علماء نے رکوع کا نشان ''ع'' مقرر کیا۔ اس کو رکوع اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ حصہ تلاوت کرنے کے بعد نمازی رکوع میں جاتا ہے۔

پارہ کا تصور بھی غالباً نمازِ تراویح کی وجہ سے پیدا ہوا اور ایک دن تراویح میں پڑھا جانے والا قرآن کریم کا حصہ ایک جزء قرار پایا۔ بعد میں ایک ماہ میں تلاوتِ قرآن کرنے کی غرض سے اسے باقاعدہ تیس حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ اس عمل کی بنیاد اس حدیث پر ہے جس میں حضرت عبداللہؓ بن عمرو کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قرآن کو ایک مہینے میں ختم کیا کرو۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد میں جو قرآن لکھا وہ تیس جزو پر مشتمل تھا۔

تابعین کے دور میں ہر پارہ کا نام تجویز کیا گیا۔ مصر اور المغرب یعنی مراکش کے علماء کا دیگر علماء سے قرآن کریم کے جملہ حروف کی گنتی اور مضمون کے ختم ہونے میں اختلاف کی وجہ سے بعض پاروں کی ابتداء اور انتہاء میں بھی اختلاف ہے۔ چنانچہ عرب ممالک اور المغرب میں شائع ہونے والے نسخوں اور برصغیر پاک و ہند میں شائع ہونے والے نسخوں کے بعض پاروں کی ابتداء اور انتہاء میں فرق ہے۔ مثلاً:

1۔ پاک و ہند میں ساتواں پارہ وَاِذَا سَمِعُوا سے شروع ہوتا ہے جبکہ مصر اور

عرب ممالک میں ایک آیت پہلے لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ سے شروع ہوتا ہے۔

2۔ پاک و ہند میں چودھواں پارہ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ سے اور مصر وعرب ممالک میں ایک آیت پہلے الٓر سے شروع ہوتا ہے۔

3۔ پاک وہند میں بیسواں پارہ اَمَّنْ خَلَقَ سے اور مصر وعرب ممالک میں تین آیات پہلے فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖ سے شروع ہوتا ہے۔

4۔ پاک وہند میں اکیسواں پارہ اُتْلُ مَا اُوْحِيَ سے اور مصر وعرب ممالک میں ایک آیت بعد وَلَا تُجَادِلُوا سے شروع ہوتا ہے۔

5۔ پاک و ہند میں تئیسواں پارہ وَمَالِيَ لَآ اَعْبُدُ سے اور مصر وعرب ممالک میں چھ آیات بعد وَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ سے شروع ہوتا ہے۔

6۔ پاک وہند میں چھبیسواں پارہ حٰمٓ سے اور مصر وعرب ممالک میں وَبَدَا لَهُمْ سے شروع ہوتا ہے۔

باقی پاروں میں اتفاق ہے۔

جماعت احمدیہ کی طرف سے شائع ہونے والے قرآن کریم کے نسخوں میں پاک وہند میں رائج پاروں اور رموز واوقاف وغیرہ کو اپنایا گیا ہے۔

ابتداء میں بعض صحابہؓ نے قرآن کریم کی رکوعات و پارہ میں تقسیم کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود بھی اسے ناپسند کرتے تھے۔ صحابہؓ کی تقلید پر بعض تابعین نے بھی اسے ناپسند کیا مگر بعد میں ان کے مستحب ہونے کے قائل ہو گئے۔

امام زرکشی کہتے ہیں کہ قرآن کریم کو پاروں میں تقسیم کرنے کا مقصد مدارس میں قرآن کی تعلیم دینے میں آسانی پیدا کرنا تھا۔

(مطبوعہ رسالہ انصارالدین مئی جون 2015ء)

تعارف کتاب ”صوبہ بہار کے اصحاب احمدؑ“

(محمد ذکریا ورک۔ کینیڈا تحریر کرتے ہیں کہ

جماعت احمدیہ کینیڈا کے جیّد عالم، صاحب قلم، معتبر مضمون نگار اور مصنف ڈاکٹر سید شہاب احمد (ایڈمنٹن کینیڈا) نے صوبہ بہار کے اصحاب احمدؑ کے نام سے کتاب قادیان سے شائع کی ہے جس میں 19 اصحاب احمد علیہ السلام کے حالات زندگی، ان کی اولاد کے حالات اور پھر آگے ان کی اولاد (کل 74 احباب) کے کوائف دیے گئے ہیں۔ اپنے موضوع کے لحاظ سے یہ ایک نادر کتاب ہے جس کا مطالعہ ہر کتابوں کے رسیا کو کرنا چاہیے۔

کتاب میں سب سے پہلے صوبہ بہار کے پہلے جلیل القدر صحابی حضرت مولوی حسن علی صاحبؓ کے ایمان افروز حالات زندگی دیے گئے ہیں جن کے ذریعہ احمدیت کا نور بہار میں پھیلا تھا۔ مسلمان قوم نے آپ کو شمس الواعظین کا لقب عطا کیا تھا۔ کئی سو ہنود نے آپ کے دست مبارک پر نور اسلامی سے اپنے دلوں کو منور کیا۔ سکول کے زمانے میں لوگ آپ کی شعلہ بیاں تقریروں سے بہت مرعوب ومتأثر ہوتے تھے۔ ہندوستان کے مشہور شہروں کے دورے کیے اور مدارس ویتیم خانے قائم کیے۔ انجمن حمایت اسلام کی بناء میں بھی آپ کا ہاتھ تھا۔ آپ کا بیعت کا سال 1894ء ہے۔ انجام آتھم میں 313 صحابہ میں آپ کا نام درج ہے۔ آپ کی سوانح حیات ان کی اپنی کتاب تائید حق میں موجود ہے۔

حضرت سید وزارت حسین صاحبؓ صوبہ بہار کے دوسرے احمدی تھے جن کی ولادت اورین ضلع مونگھیر میں 1883ء میں ہوئی تھی۔ آپ نے بذریعہ خط 1900ء میں اور بعد ازاں 1901ء میں قادیان میں دستی بیعت کا شرف حاصل کیا تھا۔ آپ متعدد کتب کے مصنف تھے۔ 1905ء میں آپ نے کتاب مراۃ الجہاد 312 صفحات کی تصنیف فرمائی جو حضرت اقدس کے نام نامی سے معنون تھی۔ دوسری بار جب آپ قادیان گئے تو صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہیدؓ ان کے سامنے ہی افغانستان روانہ ہوئے تھے۔ کئی ماہ تک ریویو آف ریلیجنز کے تنہا انچارج رہے۔ تحریک جدید کے پانچ ہزاری مجاہدین میں سے تھے۔ سالہا سال تک امیر جماعت احمدیہ بہار رہے۔ تاریخ احمدیت میں مقدمہ بہار مشہور معروف ہے۔ پٹنہ میں اس مقدمہ کی تیاری میں آپ کو خاص موقعہ نصیب ہوا تھا۔ آپ کا تعلق قانون کے پیشہ سے نہیں تھا مگر آپ نے بڑی مہارت، کمال دوراندیشی اور فراست سے مقدمہ کے واقعات، تنقیحات، فقہی اور قانونی مسائل، کتب فقہ، قانونی دلائل اور نظائر کا مرقع تیار کیا تھا۔ اس کا ذکر سر ظفراللہ خاں صاحبؓ کی عالمی شہرت کی حامل سوانح عمری تحدیث نعمت میں

بھی موجود ہے۔ایک کامیاب مناظر کے طور پر آپ نے آریہ سماجیوں سے مناظرے کیے۔تبلیغ کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ چھوڑتے تھے۔بعض انگریز مرد اور خواتین کو تبلیغی خطوط لکھے۔ اخبارات کے ایڈیٹر صاحبان کو خطوط لکھتے، اوراخباری نمائندوں کوانٹرویو دیا کرتے تھے۔یکم مئی 1975ء کو اپنے گاؤں اورین میں وفات پائی۔

مؤلف کتاب کے ناناجان حضرت سید ارادت حسین ؓ (1880۔1931ء) نے دستی بیعت اپنے چھوٹے بھائی سیدوزارت حسینؓ کے دوسال بعد 1903ء میں کی تھی۔آپ کا علمی ذوق بہت بلند تھا اورکئی کتب کے مصنف تھے۔ چند کتابوں کے نام یہ ہیں: صحبت قاطعہ، شہاب ثاقب، النبوۃ فی الاسلام، قول حق، معیار نبوت، اثبات النبوۃ۔صوبہ بہار کے مسلمانوں کے لیے بہت نافع اورفیض رساں وجود تھے۔

حضرت ڈاکٹر ملک الٰہی بخش صاحبؓ 1902ء میں سلسلہ احمدیہ سے وابستہ ہوئے تھے۔دستی بیعت کے لحاظ سے صوبہ بہار کے صحابہ کرام میں آپ کا تیسرا نمبر ہے۔آپ کا وطن مالوف موضع آڑھا ضلع مونگھیر تھا۔آپ نہایت متقی، صالح، صاف گو، غریب پرور، بانی سلسلہ احمدیہؑ کے عاشق صادق اور خلافت احمدیہ کے دلدادہ تھے۔آپ کہوٹہ ضلع راولپنڈی میں ڈاکٹر تھے۔راولپنڈی میں بہت مشہور تھے صرف ڈاکٹر الٰہی بخش لکھنے سے خط مل جاتا تھا۔ کابل کے سابق بادشاہ یعقوب خاں اوراس کے بھائی ایوب خاں راولپنڈی میں انگریزوں نے نظر بند کیے ہوئے تھے۔ ایوب خاں کے خسر سے آپ کے قریبی برادرانہ تعلقات تھے۔راولپنڈی میں پریکٹس کررہے تھے جہاں سے 1910ء میں اسسٹنٹ سرجن کے عہدے سے ریٹائر ہوکر قادیان میں سکونت اختیار کرلی۔ قادیان میں شفاخانہ دارالعلوم کے انچارج مقرر ہوئے۔18نومبر 1910ء کو جب حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ گھوڑے سے گرپڑے اور پیشانی پر چوٹیں آئیں تو دیگر ڈاکٹروں کے علاوہ آپ کوبھی طبی خدمت کی توفیق ملی تھی۔بہشتی مقبرہ قادیان میں ابدی نیند سورہے ہیں۔قادیان کے معروف مؤلف ملک صلاح الدین صاحب آپ کے پوتے تھے۔

ڈاکٹر شاہ محمد رشید الدین مؤلف کتاب کے والد گرامی تھے جن کا تعلق سادات کے خاندان سے تھا۔ شاہ صاحب شہر کے چوٹی کے ڈاکٹر تھے۔ حضرت مصلح موعودؓ کی تحریک پر 1929ء میں ہندوستان میں سیرۃ النبی ﷺ پر جلسے منعقد ہوئے تو آپ نے آرہ میں شایان شان طریق سے پہلا جلسہ منعقد کروایا تھا۔آپ کا ادبی ذوق بہت بلند تھا۔ ہزاروں ادبی کتابوں کا مطالعہ کیا ہوا تھا۔شعروشاعری سے بھی شغف تھا۔مؤلف کتاب کی والدہ سیدہ میمونہ بیگم صاحبہؓ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی صحابیہ تھیں۔ ان کا انتقال جولائی 1984ء کوہوا تھا۔آپ کے والد کا نام سیدارادت حسین تھا۔اخبارات و رسائل کا مطالعہ باقاعدگی سے کرتیں۔ ماہنامہ عصمت دہلی، ساقی دہلی، تہذیب نسواں، اخبار انقلاب آپ کے پسندیدہ رسائل واخبار تھے۔معروف مصنفین کی کتب کا مطالعہ کیاہوا تھا۔ ہندوستان کے مشہور ادیب پروفیسر اختر اورینوی آپ کے عم زاد تھے۔

پروفیسر اختر اورینوی (ایم اے، ڈی لٹ، صدر شعبہ اردو، پٹنہ یونیورسٹی) ہندوستان کے بلند پایہ ادیب، مصنف، افسانہ نگار، نقاد، شاعر اور افسانہ نویس تھے۔آپ کا اردو ادب میں بلند مقام تھا۔نہایت دبنگ اور بے خوف احمدی تھے۔ ان کے سب دوست احباب ان کی بذلہ سنجی، زندہ دلی، اورخوش مزاقی کے قائل تھے۔ لاہور کے رسالہ نقوش کے آپ بیتی نمبر میں انہوں نے علی الاعلان لکھا تھا کہ مجھے جس شخصیت نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد کی ذات بابرکت ہے۔اس رسالے میں اختر اورینوی کی سوانح 1097 پردی گئی ہے۔یہ رسالہ آن لائن دستیاب ہے:

ttp://apnaorg.com/books/urdu/naqoosh-aapbeeti/

آپ کی اہلیہ شکیلہ اختر بھی اردو کی مشہور افسانہ نویس تھیں۔ان کی کتاب شیطان کی ڈائری کا بہت چرچا ہوا، اورعوام میں بہت مقبول ہوئی۔اختر صاحب ایک استاد کی حیثیت سے طلبہ میں ہمیشہ منظور نظر رہے۔ بہار میں اردو زبان و ادب کے ارتقاء پر مقالہ لکھ کر ڈی لٹ کی ڈگری حاصل کی تھی۔تنقیدی مقالات کے مجموعے مطالعہ نظیر، مطالعہ اقبال، کسوٹی، تنقید جدید، قدر ونظر، تحقیق وتنقید، سراج ومنہاج، مطالعہ ومحاسبہ کے نام سے شائع ہوچکے ہیں۔اردواور فارسی کے اچھے شاعر تھے۔طبیعت میں سادگی تھی ان کو اپنے مہمانوں کی مٹی کے برتنوں میں زمین پر چٹائی بچھا کر کھانا کھلانے میں کوئی عذر نہیں ہوتا تھا۔ایک غریب لڑکی کی تجہیز وتکفین کا سامان نہ تھا تو انہوں نے اپنی اہلیہ کے سونے کے قیمتی

کڑے فروخت کر کے یہ سامان مہیا کر دیا۔ ان کے ایک عزیز دوست کو والد کے مقدمہ کے لیے فیس جمع کرانے کی ضرورت تھی۔ اس کا ذکر اس نے اس وقت کیا جب ان کی جیب خالی تھی مگر آپ نے امتحان میں ملنے والے سونے کے جتنے میڈل تھے ان کو اونے پونے فروخت کر کے تمام رقم دوست کے حوالے کر دی۔ ان کے گھر پر مشاعرے ہوتے جس کی نظامت کی باگ ڈور وہ خود سنبھالتے اور ایسی نظامت کرتے کہ ان کے ادا کیے ہوئے جملے لوگ ہفتوں مہینوں دہراتے رہتے۔ اپنی غزلیں ایسے پرکشش انداز میں سناتے کہ سننے والا سنتا ہی رہ جاتا، اور خواہش کرتا کہ کاش یہ بزم اور سلسلہ ختم نہ ہو۔ ان کا شعری مجموعہ انجمن آرزو منظر عام پر آچکا ہے۔ ہندو پاکستان سے شائع شدہ ایک درجن کتابوں میں ان کے متعلق سوانحی مواد موجود ہے۔ دو رسالوں مہر نیم روز (کراچی) اور ساغر نو (پٹنہ) نے آپ کی ادبی خدمات پر خاص نمبر شائع کیے۔ مؤخر الذکر اختر شناسی کے نام سے 2008ء میں کتاب شکل میں شائع ہو چکا ہے۔ سید فضل احمد (آئی جی پولیس بہار) اختر صاحب کے چھوٹے بھائی تھے۔ مؤلف کتاب کے آپ ماموں جان تھے۔

حضرت سید عبدالقادر صاحب ؓ کو اپنے والد گرامی مولانا عبد الماجد صاحب ؓ (پروفیسر دینیات علی گڑھ) سے قبل سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی 1903ء میں تیرہ سال کی عمر میں دستی بیعت کی توفیق ملی۔ آپ کی چھوٹی بہن سیدہ سارہ بیگم صاحبہ سیدنا حضرت مصلح موعود ؓ کے عقد میں آئی تھیں۔ اس لحاظ سے آپ حضور کے برادر نسبتی تھے۔ آپ نے لاہور کے اورینٹل کالج میں تعلیم حاصل کی۔ اسلامیہ کالج لاہور میں مقبول لیکچرر رہنے کے بعد پٹنہ کے گورنمنٹ کالج میں ملازمت اختیار کی۔ اس کے بعد کلکتہ یونیورسٹی کی سینیٹ اور سینڈیکیٹ کے ممبر نامزد ہوئے۔ ان کی وفات فروری 1978ء میں سندھ میں ہوئی۔ آپ کے پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ آپ کے دو قابل افتخار بیٹوں کو شہادت کا عظیم الشان مقام عطا ہوا۔ یعنی پروفیسر عباس بن عبد القادر (2 ستمبر 1974ء) خیر پور سندھ، اور پروفیسر ڈاکٹر عقیل بن عبد القادر (9 جون 1985ء) حیدر آباد سندھ۔

پروفیسر عباس بن عبد القادر شہید نے سکول کی تعلیم بھاگلپور اور کلکتہ میں حاصل کی اور کالج کا زمانہ علی گڑھ اور پٹنہ میں گزارا۔ آپ نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لیے ہندوستان میں مغلیہ خاندان کے عنوان سے تحقیقی مقالہ لکھا مگر قادیان سے حکم آنے پر سارا تحقیقی کام وہیں ترک کر دیا۔ بحیثیت واقف زندگی تعلیم الاسلام کالج قادیان میں تاریخ کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ تقسیم ہند کے بعد خیر پور منتقل ہو گئے اور سندھ میں شعبہ تعلیم کے مختلف اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ آپ ایک فیض رساں وجود تھے۔ طالب علموں کو فیس کی ضرورت ہو، بس کا کرایہ چاہئے یا کتابوں کے لیے پیسوں کی ضرورت ہو، آپ ہمیشہ ان کی حاجت روائی فرماتے تھے۔ سندھ کے مختلف شہروں میں کالج کے پرنسپل کے فرائض انجام دیے۔ بڑے بہادر اور نڈر انسان تھے سچ بات کہنے سے خوف نہ کھاتے تھے۔ ٹھڑی (خیر پور) میں 1960ء کی دہائی کے فسادات میں بہت سے لوگ لقمہ اجل بن گئے آپ نے مظلوموں کی فراخدلی سے مدد کی۔ کہتے تھے تبلیغ کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے ساتھ آپ کے تعلقات ہوں وہ آپ کے اعلیٰ اخلاق کے قائل ہوں۔

ماہر امراض چشم ڈاکٹر عقیل بن عبد القادر شہید اعلیٰ صفات حسنہ سے متصف تھے۔ آپ غرباء کی آنکھوں کے علاج کے لیے مفت کیمپ لگایا کرتے تھے۔ بلکہ بعض مریضوں کے کھانے پینے کا انتظام بھی کیا کرتے تھے۔ نہایت بے نفس، ہمدرد، نافع الناس اور بے لوث انسان تھے۔ بہت دور دور سے لوگ بگڑے کیس لے کر آتے اور ہمیشہ کامیاب واپس جاتے تھے۔ واقف زندگی ہونے کی وجہ سے کچھ عرصہ فضل عمر ہسپتال جو اس وقت ابتدائی مراحل میں تھا میں بھی پریکٹس کی۔ برطانیہ سے Doctor of Osteopathic Medicine کی ڈگری حاصل کی۔ برطانیہ کے شیفیلڈ ہاسپٹل Sheffield Hospital میں ملازمت کو ترک کر کے، سرزمین سندھ کے ریگستانوں کو اپنے گلے سے لگا لیا۔ حیدر آباد میں تیس سال کا عرصہ بڑی محنت اور صعوبت کا گزرا۔ صدر پاکستان ایوب خاں اور صدر پاکستان زیڈ اے بھٹو کے دور حکومت میں ان کو ملازمت سے علیحدہ کر دیا گیا تو میر رسول بخش تالپور آپ کے گھر حاضر ہوئے۔ معززین سندھ نے آپ کی بحالی کے لیے کوششیں کیں مگر خود اس کے لیے کوئی بھاگ دوڑ نہیں کی بلکہ پرائیویٹ پریکٹس پر زیادہ توجہ

دے دی جو مالی طور پر فائدہ مند تھی۔ دوست احباب کے لیے ان کا سینہ ہمیشہ کشادہ تھا اور بھائی بہنوں کے لیے تو وہ پھل دار درخت تھے۔

کتاب میں چند ایسے احباب کا ذکر کیا گیا ہے جن کے ساتھ راقم آثم کو بھی کچھ تعلق رہا۔ کتاب میں مکرم سید فضل احمد (انسپکٹر جنرل پولیس بہار) کی پولیس وردی میں ملبوس رعب دار تصویر ہے۔ یہ غالباً 1978ء کی بات ہے کہ کسی نے مجھے بتایا کہ ہندوستان کی ایک سربرآوردہ شخصیت سید فضل احمد مسس ساگا آئے ہوئے ہیں۔ میں نے ان سے رابطہ کیا، وہ میرے ساتھ بہت پیار اور تعظیم سے پیش آئے۔ آپ دودھ میں دھلی سفید بشرٹ اور سفید پینٹ میں ملبوس تھے۔ چہرے پر متانت اور سڈول جسم۔ چونکہ میں ان دنوں ایک کمیونٹی نیوز پیپر کا نائب ایڈیٹر تھا اس لیے انٹرویو کا اہتمام ہوگیا۔ اخبار کے ایڈیٹر بھی ان سے ملاقات کے دوران بہت متاثر ہوئے اور فخریہ ان کا انٹرویو شائع کیا۔ اتنے بڑے عہدے پر فائز ہونے کے باوجود میں نے ان کو سادہ، سراپا عجز اور منکسر المزاج پایا۔ ان کا متین چہرہ، ان کا طرز تخاطب، ان کی من موہنی شخصیت ابھی تک میرے ذہن پر مرتسم ہے۔ آپ نے 20 جون 1999ء کو وفات پائی اور موصی ہونے کی وجہ سے بہشتی مقبرہ قادیان میں تدفین ہوئی۔ اس موقعہ پر پولیس نے سلامی دی اور معززین علاقہ نے اظہار تعزیت کیا۔

مؤلف کتاب ڈاکٹر سید شہاب احمد کی ولادت آرہ بہار میں 17 نومبر 1929ء کو ہوئی تھی۔ علی گڑھ یونیورسٹی سے نفسیات میں ماسٹرز کیا اور پھر برطانیہ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ہندوستان کے ایک کالج میں چار سال تک ملازمت کی پھر کینیڈا کی ایک یونیورسٹی میں پانچ سال تدریس کا کام کیا۔ نیز 9 سال تک کینیڈا میں کلینکل سائیکالوجسٹ کا کام کیا۔ سسکاٹون میں قیام کے دوران گیارہ مرتبہ انٹرفیتھ سمپوزیم منعقد کروایا۔ مختلف اداروں میں اسلام احمدیت پر تقاریر کرنے کا موقع ملا۔ لائبریریوں میں جماعت کی کتابیں رکھوائیں۔ ان کے خیال افروز، اذہان کو تشحیذ کرنے والے، اعلیٰ پایہ کے مدلل علمی مضامین پچھلے تیس سال سے انگریزی اور اردو میں شائع ہوتے آرہے ہیں۔ 1988ء میں پانامہ کے ملک میں بطور مبلغ کئی ماہ تک خدمت کا موقعہ ملا۔ سسکاٹون کی مسجد احمدیہ میں سات سال تک بطور خادم کام کرنے کی توفیق ملی۔ پچھلے دس سال سے قاضی اول نیز ریسرچ سیل کے ممبر ہیں۔ تین بیٹیاں اور ایک بیٹا آپ کی نیک اولاد ہیں۔ ضعیف العمری کے باوجود علمی کاموں میں مصروف ہیں، جو کام انجمنیں کرتی ہیں وہ آپ تن تنہا کررہے ہیں۔

کتاب کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ صوبہ بہار میں متعدد احباب اور ان کی اولادیں در اولادیں اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے جن میں سے متعدد پروفیسر، ڈاکٹر، سرجن، ماہرین امراض چشم، انجینئر، کمپیوٹر سافٹ ویئر انجینئر، ٹیچر، لائبریرین، سائیکالوجسٹ تھے۔ کتاب کی متعدد خوبیوں میں سے دو خوبیاں ایسی ہیں جن کا ذکر ضروری ہے۔ ایک تو مستند حوالہ جات بمع نام اخبار اور تاریخ دیے گئے ہیں جو پچھلے سو سال پر ممتد ہیں۔ دوسرے کتاب میں 122 رشتہ داروں کی تصاویر دی گئی ہیں۔ جہاں کسی کا ذکر ہے وہاں اس کی تصویر دی گئی ہے۔ تصاویر کا حاصل کرنا جبکہ احباب پوری دنیا میں آباد ہوں جان جوکھوں والا کام تھا جو ڈاکٹر شہاب احمد نے بڑی ہمت اور صبر سے چھ سال کی شب وروز کی محنت سے سرانجام دیا ہے۔

کتابت وطباعت معیاری، مضبوط جلد، دیدہ زیب سرورق۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ اس مفید معلومات سے مالا مال کتاب کو بہتوں کے لیے رشد وہدایت کا موجب بنائے۔ یہ دراصل بہار سے تعلق رکھنے والے پیارے پیارے دیو قامت انسانوں، زبردست عالموں، نافع الناس وجودوں کا انسائیکلوپیڈیا Who`s Who ہے جس کی وقعت وقت گزرنے کے ساتھ بڑھتی جائے گی۔ خدا تعالیٰ مؤلف کو اس کار عظیم کا اپنی جناب سے صلہ عطا فرمائے۔ آمین

رنگوں کی دنیا

رنگوں کے اردو نام جو ہم بھولتے جارہے ہیں گزشتہ برس اکتوبر میں، میں نے مشتاق احمد یوسفی کی کتاب ''آب گم'' سے ایک اقتباس نقل کیا تھا جس میں انھوں رنگوں کے وہ قدیم نام گنائے تھے جو ہماری زبان سے تیزی سے متروک ہورہے ہیں۔

یوسفی صاحب نے لکھا تھا، ''افسوس! ہمیں احساس نہیں کہ ہماری ہاں رنگوں کے قدیم اور خوبصورت نام بڑی تیزی سے متروک ہورہے ہیں۔ کل انھیں کون

پہچانے گا۔"شَنگرَفی، مَلاگیری، عُنابی، کپاسی، کبُودی، شُتُری، زُمرُّدی، پیازی، قِرمِزی، کاہی، کاکریزی، اَگرئی، کاسنی، نُقرَئی، قَناوِیزی، موتیا، نِیلوفری، دھانی، شَربَتی، فالسئی، جامنی، چمپئی، تربوزی، مٹیالا، گیروا، مونگیا، شہتوتی، تُرنجی، انگوری، کِشمشی، فاختئی، پستئی، شَفتالُو، طاؤسی، آبنُوسی، عُودی، عَنبری، حِنائی، بنفشئی، کُسمبری، طُوسی، صُوفیانہ اور سُوتیانہ۔ہم نے اپنے لفظ خزانے پر لات ماری سو ماری، اپنی دھرتی سے پھوٹنے والی دھنک پر بھی خاک ڈال دی۔"

ہمارے ایک دوست نے فرمائش کی کہ ان رنگوں کے ناموں کی لغت بھی پوسٹ کی جائے۔ اب یوسفی صاحب تو حیات ہیں نہیں کہ ان سے رجوع کیا جائے، چنانچہ میں نے ہی ایک رات کالی کر کے کسی طرح ان رنگوں کے ناموں کی فرہنگ تیار کی جو اس امید پر پیش کر رہا ہوں کہ شاید ہم ان ناموں کو دوبارہ اپنی لغت میں شامل کر کے اپنے اس قیمتی ورثے کو کم از کم اپنی نئی نسلوں کے سپرد کر جائیں۔ میں نے کچھ ایسے رنگوں کو اس فرہنگ میں شامل نہیں کیا ہے جنھیں ہم اب بھی پہچانتے ہیں۔ یہاں اس بات کو بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ ہر رنگ کے اپنے شیڈ بھی ہوتے ہیں اس لیے کسی ایک نام کے ساتھ صرف اس کے ایک ہی شیڈ کو مخصوص نہیں کیا جا سکتا۔

فرہنگ(Vermilion)شَنگرَفی: سُرخ، خوب لال، شنجرفی (شَنجرف: گہرے سرخ رنگ کی ایک معدنی شے جو مصوری اور نقاشی میں کام آتی ہے اور دوا کے طور پر بھی استعمال کی جاتی ہے۔)

(Sandalwood colour) مَلاگیری: جوگیا، گیروا، صندل کا رنگ (ملاگیر: صندل کی قسم کی ایک لکڑی جسے پیس کر سرخی ملا کر اس میں کپڑے (خصوصاً دوپٹے) رنگتے ہیں جو خوشبودار بھی ہوتے ہیں)

(Sapphire Blue) کبُودی: نیلا، نیلگوں (کبودی، نیلم یا sapphire جیسے گہرے نیلے رنگ کو کہا جاتا ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ فارسی میں نیلم کو یاقوت کبود کہا جاتا ہے)

(Light Brown) شُتُری: شتر (اونٹ) کے رنگ کا، ہلکا بھورا، بادامی(Emerald Green)زُمرُّدی: زمرد کے رنگ کا، سبز رنگ کا

(Crimson or Scarlet) قِرمِزی: گہرا سرخ (Grass Green)

کاہی: گہرا سبز(Dark Purple) کاکریزی: سیاہی مائل اودا رنگ، گہرا اودا رنگ(Aloe wood) اگرئی: گہرا کشمشی رنگ، زردی مائل یا بھورا رنگ، اگر کے رنگ کا

(Lilac) کاسنی: سرخی مائل نیلا، بنفشی، ہلکا اُودا، سوسنی رنگقناویزی: غالباً سرخ رنگ کا۔

قناویز دراصل سلک کا ایک قسم کا کپڑا ہوتا تھا جو عموماً سرخ رنگ کا ہوتا تھا۔ اس قسم کا کپڑا اب نہیں بُنا جاتا۔(colour of Blue Water-lily)

نیلوفری: گہرا نیلا(Light Green) دھانی: سبز دھان کے رنگ کا، ہلکا سبز

(Orange or Pale Yellow) شربتی: ہلکا زرد رنگ جو کسی قدر سرخی مائل ہو

(Orange, Golden,Yellow) چمپئی: ہلکی زردی یا سنہرا پن لیے ہوئے

مٹیالا: مٹی کے رنگ کا، خاکستری،

بھورا(Red Ochre) گیروا: گیرو کے رنگ کا، جوگیا رنگ کا(Green)

مونگیا: مونگ کے رنگ کا۔ سیاہی مائل سبز رنگ کا(Citron or Orange coloured)

تُرنجی: نارنجی رنگ کا، سرخی مائل زرد(of Peach colour)

شفتالوی: سیاہی مائل سرخ رنگ کا آبنوسی: کالا، سیاہ

(Aloe wood) عودی: چوبِ عود) کے رنگ کا(of the colour of Ambergris)

عنبری: سیاہی مائل بھورے یا گہرے سرمئی رنگ کا، عنبر کے رنگ کا حنائی: مہندی کے رنگ کا، زردی مائل سرخ(Violet)

بنفشی: بنفشئی، پھیکا نیلا رنگ(Safflower)

کُسمبری: کُسمی یا کُسُمبھی، سرخی مائل گہرا نارنجی رنگ۔ کُسُمب یا کُسُمبھ سے بنایا گیا رنگ۔(Purple) طوسی: ایک قسم کا بینگنی رنگ صوفیانہ: سادہ یا ہلکا رنگسوقیانہ: بازاریوں کا سا، عامیانہ

۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞

ایک چور کی توبہ کا عجیب واقعہ-ایک عربی حکایت

عربی حکایت ہے کہ ایک بادشاہ اپنی جوان سالہ بیٹی کی شادی کو لے کر بہت فکرمند رہتا تھا۔ وہ برسوں سے نیک اور عبادت گزار داماد کی تلاش میں تھا۔ ایک دن اس نے وزیر کو بلایا اور کہا کہ کسی طرح میری بیٹی کے لئے میری رعایا میں سے عبادت گزار انسان کو تلاش کر کے سامنے پیش کرو۔

وزیر نے اپنی فوج کو شہر کی جامع مسجد کے گرد تعینات کر دیا اور کہا چھپ کر دیکھتے رہو جو شخص آدھی رات مسجد میں داخل ہوگا اسے نکلنے مت دینا جب تک میں نہ آ جاؤں۔ عین اسی وقت ایک چور چوری کرنے کے ارادے سے گھر سے نکلا اور دل ہی دل میں سوچا کیوں نہ آج شہر کی جامع مسجد میں جا کر چوری کی جائے وہاں مسجد کا قیمتی سامان چرایا جائے۔ چور جیسے ہی جامع مسجد میں داخل ہوا مسجد کی انتظامیہ نے چور سے بے خبر مسجد کو باہر سے تالا لگایا اور اپنے گھروں کو چلے گئے۔ فوجی دستوں نے وزیر کو اطلاع دی کہ لگتا ہے کوئی عبادت گزار آیا ہے مگر مسجد کو تالا لگ چکا اب صبح کی آذان پر ہی مسجد کھلے گی تو پتہ چلے گا کون ہے

وزیر جلدی سے مسجد پہنچا اور صبح کی آذان کا شدت سے انتظار کرنے لگا تا کہ اندر موجود نیک انسان کو بادشاہ کے سامنے حاضر کیا جا سکے۔ جیسے ہی مسجد کھلی وزیر دستے سمیت اندر داخل ہوا۔ چور یہ دیکھ کر گھبرایا کہ آج تو پکڑا گیا اور جلدی سے نماز کی نیت باندھ لی۔ جوں ہی سلام پھیرتا فوراً کھڑا ہو کر دوبارہ نیت باندھ لیتا۔ وزیر کو اس کی عبادت گزاری پر یقین آ گیا۔ جوں ہی سلام پھیرا فوجی دستے نے اس چور کو پکڑا اور بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ وزیر نے کہا بادشاہ سلامت یہ ہے آپکا مطلوبہ شخص اسے مسجد سے گرفتار کیا ہے رات بھر مسجد میں عبادت کرتا رہا۔ چور کی حالت غیر ہو رہی ہے۔ بادشاہ چور سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ کیا خیال ہے اگر میں اپنی بیٹی کی شادی تمہارے ساتھ کر کے تمہیں اپنی سلطنت کا ولی عہد مقرر کر دوں۔ کیا تمہیں منظور ہے؟

چور ہکا بکا ہو کر دیکھنے لگا۔ ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ عالی جاہ۔ یہ کرم نوازی کس خاطر؟ بادشاہ نے کہا تم عبادت گزار ہو۔ رات بھر مسجد میں رہے صبح آذان ہونے پر باہر آئے۔۔ چور دل ہی دل میں سوچنے لگا" اے اللہ۔ میں چوری کی نیت سے ہی سہی مگر تیرے گھر گیا، دکھلاوے کی نیت سے ہی سہی نماز ادا کی اور بدلے میں تو نے دنیا میرے قدموں میں ڈال دی۔ اگر میں سچ مچ عبادت گزار ہوتا اور راتوں کو تہجد پڑھا کرتا تو پھر تیرا انعام کیا ہوتا!!!

وہیں کھڑے کھڑے نادم ہو کر تائب ہوا۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنکا دل عبادت میں لگتا ہے۔ حال دل اپنے مالک کے سامنے گڑگڑا کر ذکر کرتے ہیں۔ آرام دہ بستروں کو چھوڑ کر مصلی پر کھڑے ہوتے ہیں۔ کیا مقام ہوگا ان کا اللہ کے نزدیک۔ ایک انسان اسکا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞

راز کی بات

ابنِ طفیل ایک مشہور فلسفی، دانشور اور معلم ہو گزرے ہیں۔ ایک دن طلباء کو درس دینے دارالعلوم میں تشریف لائے تو طلباء ان کے چہرے پر خوشی کے آثار دیکھ کر حیران رہ گئے۔ طلباء نے اس مسرت اور شادمانی کا سبب پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ آج مجھے کچھ راز معلوم ہوئے ہیں کہ:

کوئی پھل دار درخت اپنا پھل خود نہیں کھاتا۔

کوئی دریا اپنا پانی خود نہیں پیتا۔

کوئی ساز اپنی آواز سن کر مسرور نہیں ہوتا۔

کوئی قدرتی منظر اپنے حسن پر ناز نہیں کرتا۔

کوئی درخت اپنے سائے میں خود آرام نہیں کرتا۔

مگر انسان کتنا خود غرض ہے کہ وہ دنیا کی ہر چیز کو خود اپنے استعمال میں لاتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ اس کے سوا کوئی دوسرا اس نعمت کو استعمال کرے۔ جبکہ دنیا کی ہر چیز دوسروں کے استعمال کے لیے بنی ہے لیکن انسان چاہتا ہے کہ ہر چیز پر صرف اسی کا حق ہو۔

۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞





ڈاکٹر سر افتخار ایاز صاحب کیلئے
ملکہ ایلزابیتھ ہیومینی ٹیرین سروس میڈل کا ایوارڈ

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ڈاکٹر سر افتخار ایاز صاحب کی انسانیت کیلئے خدمات کو سراہتے ہوئے ان کو ''ملکہ



ایلزابیتھ ہیومینی ٹیرین سروس میڈل'' دیا گیا ہے۔ یہ میڈل ملکہ معظّمہ کے Realms کی طرف سے ہے۔ آپ کو ایک لمبے عرصہ سے انسانیت کی خدمت کی توفیق مل رہی ہے۔ آپ کئی سال تک یو این ہیومن رائٹس کونسل کی اقلیتوں کے حقوق کی کمیٹی کے ممبر رہے ہیں اور مختلف فورمز سے انسانی حقوق کے تحفظ کیلئے کوشاں رہے ہیں۔ 1990 کی دہائی میں آپ کو ہیومن رائٹس کونسل میں پسیفک جزائر کی خصوصی نمائندگی کی توفیق ملی۔ اب کئی سال سے آپ ہیومن رائٹس کے مذہبی آزادی اور مذہب کے خلاف تشدد کے فورمز میں شریک ہو رہے ہیں۔ آپ دنیا میں غربت کی تخفیف کیلئے بھی عالمی اداروں کے ساتھ کام کرتے رہے ہیں اور اس سلسلہ میں کئی عالمی کانفرنسز میں شریک ہوئے ہیں۔ نسلی امتیاز کے خلاف، خواتین کے حقوق اور یونیسکو کے عالمی منصوبہ ''بنیادی تعلیم سب کیلئے'' میں بہت کام کیا ہے۔

2019 میں آپ کو ہیومن رائٹس کونسل میں طوالو کا خصوصی نمائندہ مقرر کیا گیا۔ آپ کئی سالوں سے انٹرنیشنل ہیومن رائٹس کمیٹی کے چیئرمین بھی ہیں اور دنیا کے کئی ممالک میں اسائلم سیکرز اور ریفیوجیز کی فلاح و بہبود اور ان کی پرامن ممالک میں سکونت کیلئے کوشاں ہیں۔

قبل ازیں آپ کو ملکہ برطانیہ کی طرف سے

OBE- Officer of the Most Excellent Order of the British Empire

KBE- Knight Commander of the Most Excellent Order of the British Empire

کے اعزازات جن کے ساتھ ''سر'' کا خطاب ہے، مل چکے ہیں۔ اس کے علاوہ دنیا کے مختلف اداروں کی طرف سے آپ کو 40 کے قریب ایوارڈ مل چکے ہیں۔ جن میں ہیومن رائٹس مین آف دی ائیر، الفریڈ آئن سٹائن میڈل، لائف اچیومنٹ ایوارڈ اور رول ماڈل 2016ء شامل ہیں۔ آپ کو جماعت احمدیہ فرانس کی طرف سے انٹرنیشنل احمدیہ مسلم جماعت کی ہیومینی ٹیرین سروس کے اعزاز میں میرٹ آف ڈسٹنکشن ایوارڈ بھی دیا گیا ہے۔ بارک اللہ اللّٰھم زد و بارک۔ اللہ تعالیٰ انسانیت کی مزید مقبول خدمات کی توفیق عطا فرماتا رہے۔ آمین۔

DR SIR IFTIKHAR AYAZ SAHIB RECEIVES QUEEN'S MEDAL FOR HUMANITARIAN SERVICE





I am pleased to announce that in appreciation of Sir Iftikhar's humanitarian service, he has been awarded Queen's Medal for Humanitarian Service. This medal was approved by Her Majesty in 2020 specially for her Realms.

Sir Iftikhar has been dedicatedly serving humanity for many years. Her served the UN Human Rights Council in various capacities. He was a member of the UN Workshop on the Rights of Minorities for many years. Now, he is a prominent participant in UN Forums on fundamental human rights, freedom of religion and religious persecution.



He has also been actively working with International Organisations for the alleviation of poverty, the rights of women and the implementation of the UNESCO Education for All Programme.
As a field expert of the Commonwealth he initiated a very successful Education For Life Programme for the Small Island States in the Pacific Region. In 2019, the Government of Tuvalu appointed him Special Envoy to the UNHRC.

Sir Iftikhar has been the Chairman of the International Human Rights Committee for many years, ardently working for the rights, the welfare and wellbeing of asylum seekers and refugees and their resettlement in other peaceful countries.

Sir Iftikhar has received almost 40 awards from different organisations of the world including OBE (Officer of the Most Excellent Order of the British Empire) and KBE (Knight Commander of the Most Excellent Order of the British Empire) from Her Majesty, Queen Elizabeth II. Some of the other prominent awards are Alfred Einstein Medal, Life Achievement Award, Human Rights Man of the Year and Merit of Distinction awarded by the Ahmadiyya Muslim Community, France.

May Allah bless these awards for Sir Iftikhar and enable him to serve humanity for many years to come.



مسجد الصادق، امریکہ



مسجد مبارک، جرمنی



مسجد المہدی بریڈفورڈ، یو کے



مسجد احمدیہ، نائجر، افریقہ